نساخ

(حیات و تصانیف)

* * *

مصنفہ

ڈاکٹر محمد صدر الحق

* * *

انجمن ترقی اردو پاکستان
بابائے اردو روڈ۔ کراچی نمبر ۱

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

خودنوشت سوانح ن خ ۲۷۳

ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی

جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو
ہدیہ کیا گیا۔

CALL NO
PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY
LAHORE

Marfat.com

نسّاخ

حیات و تصانیف

★

ڈاکٹر محمد صدر الحق

انجمن ترقی اُردو پاکستان
بابائے اُردو روڈ۔ کراچی نمبر ۱

Marfat.com

129984

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو پاکستان ۴۰۷

طبع اوّل : ۱۹۷۷ء

تعداد : پانچ سو

قیمت : تیس روپے

ناشر

انجمن ترقی اُردو پاکستان

بابائے اردو روڈ۔ کراچی ۱

Marfat.com

فہرست

حرفِ چند	جمیل الدین عالی	۱
تعارف	ڈاکٹر فرمان فتح پوری	۲ — ۴
انتساب		۵
حصہ اول	حیات	
دیباچہ		۱۱ — ۲۷
باب اوّل (نسّاخ کے عہد کے شعر و ادب کا پس منظر)		۲۹ — ۳۹
باب دوم (نسّاخ کے خاندانی و ذاتی حالات)		۴۰ — ۱۵۴
حصہ دوم	تصانیف	
باب اول (دواوین۔ دیگر تصانیف، تالیفات، تذکرے)		۱۵۷ — ۲۸۱
باب دوم (عبدالغفور نسّاخ کے ادبی معرکے)		۲۸۲ — ۳۰۸
باب سوم (عبدالغفور نسّاخ کی مختلف حیثیتیں)		۳۰۹ — ۳۵۷
باب چہارم (نسّاخ کی خدماتِ زبان و ادب)		۳۵۸ — ۳۶۶
مصادر و مآخذ		۳۶۷ — ۳۶۸

Marfat.com

ڈاکٹر عندلیب شادانی کے نام

جن کی دل آویز اور سحر انگیز ادبی شخصیت سے
پھوٹنے والی شعاعوں نے تقریباً نصف صدی تک
مسلم بنگال میں تعلیم، تخلیق اور تحقیق
کے تمام شعبوں کو منوّر رکھا اور علم و ادب کے
شیدائیوں کی ہر طرح رہنمائی اور
حوصلہ افزائی فرمائی۔

Marfat.com

جمیل الدین عالی
معتمد اعزازی

حرفِ چند

مولوی عبدالغفور نساخ نہ دہلوی تھے نہ لکھنوی نہ دکنی نہ لاہوری۔ وہ مستند اور خاندانی بنگالی تھے۔ مگر اُردو کے اہم ستونوں میں شمار ہوتے ہیں۔

حیرت ہے کہ انیسویں صدی کے اُردو شعراء پر کام کرنے والوں نے اُن پر پوری پوری توجہ نہ دی۔ نساخ کی استعداد ایسی تھی اور ذوق بھی اس درجہ کا ہوگا کہ "عید کے روز مرزا صاحب (غالب) نے اپنی مثنوی گوہر بار کے تین سو شعر میرے سامنے پڑھے اس پر اہلِ دہلی کو بڑا تعجب ہوا....." (ص ۱۲۵-۱۲۶)

پچھلی صدی میں تو ان کا نام ایک استاد شاعر اور بطورِ خاص ناسخ اور امیر و دبیر کے ایک ناقد کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ مگر اب نساخ کا کام زیادہ تر چند خطوط کی وجہ سے جانا جاتا ہے جو مرزا غالب نے اُن کو لکھے۔ یقیناً غالب کے سبھی مکتوب الیہ اوّل درجہ کے شاعر، ادیب اور نقاد نہیں ہوتے تھے۔ لیکن یہ بات سب ادب دوستوں کو معلوم ہے کہ مولوی عبدالغفور نساخ سے غالب کی مراسلت کسی، قرابت داری قدیم دوستی یا ہم وطنی کے سبب نہ تھی۔ غالب نے جوہر شناسی کی تھی مولوی صاحب اٹھائیس کتابوں کے مصنف مولف ہوئے ہیں۔ زبان و ادب کے ایک اہم خادم ثابت ہو چکے ہیں۔ صفحہ ۱۵۷ سے آخر تک اُن کے علمی اور ادبی کاموں کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ یہ بات پورے طور سے واضح کرتا ہے وہ شاعر بھی ہیں خود نوشت سوانح کے مصنف بھی تذکرہ نویس بھی، نقاد بھی، اور نصابی کتب لکھنے والے بھی۔ یہ خصوصیات ان پر ایک پوری کتاب کا مطالبہ کرتی ہیں جو انجمن بڑی خوشی کے ساتھ پیش کر رہی ہے۔

یہ نساخ کی حیات پر بھی جامع تحقیق ہے جو اشاعت پذیر ہو رہی ہے اس کے کچھ حصے ماہنامہ سہ ماہی "اردو" میں چھپے تھے۔ دراصل یہ ڈاکٹر صدر الحق صاحب کا وہ مقالہ ہے جس پر جامعہ ڈھاکہ نے انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری دی۔ کتابی صورت میں پہلی بار پیش کیا جا رہا ہے۔

۲۲ر جنوری ۱۹۸۰ء

Marfat.com

تعارف

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

عبدالغفور نسّاخ، اونیسویں صدی عیسوی کے اُن بڑے ادیبوں میں سے ہیں جنہیں فی الواقع جامع الکمالات اور کثیر الجہات کہا جانا چاہیئے۔ اُن کا تعلق چونکہ برِّصغیر کے اُس پوربی خطّے سے تھا جو اس زمانے کے ادبی مرکزوں، لکھنو، دلّی اور رام پور وغیرہ سے بہت دور واقع تھا اور ان مرکزوں کے اکثر ادبا و شعراء، بربنائے معاصرانہ چشمک یا احساسِ برتری، دور دراز خطّوں کے ادیبوں اور شاعروں کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔ اس لئے عبدالغفور نسّاخ جیسے باکمال شخص کو بھی بروقت وہ شہرت میسّر نہ آئی جس کے وہ مستحق تھے۔ لوگ اُن کا نام جانتے ہیں لیکن اُن کے کام سے عام طور پر ناواقف ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ شعر و سخن کے علاوہ نسّاخ نے اور کونسی علمی و ادبی خدمات انجام دی ہیں اور ہماری ادبی تاریخ میں اُن کی کیا قدر و قیمت ہے۔ قابلِ مبارک باد ہیں، ہمارے عہد کے صاحب نظر ادیب جناب ڈاکٹر صدر الحق، جنہوں نے نسّاخ کی زندگی اور فن کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور اُن کی شخصیت اور کارناموں کو ایسی ذمہ داری اور خوش اسلوبی سے منظرِ عام پر لے آئے کہ اب اگر نسّاخ کو ادب کا مؤرخ نظرانداز بھی کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ مانا کہ اُن کا نام اور کام، بہت دیر سے ہمارے سامنے آیا۔ لیکن ایسی صحت اور تابناکی کے ساتھ آیا ہے کہ اب اس کے دھندلکے میں چلے جانے کا امکان نہیں ہے۔

عبدالغفور نسّاخ ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں بمقام کلکتہ پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخل کئے گئے لیکن والد کے انتقال کے سبب تعلیم چھوڑنی پڑی ۱۸۴۷ء میں بعمر تیرہ سال، ہُگلی کالج میں داخلہ لیا۔ ۱۸۵۲ء میں وہاں سے فراغت حاصل

Marfat.com

کرکے تلاشِ معاش میں ڈھاکہ پہنچے، پہلے سیشن جج کے دفتر میں ملازم ہوئے پھر صدر دیوانی عدالت میں مترجم مقرر ہوئے۔ اور ۱۸۶۱ء میں ترقی کرکے ڈپٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ ملازمت کے سلسلے میں اُن کا زیادہ قیام ہگلی، بھاگل پور، راجشاہی، باریسال اور ڈھاکہ میں رہا۔ ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ء بغرض علاج پہلی بار دہلی گئے اور الہ آباد اور لکھنؤ ہوتے ہوئے دو ماہ بعد بنگال واپس پہنچ گئے۔ اس کے بعد علاج ہی کے سلسلے میں وہ تین بار اور دہلی گئے لیکن اُن کی صحت پوری طرح ٹھیک نہ ہوئی اور ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں صرف ستاون سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔

یہ ہے نساخ کی زندگی کا مختصر خاکہ۔ اس خاکے کے تناظر میں دیکھئے تو اندازہ ہو گا، وہ صفِ اوّل کے شاعروں مثلاً غالب، نظیر، اور میر انیس و دبیر کے ہم عصر اور نامور نثر نگاروں میں سرسید، آزاد، حالی، نذیر احمد اور مولانا شبلی کے معاصر ہیں۔ ان نثر نگاروں کے علی الترتیب سنینِ وفات ۱۸۹۸ء، ۱۹۱۰ء، ۱۹۱۴ء، ۱۹۱۲ء اور ۱۹۱۴ء کو اور نساخ کے سالِ وفات ۱۸۸۹ء کو ذہن میں رکھ کر دیکھیں تو کہنا پڑتا ہے کہ نساخ نے اگرچہ اپنے معاصرین کے مقابلے میں بہت کم عمر پائی۔ پھر بھی صرف ستاون سال کی عمر میں انہوں نے تالیف و تصنیف کا جو گراں قدر سرمایہ یادگار چھوڑا، وہ معیار و مقدار کسی اعتبار سے بھی، دوسروں سے کم نہیں ہے نذیر احمد کو چھوڑ کر ایک اور چیز نساخ کو اپنے ہم عصروں میں ممتاز کرتی ہے، وہ انیسویں صدی کے ایک ایسے بزرگ ادیب ہیں جنہوں نے عربی و فارسی اور دوسرے علوم متداولہ کے ساتھ ساتھ۔ انگریزی کی بھی باقاعدہ تعلیم پائی تھی۔ مانا کہ حالی نے لاہور کے قیام میں انگریزی سے اردو تراجم کی اصلاح کی معرفت کچھ شدھ بدھ حاصل کر لی تھی۔ "نیرنگِ خیال" کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ آزاد نے بھی انگریزی سے استفادہ کرنے کی تھوڑی بہت صلاحیت پیدا کر لی تھی۔ مولانا شبلی نے فرنچ سیکھ لی تھی مگر انگریزی سے ناواقف تھے، سرسید، نظیر اکبر آبادی، غالب، میر انیس اور دبیر، صرف علوم شرقیہ کے نامی دشناور تھے۔ انگریزی سے واقفیت نہ تھی۔ اس کا سبب غالباً یہ تھا کہ راجہ رام موہن کی تحریک کے زیر اثر بنگال میں انگریزی تعلیم مقبول ہو چکی تھی۔ اور اُس وقت، اُدھر کے رہنے والوں کو انگریزی تعلیم کے حصول کی جو سہولتیں

Marfat.com

حاصل ہو چکی تھیں، وہ شمالی ہند کے لوگوں کو میسر نہ تھیں۔

ہر چند کہ نساخ کی انگریزی تعلیم کا اُن کے علمی و ادبی کارناموں پر کوئی اثر نہیں آتا اور اُن کا سارا کام خواہ، اس کا تعلق تحقیق و تنقید سے ہو، یا شاعری اور تاریخ و تذکرہ نگاری سے، مشرقی طرز کا ہے۔ پھر بھی جدید تعلیم نے ان میں ایک ایسی کشادہ نظری اور جرأت قلم پیدا کر دی تھی۔ جو اس زمانے کے ادیبوں اور شاعروں میں کمیاب و نایاب تھی۔ مشرقی اخلاقیات کا درسِ اوّل "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" ذہنوں میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ تعریفِ بے جا اور مداحی کے سوا غلط کو غلط کہنے کی کسی میں ہمت نہ ہوتی تھی۔ شعرائے اردو کے تذکرے لکھے جاتے تھے اور شاذ و نادر ہی اُن میں خال خال تنقیدی اشارے اور کہیں کہیں سماجی زندگی کی جھلکیاں بھی نظر آ جاتی تھیں لیکن عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ ہر شاعر کو کلمۂ خیر سے یاد کر کے اور "عمرت دراز باد" یا "حق مغفرت کرے" کی دعا دے کر سوانح نگاری کا حق ادا کر دیا جاتا تھا۔ خود نساخ نے بھی تذکرہ نگاری کی ایسی روش کو عموماً اختیار کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک کتابچہ ایسا لکھ دیا جس نے ٹھہرے ہوئے پانی میں پتھر کا کام دیا اور سارے ماحول میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی، میری مراد، اُن کی تصنیف، "انتخاب نقص" ہے جو ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا اور نساخ کی ناقدانہ جرأت کا مظہر ثابت ہوا۔

اہلِ لکھنؤ کو اپنی زبان دانی کا ہمیشہ سے غرّہ رہا ہے، انہوں نے دوسروں کی زبان میں ہمیشہ کیڑے نکالے ہیں۔ نکتہ چینیاں کی ہیں اور لسانی کمزوریوں پر طعن و تعریض کا نشانہ بنایا ہے۔ نساخ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے لکھنؤ والوں کے اس زعم کو توڑا، اور "انتخاب نقص" میں بڑی جرأت کے ساتھ اس زمانے کے ممتاز ترین لکھنؤ شعراء، میر انیس اور دبیر کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اُن کے مرثیوں میں زبان و بیان، روزمرہ و محاورہ، تذکیر و تانیث اور مستعمل و غیر مستعمل کی سینکڑوں غلطیاں نکالیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایک غیر لکھنوی نے لکھنؤ کی زبان پر حملہ کیا تھا۔ پورا لکھنؤ تلملا اٹھا، جواب اور جواب الجواب کی نوبت آئی، کئی کتابچے لکھے گئے۔ اور اس طرح، لسانی مسائل پر، اردو میں ایک قیمتی ذخیرہ جمع ہو گیا۔ جو آگے چل کر بہت سی باتوں کی صحت و عدم صحت کے مسئلے میں رہنما ثابت ہوا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نساخ نے میر انیس و دبیر کی

Marfat.com

زبان میں جو غلطیاں نکالیں وہ سب درست تھیں، اُن کے بعض اعتراضات یقیناً صرف برائے اعتراض تھے لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ نساخ کا اقدام، ایک دیانت دارانہ اور جرأت مندانہ اقدام تھا اور اس اقدام نے لسانی اور تنقیدی بحثوں کی ایک ایسی تحریک یا معرکے کو اردو میں جنم دیا، جس کی سنجیدہ مثال ہماری تالیف و تصنیف کی صورت میں اس سے پہلے نظر نہیں آتی۔

ڈاکٹر صدرالحق نے زیرِ نظر مقالے میں نساخ کے "انتخابِ نقص" اور اس سے پیدا شدہ لسانی قضیے کا بڑی عرق ریزی اور دقتِ نظر سے جائزہ لیا ہے۔ نساخ کے جواب میں اہلِ لکھنؤ میں سے کن کن حضرات نے مضامین اور کتابچے لکھے۔ نساخ کی طرف سے کن لوگوں نے جواب دیئے۔ یہ ساری بحثیں کتابی صورت میں کب اور کہاں سے شائع ہوئیں۔ اس وقت یہ چیزیں کہاں دستیاب ہیں اور ان کی کیا اہمیت ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ان سب باتوں کا شافی جواب دیا ہے، ایک ایک چیز کا کھوج لگایا ہے۔ ہر کتابچے کی ورق گردانی کی ہے، کمزوریاں اور خوبیاں گنوائی ہیں۔ اور لسانی و ادبی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ پوری بحث مطالعے کے لائق ہے۔ اس کے مطالعے سے صرف یہی نہیں کہ میر انیس و دبیر کی بعض غلطیوں کی نشان دہی ہو جاتی ہے بلکہ ہماری تاریخِ ادب کا یہ وہ گوشہ ہے جو ایک اہم ادبی معرکے سے متعلق ہے اور اب تک تاریکی میں تھا۔ ڈاکٹر صدرالحق نے پہلی بار اس گوشے کو منور کیا ہے۔ اور ان کی کوششوں سے سلسلۂ تاریخِ ادب کی ایک گم شدہ کڑی پہلی بار ہمارے سامنے آئی ہے۔

بعض ناقدین کا یہ خیال کہ نساخ نے "انتخابِ نقص" میں صرف عروض اور لسانی نکتہ چینیاں کی ہیں اور تنقیدی بصیرت کا ثبوت نہیں دیا۔ خود تنقیدی شعور اور نساخ کے عہد سے بے خبری کا پتہ دیتا ہے۔ ڈاکٹر صدرالحق صاحب نے ان لوگوں کو بہت صحیح جواب دیا ہے کہ نساخ جس دور سے تعلق رکھتے تھے اس دور کا تنقیدی شعور اور معیار یہی تھا کہ علمِ عروض و بیان و بدیع کی مدد سے کلام کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی جائے۔ نساخ نے جو کچھ کیا، اپنے عہد کے ممتاز ترین شاعروں کے کلام پر اعتراضات کرنے کی جرأت کی اور [illegible]

Marfat.com

سے ذہنوں کو نجات دلائی۔ نساخ کے اعتراضات سے دبیر یا انیس کے کلام کی قدر و قیمت کم ہوئی اور نہ ان کی شاعرانہ عظمت پر حرف آیا۔ البتہ بعض حقائق سامنے آگئے اور حقائق کا اظہار کوئی جرم نہیں ہے۔ البتہ اس کے جواب میں اہل لکھنؤ نے نساخ اور اُن کے کلام پر جائز و ناجائز جو حملے کیے وہ ادبی بحث کے شایانِ شان نہ تھے۔

تذکرہ نگار کی حیثیت سے نساخ کو ہمارے ادب میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ انہوں نے تین تذکرے یادگار چھوڑے ہیں "قطعۂ منتخب" "تذکرۃ المعاصرین"، اور "سخن شعرا"۔ "قطعۂ منتخب" تذکرہ نگاری کی پوری تاریخ میں منفرد نوعیت کا ہے۔ یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں صرف قطعہ نگار شعراء کے تراجم دیئے گئے ہیں۔ اور منتخبات میں غزلیات اور اشعار کے بجائے قطعات درج ہیں۔ بعد میں اس نوع کا مختصر سا تذکرہ بہاء الدین بشیر نے بھی مرتب کیا لیکن جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور میں تفصیل سے بحث کی ہے اور موازنہ کر کے دکھایا ہے، اُن کا تذکرہ "نگارستان بشیر" شروع سے آخر تک قطعۂ منتخب سے ماخوذ ہے۔ ماخوذ نہیں بلکہ تقریباً سارے ہی تراجم مع منتخبات، نساخ کے تذکروں سے لئے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے نساخ کا "قطعۂ منتخب" تذکروں کی تاریخ میں منفرد اور یکتا ہی رہتا ہے۔

"تذکرۃ المعاصرین" کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ نساخ کے ہم عصر فارسی شعراء کا تذکرہ یعنی اس میں برّصغیر کے اُن فارسی گو شعراء کے تراجم ہیں جن کا تعلق انیسویں کے نصف آخر سے ہے۔ اس میں مولانا حالی، داغ دہلوی، امیر مینائی اور سرسید احمد خاں آہی کی فارسی شاعری کا بھی ذکر آیا ہے۔ تذکرہ کیا ہے۔ برّصغیر میں مسلمانوں کے عہدِ زوال کی فارسی شاعری اور اُس کے ذوق و شوق کی تاریخ ہے۔

"سخن شعراء" اردو شعراء کا تذکرہ ہے اور اس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ برّصغیر میں اردو شعراء کے جتنے تذکرے لکھے گئے اُن میں یہ سب سے ضخیم ہے۔ اس میں پونے تین ہزار شعراء سے زیادہ کا ذکر آیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ تذکرہ نگاروں کی روشِ عام کے برعکس انہوں نے اپنے پیش رو تذکرہ نگاروں سے جو کچھ لیا ہے اس کا برملا اعتراف کیا ہے اور ماخذ کی نشان دہی کر دی ہے۔ اس تذکرے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ صوبہ بنگال و بہار کے

Marfat.com

دور دراز علاقوں کے بعض ایسے شعراء کے حالات و اشعار محفوظ ہو گئے جو کسی اور تذکرے میں نظر نہیں آتے۔

ڈاکٹر صدر الحق نے نساخ کے تذکروں کا ایک الگ باب قائم کیا ہے۔ ہر ایک کا تاریخ و تنقید کی روشنی میں جائزہ لیا ہے، ان کے سالہائے تصنیف و طباعت اور مختلف مطبوعہ اور قلمی نسخوں کی کیفیت و کمیت کی تفصیل بتائی ہے۔ نساخ نے دوسروں سے یا دوسروں نے نساخ سے جہاں اور جس انداز کا استفادہ کیا ہے، اُس کی نشاندہی کی ہے۔ تذکرہ نگاری کے فن اور اردو شعراء کے دوسرے تذکروں کی روشنی میں نساخ کے تذکروں کی قدر و قیمت متعین کی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جس دور اور ماحول میں نساخ کے تذکرے لکھے گئے ہیں۔ اُن کی ادبی و سماجی خصوصیات و امتیازات کو سامنے رکھ کر تہذیبی اور ناقدانہ شعور کا ثبوت دیا ہے۔ اس لحاظ سے کتاب کے اس باب کا مطالعہ گویا انیسویں صدی کی آخری دہائیوں کی ادبی و سماجی تاریخ کا مطالعہ ہے۔ ایسا مطالعہ جو صرف پچھلی صدی کے ادب سے نہیں بلکہ بیسویں صدی کے ادب کے پس منظر و عوامل سے بھی قاری کے ذہن کو ایک حد تک روشناس کراتا ہے۔

نثری تصانیف سے قطع نظر، ڈاکٹر صدر الحق نے نساخ کی شاعری، سوانح، تصانیف اور تلامذہ کی تفصیل کے لیے الگ الگ ابواب قائم کیے ہیں۔ بعد زمانی کی بنا پر خود نساخ کی زندگی اور شخصیت کے منتشر اجزاء کو صحت و سند کے ساتھ یکجا کرنا اور مختلف مبصرین و ناقدین کے بیانات پر جرح و بحث کر کے، ان سے نتائج کا استنباط کوئی آسان مرحلہ نہ تھا لیکن صدر الحق صاحب، صرف یہی نہیں کہ اس مرحلے سے کامیاب گذر گئے ہیں بلکہ انہوں نے نساخ کے تلامذہ کے حالات زندگی اور ان کے کلام پر تبصرے کی ذمہ داری کو بھی اپنے تحقیقی مقالے میں شامل کر لیا ہے۔ اس طرح انہوں نے نساخ کی زندگی اور شاعرانہ کمالات کے ساتھ، اُن کے عہد کے پورے ادبی منظر و پس منظر کو اپنی کتاب میں سمیٹ لیا ہے۔ اور تحقیق و تنقید کا حق ادا کیا ہے۔ یہی کیفیت دوسرے ابواب کی ہے۔ مقالہ نگار نے کہیں بھی روا روی سے کام نہیں لیا۔ ہر باب اور ہر جزو کے مواد کی فراہمی اور اس کے تجزیہ و تحلیل میں، کامل غور و فکر اور احتیاط و تامل کا ثبوت دیا ہے۔ نتیجتاً اُن کا زیر نظر مقالہ، تحقیق و تنقید کا ایسا بلند معیار قائم کرتا

Marfat.com

ہے جس کی ایک ذمہ دار اور بالغ نظر محقق و ناقد سے واقعی توقع کی جا سکتی ہے۔
میں مقالہ نگار کو اُن کی اس کامیابی پر دلی مبارکباد دیتا ہوں، اُن کے ساتھ ساتھ انجمن ترقی اردو پاکستان اور اس کے ارکان کو بھی، انہوں نے مقالے کی اہمیت کے پیشِ نظر، اس کی اشاعت و طباعت کو ضروری جانا اور اس طرح اردو کی ادبی تاریخ میں ایک گراں قدر باب کا اضافہ کیا۔

Marfat.com

حصّہ اوّل

(حیات)

Marfat.com

Marfat.com

دیباچہ

یقین کے ساتھ یہ کہنا تو بہت مشکل ہے کہ بنگال میں اردو کا جنم کب اور کس طرح ہوا لیکن قیاس ہے کہ جو عوامل شمالی ہندوستان یا برصغیر ہند و پاکستان میں اردو کے پھولنے پھلنے کے کارفرما رہے، کم و بیش وہی عمل سرزمین بنگال میں بھی جاری ہوا۔ یعنی صوفیائے کرام کی تبلیغ و اشاعت اسلام اور بنگال میں مسلمان حکمرانوں کی آمد۔

سارے برصغیر ہند و پاکستان کی پراکرتوں یعنی اپ بھرنشوں میں صوتی، ہیئتی اور قواعد کی تبدیلیاں ہو رہی تھیں اور ان سے جو بھاشائیں بن رہی تھیں وہ ابھی سیال حالت میں تھیں کہ برصغیر ہند و پاکستان میں مسلمان قوم کی آمد ہوئی اور اس طرح دو بڑی تہذیبوں برہمن سبھیتا اور اسلامی تہذیب کا آپس میں ٹکراؤ ہوا لیکن برہمن سبھیتا کی آہنی دیواریں بھی اسلامی تہذیب کی برتری کے آگے نہ ٹھہر سکیں اور برصغیر ہند و پاک کی تہذیب و تمدن، زبان و ادب پر لازما اس کا اثر پڑا۔ اس چیز کے اثرات جو صوفیائے کرام کے اخلاق، تعلیم، رشد و ہدایات کے سبب ہوئے۔ وہ بہت دوررس ثابت ہوئے۔

یہی وجہ ہے کہ پنجاب ہو یا دلی، اجمیر ہو یا دکن، بہار ہو یا بنگال صوفیائے کرام کے رشد و ہدایات کے مرکز بنے اور ہر علاقے کی مقامی بولیوں کے اثرات ان کی زبانوں پر بھی چڑھے اور مقامی زبانوں نے بھی اُن کے اثرات قبول کیے۔

بات یہ ہے کہ "دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لیے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے۔ ہم زبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے ......" اسلام کی تلقین کے لئے انہوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کیے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اس خطے کی زبان سیکھیں تاکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں چونکہ جتنے اولیاء اللہ سرزمین ہند میں آئے

Marfat.com

یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم وفاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انہیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم وتلقین فرماتے تھے۔[1]

پنجاب و دلی کی طرح بنگال میں بھی صوفیائے کرام کی آمد ہوئی اور بعض مورخین کا تو یہ کہنا ہے کہ بنگال میں صوفیائے کرام کی آمد مسلمان فاتحین سے پہلے ہوئی۔ بہرکیف بنگال بھی دوسرے صوبوں کی طرح صوفیائے کرام کی سرگرمیوں کا مرکز رہا اور شیخ جلال تبریزی، بابا آدم شہید، شاہ سلطان رومی، شاہ سلطان ماہی سوار، مخدوم شاہ دولہ شہید، مخدوم شاہ محمود غزنوی، مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، شیخ جلال سلہٹی، شیخ اخی سراج الدین عثمانی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، شیخ راجہ بیابانی، شیخ علاءالحق، شیخ نور قطب عالم، میر اشرف جہانگیر سمنانی، شیخ بدرالعالم، شیخ الزورء، ملا عطا، شاہ جلال دکنی، مولینا شاہ دولہ وغیرہ اکابر دین حضرت کے مبارک قدموں سے بلال باڑی (منشی گنج) ہری رام نگر، شہداد پور، منگل کوٹ (بردوان) سنار گاؤں، سلہٹ، پنڈوہ، گنگا رام (دیناج پور) ڈھاکا، راجشاہی چاٹگام وغیرہ کے علاقے رشد و ہدایات کے مرکز بنے۔ اس کے علاوہ بنگال کا کوئی گاؤں اور کوئی قصبہ ایسا نہ تھا جہاں صوفیائے کرام کے پیغام ربانی نہ پہنچے ہوں۔ اس کا اندازہ میر اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ کے اس خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے سلطان ابراہیم شرقی جونپوری کو لکھا تھا وہ لکھتے ہیں :

"الحمد للہ، بنگال کی زمین کس قدر خوش قسمت ہے کہ جہاں بہترے صوفیا اور زہاد ہر چہار طرف سے آئے اور اسے یہاں اپنی اقامت بنائی اور بود و باش اختیار کی۔ مثال کے طور پر دیوگاؤں میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے شیوخ کے مریدان ابدی آرام فرما رہے ہیں اور بہترے صوفیا سہروردیہ سلسلے کے مہیسون میں مدفون ہیں اور اسی طرح بلبلیہ سلسلے کے دلی تلا میں ابدی طور پر آرام فرما رہے ہیں۔ نرکوٹی میں شیخ احمد دمشقی

---

[1] اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام ص ۳۲ (بابائے اردو مولوی عبد الحق)

Marfat.com

کے عزیز رفقا موجود ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین ابو توامہؒ جو قادرخوانی سلسلہ کے بارہ اشخاص میں ہیں اور جن کے چہیتے شاگرد حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری تھے، سنارگاؤں میں دفون ہیں۔ اس کے علاوہ بادر عالم اور بدر عالم زاہدی ہیں۔ المختصر بنگال میں کوئی قصبہ اور کوئی گاؤں ایسا نہیں جہاں صوفیائے کرام نہ آئے ہوں اور سکونت پذیر نہ ہوئے ہوں۔ سہروردیہ صوفیا میں اکثر کا انتقال ہو چکا ہے اور بیشتر زمین ہو چکے ہیں مگر جو ابھی باحیات ہیں اُن کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔[۱]

بنگال میں اکثر صوفیائے کرام کا تعلق دہلوی صوفیائے کرام سے بھی تھا اور دہلوی صوفیا کی زبان پر مقامی زبان کے بول کے نمونے ہمیں ملتے ہیں۔ یقین ہے کہ بنگال میں بھی اُن کے بولوں نے لوگوں کے دلوں میں گھر کئے ہوں گے اور خود اُن بزرگوں نے بھی بنگال کی مقامی بولیوں کو ضرور اپنایا ہوگا کیونکہ مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے "ہندوی دوہے جن میں بیماریوں کی مجرب دوائیں بتائی گئی ہیں[۲]، وغیرہ کے علاوہ کئی فالنامے، کچھ منتر، نسخے، نقش اور طلسمات بھی موصوف سے منسوب کیے جاتے ہیں اور محمود شیرانی مرحوم کے مطابق شیخ شرف الدین بھاشا میں بھی شاعری کرتے تھے اور شرف آپ کا تخلص تھا[۳]" اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ مخدوم الملک کی تعلیم بنگال ہی میں ہوئی تھی۔ لہذا قیاس ہے کہ بنگال بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہوگا۔ اس قیاس کو ایک چیز سے اور بھی تقویت پہنچتی ہے۔ وہ ہے شیخ سراج الدین عثمان آئینۂ ہندوستان کی بنگال میں آمد۔

جب شیخ علیہ الرحمتہ کو حضرت چراغ دہلویؒ بنگالے کی طرف رخصت کر رہے تھے، تو حضرت نے ہندی زبان میں فرمایا تھا "تم اوپر دے تل[۴]"۔ اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل

---

[۱] SOCIAL HISTORY OF THE MUSLIMS IN BENGAL PP 85
مصنف: ڈاکٹر عبدالکریم

[۲] بہار میں اردو کا ارتقاء ص ۱۴۳ ۔ [۳] پنجاب میں اردو ص ۲۰۲

[۴] آب کوثر ص ۳۰۵

Marfat.com

نہیں کہ جب ان کے استاد یعنی حضرت چراغ دہلی زبان ہندی پر اتنا عبور رکھتے تھے تو یقیناً شیخ سراج الدین عثمانی کو بھی اس میں دستگاہ ہوگی۔ دوسرے شیخ علیہ الرحمۃ اگر اس زبان سے ناآشنا ہوتے تو چراغ دہلی نے ہرگز زبان ہندی استعمال نہ کی ہوتی۔

اس کا ثبوت شرف نامہ منیری سے بھی ملتا ہے جسے مولانا ابراہیم بن قوام فاروقی نے رکن الدین باربک شاہ والئ بنگالہ (۸۶۱ - ۸۷۹ھ) کے زمانے میں لکھا تھا۔ مولانا ابراہیم بنگالے کے رہنے والے تھے۔ اس فرہنگ کی تدوین میں بنگال کے شعراء مثلاً ملک الشعرائے بنگالہ امیر زین الدین ہروی، محمد شیرازی اور شیخ واحدی وغیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا۔[1]

اس فرہنگ میں اصل لغت اور اس کے ہندی مرادف دیے ہوئے ہیں چند مثالیں دلچسپی سے خالی نہیں۔[2]

اصل لغت	ہندی مرادف	اصل لغت	ہندی مرادف
اردی بہشت	چیت	اسپاناخ	پالک
آبک	پھوہر	آب جنت	بھالہ
بنو ماش	مونگ	بناغ	ککری
سوسمار	گوہ	باتابہ	کڑاہی
گذر	گاجر	کت	کھوت
کان	کھان	مقناطیس	چومک

محمود شیرانی مرحوم فرماتے ہیں:

"یہ امر یاد رہے کہ یہ فرہنگ نگار جس چیز کو ہندی کہتے ہیں وہ نہ برج ہے نہ پنجابی۔ نہ راجستھانی اور نہ بنگالی و گجراتی۔ ہندی سے ان کی مراد یہی اردو ہے جو اس عہد کے مسلمانوں میں بالعموم رائج تھی۔ اس نے ان بعید زمانوں میں بھی اس قدر ترقی اور وسعت اختیار کر لی تھی کہ پنجاب، بنگالہ، گجرات اور ہندوستان میں عام طور

---

[1] پنجاب میں اردو صفحہ ۲۹۳۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۹۴

Marfat.com

یہ بولی اور سمجھی جاتی تھی[1]۔

ان شواہد کی بنا پر یہ بات نہایت وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ کھڑی بولی (اردو کا ڈھانچہ) دہلی سے ہر چہار طرف پھیل چکی تھی جس سے بنگال بھی محروم نہ تھا۔

بعض ایسے نمونے بھی ملے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ مقامی بولی بھی صوفیاء کرام کے فیض سے خالی نہیں تھی چنانچہ قطب اولیاء شاہ الیاس کا یہ ملمع[2]:

آرزوئے کردم روئے تو دیدم　　　تن من یا گل بسیلو رے جانم

یا بنیا چنگ ریاست ہے ایک گمنام شاعر کا یہ کلام[3]

دردلم بود کہ ہرگز نشوم از تو جدا　　　من تے آشا چھیلو سری چرن تھاک بو سدا

چہ کنم چارہ ندارم کہ جدا کرد خدا　　　کی کوری ہوئیتے ہو ز ہمتو پر حکم قضا

اس قیاس کی شہادتیں ہیں۔

بنگال میں صوفیائے کرام کی خانقاہیں نہ صرف رشد و ہدایات کا منبع بلکہ درس و تدریس کا بھی مرکز تھیں جہاں طلباء کے رہنے کا انتظام تھا اور دوسرے علاقوں سے بھی طالب علم آ کر علم کی پیاس بجھاتے تھے۔ چنانچہ مخدوم شرف الدین ابو توامہ اپنے وقت کے جید عالم تھے اور انہیں کے چشمۂ علم سے حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ منیری نے اپنے علم کی تشنگی دور کی تھی۔

ان خانقاہوں میں قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم دی جاتی تھی اور یقینی معلوم ہے کہ بنگال کے مسلمان بھی اس فیض عام سے مستفید ہوئے بغیر نہ رہے ہوں گے کیونکہ ان خانقاہوں اور صوفیائے کرام کو بنگال میں بڑی مقبولیت حاصل تھی اور اس طرح عربی و فارسی کی تعلیم بھی بنگال کے چپے چپے میں ضرور پہنچی ہوگی اور اس نے بنگال کی مقامی بولیوں کو بھی ضرور متاثر کیا ہوگا۔

---

[1] پنجاب میں اردو ص ۲۸　　[2] الاصلاح (بنگال) حصہ اول ص ۲۳۹

[3] ایضاً ص ۱۲۹

(۲)

بنگال میں مسلم اقتدار کی ابتدا اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی کے حملۂ بنگالہ سے ہوئی اور فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ چاٹگام اور سلہٹ تک پہنچا اور کبھی دیو کوٹ، گوڑ یا لکھنوتی یا سنار گاؤں پایۂ تخت کی حیثیت اختیار کرتا گیا۔

بنگال باوجودیکہ دہلی کا ایک صوبہ تھا لیکن اکثر اوقات خود مختاری کے علم بھی بلند ہوتے رہے۔ خود مختار ریاستیں بھی وجود میں آتی رہیں۔ سلطان دلی کے غیض و غضب سے بچنے کے لیے بھی سردار اور باغی حضرات بنگال میں پناہ لیتے رہے۔ چنانچہ بنگال میں خلجی، ترک، البری ترک، تغلق، حبشی غلام سب کے جتھے آتے رہے اور اکثر و بیشتر قبائل نے اسی سرزمین کو اپنا مسکن بنالیا۔ شادیاں بھی مقامی لوگوں سے کیں اور اسی سرزمین کی خاک کے پیوند بھی ہوئے۔

بظاہر اس چیز کی اہمیت نظر نہیں آتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات کو لسانی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ان کی زبان عام طور پر فارسی تھی اور حکومت کے کاروبار کی زبان بھی فارسی تھی لہذا یقینی طور پر فارسی نے یہاں کی مقامی زبان کو بھی متاثر کیا ہوگا کیونکہ ان سلاطین میں سے اکثر علم پرور اور ادب نواز تھے۔ خود دلی میں ادباء و شعراء کی آمد ہو رہی تھی۔ دہلی رشک شیراز ہو رہی تھی۔ امراء و اراکین سلطنت ادب نوازی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ حکمرانی کی خصوصیت میں علم و فن کی قدردانی بھی شامل تھی اور سلاطین دہلی اس سے ناآشنا نہ تھے۔ اس کا اثر صوبوں پر پڑنا کوئی بعید نہیں۔ صوبے خواہ دہلی کے تابع رہے ہوں یا خود مختار یقیناً اس سے بے بہرہ نہ رہے ہوں گے۔ چنانچہ بنگال بھی شعراء و ادباء اور فضلائے عصر کا مرکز تھا اور قاضی رکن الدین سمرقندی، مولانا تقی الدین عربی، شیخ شرف الدین ابو توامہ، ابراہیم قوام فاروقی، محمد بن یزدان بخش، محمد بدائی عرف سید میر علوی اور امیر الدین ہروی ملک الشعرائے بنگال، شہاب الدین حکیم کرمانی، منصور شیرازی، ملک یوسف بن حمید، سید جلال، سید محمد رکن اور سید حسین وغیرہ شعرائے بنگال کی زمزمہ سنجی سے بنگال کی سرزمین بھی رشک دہلی ہو رہی تھی۔

Marfat.com

اس کے علاوہ سلاطین بنگالہ نے جابجا مدرسے بھی قائم کیے اور اسلامی فتوحات کے برکات اس طرح عام ہو گئے تھے ۔ علم و فن کا سرچشمہ جاری تھا ۔ مسلمان سلاطین کی خصوصیت رواداری بھی رہی ہے اور اسی رواداری کے نتیجے میں مقامی لوگوں کو اعلیٰ عہدے بھی ملتے گئے ہیں ۔ بنگال بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا ۔ ان تمام چیزوں نے یعنی صوفیائے کرام کی تعلیمات ، مدرسے اور خانقاہیں ، شعر و ادب سے سلاطین بنگالہ کی دلچسپی ، فارسی عربی کی عام تعلیم ، اسلام کی اشاعت ، برہمنوں اور بدھوں کی آویزشیں اور سرکاری ملازمتوں کے لالچ نے یقیناً فارسی زبان کو ہر دلعزیز بنا دیا ہوگا کیونکہ بنگال کے فاضل العصر علماء نے فارسی زبان میں کتابیں بھی لکھی ہیں ۔ مثلاً تام حق ، شرف نامہ (فرہنگ ابراہیمی) جامع البخاری ، رسالۃ الشہداء ، ہدایت الرامی وغیرہ ۔

ان سلاطین نے مقامی زبانوں کو بھی ترقی دی اور بنگالی زبان جو اس وقت تک ادب کی زبان نہ سمجھی جاتی تھی ، ان کی قدردانی سے اس قابل ہوئی کہ ادبا نے اس زبان میں کتابیں بھی لکھیں ۔ اس زمرہ میں علاؤالدین حسین شاہ والیٔ بنگال کا نام سرفہرست ہے ۔ اس کا دربار ہندی اور بنگالی شعراء سے آباد تھا ۔ قطبن نے اپنی تصنیف مرگاوتی سنہ ۹۰۹ھ میں اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی ہے اور مالادھر داسو ساکن کلنگرام اسی بادشاہ کے حکم سے بھاگوت کا بنگالی زبان میں ترجمہ[1] کرتا ہے ۔

قطبن کی شاعری کے نمونے دلچسپی سے خالی نہیں :

" شاہ حسین آہے بڑ راجا	چھتر سنگاسن ان کو چھاجا
پنڈت اور بدھ ونت سیانا	پڑھے پوران ارتھ سب جانا
دھرم ودسٹی ان کو چھاجا	ہم سر چھاہ جیو جگ راجا
دان دیے اوگنت نہ آوے	بلی او کرن نہ سر برباد ے
رائے جہاں لوں گندے رو ہیں	سیوا کرہیں یا سب چھ ہیں[2] "

---

[1] پنجاب میں اردو ص۱۷ ۔ [2] ایضاً ص۲۲۲

Marfat.com

قطبن کے اس نمونۂ کلام سے اس بات کا پتہ چلانا کچھ زیادہ مشکل نہیں کہ بنگال میں بھی ریختہ کا ڈھانچہ تیار ہو رہا تھا کیونکہ اس دور کے بنگالی ادب میں بھی ایسے الفاظ ملتے ہیں جس میں عربی و فارسی اور ہندی کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اس کی مثال مسلمانوں کے ابتدائی دور کی ایک کتاب شُنیہ پُران کے ایک عنوان "نرنجن پر رُشمہ" میں موجود ہے جس میں شاعر نے ذیل کے الفاظ استعمال کیے ہیں:-

"کالو ٹوپی، کمان، خدا، نام، اوتار، ازار، آدم سفا (آدم) محمد، پیغمبر، غازی، قاضی، شیخ، مولینا، حیا بی بی، بی بی نور، ایک من، پگڑ و وغیرہ۔

چنانچہ بنگال میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر ستر ہویں صدی کے آخر تک ہمیں اس ڈھانچے کے نمونے مقامی بولیوں میں بھی ملتے ہیں جس میں عربی فارسی اور ہندی الفاظ کی آمیزش سے ایک نئی زبان کا کینڈا تیار ہو رہا تھا لیکن قدیم اردو کے واضح نمونے یعنی کوئی ادب یادے نہیں ملتے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بنگال میں مختلف قبائل آتے رہے۔ بغاوتیں ہوتی رہیں اور امن و سکون کا دور کمتر رہا۔ پھر جو صوبیدار نیا آتا تھا وہ اپنے ساتھ نئے عملے بھی لاتا تھا اور اس طرح نئے خون کی آمد سے اردو کی ترقی کی وہ رفتار جو شروع میں عمل میں آرہی تھی، کچھ رک سی گئی۔ شمالی ہندوستان میں بھی اردو کی ترقی دھیمی ہی رہی اور اس کا اثر بنگال پر بھی پڑا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ بنگال میں ریختہ تیار ہی نہیں ہوا یا تیار ہونے لگا تو پھر ایک دم سے خلا پیدا ہو گیا۔ ریختہ برصغیر ہند و پاکستان کے ہر صوبے میں تیار ہو رہا تھا۔ کہیں پہلے اور کہیں بعد میں۔ اس خیال کی تصدیق ڈاکٹر اختر اورینوی کے اس نظریہ سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

" ابتدائی اردو یا اردوئے قدیم کا تصور میرے ذہن میں یوں ہے کہ کم دبیش

لے SOCIAL HISTORY OF THEMUSLIMS IN BENGAL مصنفہ: ڈاکٹر عبدالکریم

(حاشیہ) ۱۴۳-۱۴۲ PP۔ اور سہ ماہی رسالہ اردو (دکن) اپریل ۱۹۳۹ء صفحہ ۲۹۶-۹۶

Marfat.com

ملک کے ہر خطے میں وہاں کی مقامی بھاشا کے ساتھ عربی و فارسی الفاظ ملتے رہے اور اس آمیزش سے ریختہ کی ابتدائی قماشیں پیدا ہوئیں ..... دور آمیزش بھی ایک وسیع دور تھا۔ اس کے بعد دور ترکیب شروع ہوا یعنی ریختائیں اب آمیزہ نہیں، مرکب تھیں۔ اس عہد میں بھاشاؤں اور عربی و فارسی کے امتزاج میں اب گول مرچ نمک کے میل کی صورت نہیں تھی بلکہ شیر و شکر کے بالکل گھل مل جانے کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ملکی اور غیر ملکی الفاظ ازدواج کی کامیاب منزل طے کر کے ایک خاندان کے ارکین بن گئے تھے اور اب ایک متحدہ کنبہ کی تخلیق ہونے لگی تھی۔ صورتِ حال یہ تھی کہ سندھی، ملتانی، پنجابی، ہندوستانی (کھڑی بولی) برج راجستھانی، گجراتی، مراٹھی، ہریانی، بندیلی، اودھی، بھوجپوری، مگھی میتھلی، بنگالی ریختائیں وجود میں آ چکی تھیں...... سندھ، پنجاب اور گجرات میں ریختہ کا سیال مرکب پہلے تیار ہونا شروع ہو گیا۔ ادھر بہار اور بنگال میں کچھ عرصہ کے بعد..... ہاں مختلف وجہوں سے بعض علاقوں میں یہ عمل امتزاج ادھورا رہ گیا اور بعض میں ریختہ کی حالت تو پیدا ہو گئی مگر معیاری اردو کا رواج دیر میں ہوا یا خال خال ہوا[۱]۔" چنانچہ بنگال میں ریختہ کی ترقی کے سبھی مدارج تیزی سے طے ہو رہے تھے مگر سکون اور امن و امان کی کمی اور مغلوں کی آمد، پٹھانوں اور مغلوں کی لڑائیوں نے اس رفتار میں کمی پیدا کر دی۔ البتہ عربی و فارسی اور مقامی بولی کی آمیزش سے جو زبان تیار ہوئی تھی وہ قیاس ہے کہ عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی رہی ہو گی۔ بعینہ یہی حال مرکز یعنی دلی میں بھی ہوا، جہاں ابتدا میں مغلوں کی فارسی نوازی نے اردو میں ادبی تخلیق کے کم مواقع بہم پہنچائے اور دکن میں اردو کے پھیلنے اور پھلنے پھولنے کے زیادہ مواقع ہاتھ آئے۔

---

(۳)

شمالی ہندوستان میں اردو شاعری صحیح معنی میں ولی کے اثر سے شروع

---

[۱] بہار میں اردو زبان کا ارتقاء ص ۴۹-۴۸

Marfat.com

ہوئی جیساکہ ذیل کے اقتباس سے جسے ڈاکٹر زور نے تذکرۂ بے جگر کے ایک مخطوطے سے نقل کیا ہے، ثابت ہوتا ہے :-

"چوں در سن اثنا جلوس محمد شاہی دیوان او (ولی) بدہلی رسید موزوں طبعان بلند فکر و عالی تلاشان ہم عصر مثل حاتم و آبرو و فغاں بہ تتبع زبانش پیرو و ہم زبان شدند" [1]

اٹھارویں صدی کے ابتدا میں مرشد قلی خاں نے بنگال میں ایک خود مختار ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ صوبہ بنگال کا تعلق دہلی کے مرکز سے تھا لیکن یہ صرف نام کے لیے ہی تھا ورنہ بنگال کے صوبیدار اپنے معاملاتِ مملکت میں قطعی خود مختار تھے۔ مرشد قلی خاں کے بعد علی وردی خاں بنگال کا صوبیدار ہوا۔ اسی صوبیدار کے دورِ حکومت میں نادر شاہ نے ۱۷۳۹ء میں دہلی پر حملہ کیا اور دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔

یہ دور دہلی کی حکومت کے لیے بڑا پر فتن دور تھا۔ دہلی شعراء ادباء کا مرکز ہو رہی تھی۔ ولی نے جس ریختہ کی شاعری کا نمونہ اہل دہلی کو پیش کیا تھا اس کی اچھی خاصی آبیاری ہو رہی تھی۔ چنانچہ دہلی کی بدامنی اور بے اطمینانی سے تنگ آکر شعراء و ادباء نے اودھ، عظیم آباد اور مرشد آباد کی طرف رخ کیا اور مرشد آباد بھی دہلی ہی کی طرح شعر و ادب اور اردو تخلیقات کا مرکز بنا۔

بنگال کے لیے یہ دور بڑا مسعود ثابت ہوا۔ علی وردی خاں نے دہلی کی درباری زندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ دکن کی نظام حکومت اور اودھ کی حکومت شعراء و ادباء کی قدردانیوں میں پیش پیش تھیں۔ بنگال کی خود مختار ریاست کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ اپنی نوابی شان کو برقرار رکھتے۔ چنانچہ مرشد آباد کی حکومت نے بھی شعراء و ادباء کی قدردانی میں بڑھ بڑھ کر حصہ لیا۔ اسی

---

[1] داستان زبان اردو ص ۱۸۵

قدردانی کا نتیجہ تھا کہ علی وردی خاں کے گورنر جو بہار اور ڈھاکا میں حق نیابت ادا کر رہے تھے وہ بھی ان کی قدردانی میں پیچھے نہ رہے۔ بنگال میں اردو ادب و شاعری کے لیے یہ دور بڑی اہمیت کا حامل ہے اور خاص کر زبان کی توسیع میں بھی اسے لسانی اہمیت حاصل ہے کیونکہ جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ بنگال میں اردو کا کینڈا وجود میں آچکا تھا۔ مقامی بولیاں اور زبان عربی و فارسی اور بھاشا کی آمیزش سے ایسی حالت میں آچکی تھیں کہ اس میں ادب پیدا کیا جا سکتا تھا لیکن مختلف عوامل نے اس اقدام میں رکاوٹ ڈال رکھی تھی لیکن جب ایک بار پھر اردو ادب کا باضابطہ ڈھلا ڈھلایا سانچہ بنگال پہنچا تو وہ رکاوٹیں برف کی طرح خود بخود پگھل گئیں اور اردو زبان اور شاعری کا رواج عام طور پر ہو گیا۔ مرشدآباد کو مرکزیت حاصل ہوئی اور ڈھاکا اسی کی نیابت میں رہا۔

لیکن زبان کی توسیع میں مرشدآباد کی خدمات نے بڑا کام کیا۔ چنانچہ اس دور کی ریختہ نوازی کا اثر یہ ہوا کہ مقامی شعرا بھی پیدا ہوئے اور بنگلہ زبان بھی اس ریختہ سے بہت متاثر ہوئی اور اس نے مسلمانوں کے علاوہ بنگال کے ہندوؤں کو بھی متاثر کیا اس دور کے نمایندہ بنگلہ زبان کے شاعر بھارت چندر گنا کر (۱۷۱۲ - ۶۰ء) تھے۔ ان کے متعلق پروفیسر عبدالحئی صدر شعبہ زبان بنگالی ڈھاکا یونیورسٹی لکھتے ہیں:

"وہ (بھارت چندر) سنسکرت کے علاوہ فارسی اور ہندی (اردو) میں بھی مہارت رکھتے تھے اور ان کے زمانے میں چونکہ مرشدآباد صوبۂ بنگال کی راجدھانی تھا۔ اسی لیے اس اطراف کے بنگالی ادب میں درباری اثر سے عربی و فارسی الفاظ کی آمیزش بہت کثرت سے ہو رہی تھی۔ یہی سبب تھا کہ بردوان ڈویژن میں دوبھاشی (عربی و فارسی و اردو مخلوط) پوتھی ادب کی ایجاد ہوئی جس کے قدیم ترین مصنف غریب اللہ تھے۔ غریب اللہ شاہ کے متبع شاعر سید حمزہ بھی بھارت چندر کی طرح بھرسٹ پرگنہ کے باشندہ تھے ہم یہاں بطور نمونہ ان کی عبارت کا کچھ حصہ پیش کرتے ہیں۔

مان سنگھو ہوڑیا ہاتے   انجلی باندھیا ماتھے
کہے جہاں پناہ سلامت
رام جی ر قدر رتے   مہم ہوئیلو فتح
کیبل تو ماری کرامت
حکم شاہنشاہی   آر کچھو تا ہی چاہی
زیرہ ہوئیلو نمک حرام
غلام غلامی کو ئیلو   ظالم قید ہوئیلو
بہادری صاجبیر نام
بادشاہ ہوئیلا خوشی   کہیتے لاگیلو توشی
کہو رائے کی چاہو انعام
کہے مان سنگھو رائے   غلام انعام چاہئے
انعام ئتے جاھے رہے نام
گیا چھینو بنگلا ئے   تھے کچھو نو بڑدوائے
سات روز دارن بادلے
لبتر لسکر ہوئیلو   الوشیش جا ہا روئیلو
اوپو باشی شہر دل بلے
بھبا نندو مجمدار   نام خوب ہوشیار
بنگالی باھمن اے بی جن
شپتا ہو خوراک دیلو   شکلے رہے بانچا ئیلو
فتح ہوئیلو ایہاری کارن[1]"

اس نمونے کو دیکھیے اور اندازہ کیجئے کہ کیا یہ نظم اس کی مثال نہیں کہ اردو

---

[1] بنگلہ ادب کی تاریخ ص ۸۰-۱۸۶

129984

Marfat.com

زبان نے مقامی زبان کو بھی متاثر کیا۔ ان بیس مصرعوں میں تیس عربی اور فارسی کے الفاظ شامل ہیں اور اس کا کینڈا بتا رہا ہے کہ یہ اردو سے متاثر ہے۔

بہرکیف اس دور کے بعد سے اردو زبان بنگال میں ایسی پھیلی کہ اہل بنگال بھی اردو میں داد سخن دینے لگے اور اردو شاعری اور ادب کو اس قدر فروغ ہوا کہ مقامی شعرا بھی پیدا ہوئے۔ دہلی لکھنؤ اور عظیم آباد کی طرح مرشد آباد بھی ادبا و شعرا کا با ضابطہ مرکز بن گیا۔ ان شعرا میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی چنانچہ مرشد آباد کے مرکز سے جو شعرا منسلک رہے، اُن کے نام درج ذیل ہیں:

"صاحب میر الم (دہلوی) میر اسد علی (دہلوی) محمد اشرف اشرف (لکھنؤ) عسکر علی خاں عسکر (مرشد آبادی) میر اولیا اولیا (مرشد آبادی) میر مظفر علی آزاد (دہلوی) میر بشیر علی (دہلوی) سید عبدالوہاب بیکل (دولت آبادی) میر مدن بیتاب (دہلوی) نظام الدین احمد ثاقب (بلگرامی) فضل علی عرف شاہ دانا دانا (دہلوی) محمد فقیہہ دردمند (دہلوی) غلام محمد عرف خلیفہ غلام دوست (عظیم آبادی) گروبخش رائے دیوانہ (دہلوی) میر فضل مولا خاں فضلی (لکھنوی) سید امام الدین فدا (دہلوی) میر فضل علی فدوی (دہلوی) کیپٹن فراسو فراسو، میر محمد علی غافل (بنارسی) میر محمد اسلم تمم، میر محمد تقی غریب، میر حسین الدین عرف میر بھجو گریاں (دہلوی) میر محب علی خاں حاتی، میر محفوظ علی ہمدم (عظیم آبادی) میر محمد حیات حسرت (عظیم آبادی) میر حیدر شاہ حیدر (دکن) علی نقی خاں انتظار، حمایت علی مجنوں (دہلوی) خواجہ محترم محترم (عظیم آبادی) میاں محمدی مائل (دہلوی) میر باقر مخلص (مرشد آبادی) خواجہ بخش منتظر (الہ آبادی) مرزا مراد بخش مراد (عظیم آبادی) مرزا علی قلی نادم (دہلوی) میر احمد علی نالاں (دہلوی) منشی یار محمد عرف بدھ سنگھ قلندر (دہلوی) راجہ شتاب رائے (دیوان بنگال) راجہ، میر محمد سلیم سلیم

Marfat.com

(عظیم آبادی) شاہ جاوید علی تصویر (مرشد آبادی) سید عبدالولی عزلت (سورتی) میر مبارک علی دلی (دہلوی) مرزا محمد ولی ولی (دہلوی) میر محمد حسین یاد (مرشد آبادی) میر حیدر علی یار[1] (دہلوی) وغیرہ۔

شعراء کی اتنی بڑی تعداد یہ خود بتا رہی ہے کہ اردو کو صوبہ بنگال میں کس قدر عروج حاصل ہوا اور جب کسی پایۂ تخت کا یہ عالم ہو تو پھر اس کے ماتحت صوبے یا علاقوں میں اور کیا حالت رہی ہوگی اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو صوبہ بنگال کے چپہ چپہ میں پھیل گئی اور پروفیسر عبدالسمیٔ کے بقول بنگلہ زبان بھی ان (عربی، فارسی) اور اردو) زبانوں کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکی[2]۔"

---

(۴)

جنگ پلاسی نے اگرچہ بنگال میں اسلامی اقتدار کو ضرب کاری لگائی لیکن زبان کا جو دھارا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا وہ نہ رک سکا۔ چنانچہ جب انگریزوں نے کلکتہ کو اپنا مستقر بنایا تو مرشد آباد کی محفل شعر و ادب کی رونق بھی رفتہ رفتہ ختم ہونے لگی اور کلکتہ عروس البلاد ہو گیا۔ فورٹ ولیم کالج کی مساعی جمیلہ اور شعراء داد بار کے اجتماع نے اس علاقہ کو بھی رشک لکھنؤ و دہلی بنا دیا اور مرکزیت بھی اسے حاصل ہو گئی۔

انیسویں صدی میں اردو کی بنگال میں اس قدر توسیع ہوئی کہ انیسویں صدی کے آخر تک اردو شعراء بنگال کے چپے چپے میں داد سخن دینے لگے اور کوئی ایسا علاقہ نہ تھا جہاں شمع اردو کے پروانے موجود نہ رہے ہوں۔ کلکتہ کے علاوہ فرید پور، چاٹگام، ڈھاکا، بارلیسال، منشی گنج، ہوگلی، پنڈوہ، مالدہ وغیرہ اردو شعراء داد باد کی زمزمہ سنجی سے گونج رہے تھے۔

---

[1] ماخوذ از اودھ کیٹلاگ۔ اسپرنگر۔ [2] بنگلہ ادب کی تاریخ ص ۲۲۹ مترجمہ: عبدالرحمان

Marfat.com

ذیل میں شعراء کے نام علاقہ وار درج کیے جاتے ہیں۔ اس سے بنگال میں اردو زبان اور اردو شاعری کے چرچے پر اچھی خاصی روشنی پڑ سکتی ہے۔

کلکتہ:۔ راجہ جنم جی متر ارمان، مولوی عبدالکریم آشنا، مولوی عبدالصمد عرف محبوب جان اعظم، بشارت جوالاناتھ آگہ، منشی مسیح الدین تمنا، مولوی وجہ اللہ خاں داغ، منشی الواری لعل ذرہ، راجہ راج کشن راجہ، سیف اللہ سیف، منشی عبدالسبحان شاکر، منل جان شور، اسحاق مہدی عبری، منشی قادر بخش غفور، بابو کشن چندر گھوش کشن، راجہ اپورب کشن بہادر کنور، عالم علی خاں مست، سید محمد علی مسرور، میر فرزند علی مسلم، راجہ جادب کشن بہادر مشفق، میاں محمد حسین مشہور، منشی عبدالرحمن مواج، عباس علی نایاب، مولوی محمد علی وحادث، مولوی محمد عبدالرؤف وحید وغیرہ۔

ڈھاکا:۔ مرزا غلام حسین آتش، خواجہ عبدالغفار اختر، مرزا آغا جان انگر، حکیم واحد علی ایما، ابو علی برق، خواجہ فیض الدین شائق، خواجہ عبدالرحیم صبا، منشی وارث علی ضیا، رحمن علی طیش، شیخ بنگالی عاصی، شیخ احمد جان عطش، حکیم حیدر علی علی، آغا غلام علی معروف بہ آغا جان کوثر، مرزا لطیف گستاخ، مولوی واحد علی مخمور، سید جان مقتول، محمد حسین وافر، سر احسن اللہ شاہین، خواجہ عتیق اللہ شیدا وغیرہ۔

سلہٹ:۔ حاجی منشی عبداللہ آشفتہ، مولوی فرجام علی بیخود، الہ بخش مجموعہ دار، مولوی محمد حسن حسن، حاجی حمید بخت حمید، حاجی سعید بخت سعید، حاجی جلال بخش سقر، مولوی محمد علی احمد علی احمد، حکیم اشرف علی مست، مولوی عبدالستار یسین وغیرہ۔

ہوگلی:۔ قاضی محمد صادق اختر، امید علی خاں امید، منشی عنایت علی بیدل، منشی حیدر علی حیدر، خواجہ نجف علی خواجہ، غلام ربانی عبد، مولوی نواب جان قمر، منشی محمد مقیم منشی، منشی اسداللہ معروف بہ علی جان منحور صمصام

Marfat.com

حیدر پور،

فرید پور :۔ محمد علی افسر، مولوی سراج الدین سراج، میاں رحمن بخش شاداں، مولوی حفیظ الدین شہید، مولوی عبدالباری مرحوم صید وغیرہ۔

میدنی پور :۔ عبیداللہ العبیدی عبید، مولوی غلام خاں تمکین۔

اس کے علاوہ پنڈوہ، بارک پور، ۲۴ پرگنہ، چاٹگام، میمن سنگھ، ٹپرہ، مالدہ، جیسور وغیرہ میں بھی اردو کے شعراء موجود تھے اور اگر مزید تحقیق کی جائے تو بہتیرے شعراء اور بھی قعر گمنامی سے باہر آسکتے ہیں۔

ان شعراء و ادباء کی موجودگی بہ زبانِ حال بتا رہی ہے کہ بنگال میں اردو کا چرچا عام تھا کیونکہ ادبی تخلیق اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب زبان پر عبور ہو نیز شعراء کی ہمت افزائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دہلی، لکھنؤ اور عظیم آباد کی طرح بنگال میں بھی شعر و شاعری اوڑھنا بچھونا بن چکی تھی اور شعر و ادب کی محفلیں عام طور پر منعقد کی جاتی تھیں اور اردو زبان کو بڑی مقبولیت حاصل تھی۔

شعر و ادب کی نغمہ سنجی کے علاوہ (فورٹ ولیم کالج کے منشیوں کی تصانیف کو چھوڑ کر) بنگال سے جو اردو تخلیقات انیسویں صدی عیسوی میں منظر عام پر آئیں، ان کی تعداد بھی کم نہیں۔ ایک سرسری سا جائزہ اس کا بھی اس جگہ بے محل نہ ہوگا۔

(مندرجہ ذیل کتب میں سے اکثر راقم الحروف کی نظر سے گزری ہیں)

نظم :۔ کلیاتِ کرشنا، احسن المواعظ، شاہنامہ، دیوان کنور، مثنوی شرف، دیوان احد، دیوان آزاد، نساخ کی ۲۳ کتابیں و رسالے (نظم و نثر) نجم بختیاری (عبدالحمید حمید) گلدستہ گلزار ارم (عبدالحمید حمید) دیوان فروغ خورشید (بی بی خورشید جان) تصویر غم (حکیم اشرف علی مست) مثنوی کلام (ضیغم) سوز ابد (عبدالرحیم ابد) دیوان عبیداللہ العبیدی عبید، گلزار نعت (طپش) ہندی زلیخا (قاسم علی) قصہ ماہِ رمضان (عبداللہ خاں) عربی نامہ (دلیل الدین) کشف الخلاصہ (محمد دائم اللہ) وغیرہ۔

Marfat.com

نثر :۔ جامع الاخلاق (غلام حیدر) تاریخ ممالک ہند (حمیز کا رکران) سوانحمری مولینا آزاد (سید محمد آزاد) تحفۃ المحسنین (الہ بخش مجموعہ دار) تحفۂ اسرار خلیل (سید محمد خلیل خانقاہ دائرہ ڈھاکا) اخوان الصفا (غلام حیدر) طریقہ النقشبندیہ (مولوی محمد تقی) رسالہ مراتب الدین (محمد ساجد علی سلہٹی) تحفۂ محبوب سبحانی (شاہ خلیل الرحمن) لذت الایمان (عبدالہادی اسلام آبادی)۔ احسن العقائد (محمد عبدالرحمن) رکن اعظم (مرزا رحیم اللہ عرف پیارے صاحب) وسیلۃ الصادقی اثبات میلاد وخیر العباد (محمد عبداللہ) صولت عالمگیری (ابوالفضل الفیاض) لب التواریخ (لوئیس دکاستا) کتاب التواریخ حیدر کرار معروف بہ تواریخ کشائش قلعہ خیبر (مترجمہ اصغر ہوگلوی) رسالہ جنگ ہفت سالہ (محمد اصغر نقشبندی) الفوز العظیم فی مولد النبی الکریم (محمد فوز الکبیر شوق) مولود دلپذیر (منشی محمد فضل الکریم فضل) وصیت نامہ (مولوی سید محمد معظم حسین فیض معظم (معظم حسین) رسالہ زکوٰۃ (معظم حسین) لالی صدیقہ (احمد علی) رسالہ چراغ معروف بہ فتویٰ سود (حاجی عبدالکریم خاکی) فارسی نامہ (غلام مولیٰ) رسالہ تحفہ حنفیہ بت شکن (مولوی عنایت علی) خوبی قسمت (مترجمہ خواجہ محمد اشرف الدین) تزکیۃ القلوب (عبدالکریم خاکی) تنبیہہ الغافلین (حاجی عبداللہ) تجارب صحیحہ (مولوی معین الدین احمد) خدا کی شان خواجہ عتیق اللہ وغیرہ وغیرہ۔ تصانیف و تالیفات کی اتنی بڑی تعداد کی موجودگی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بنگال میں اردو زبان کو ایک اہم حیثیت حاصل تھی۔

بنگال میں شعر و ادب کی ہر دلعزیزی، تصنیف و تالیف کی کثرت اور اردو زبان و ادب کی وسعت کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انیسویں صدی عیسوی اردو کے لیے عہد زریں کی حیثیت رکھتی ہے جس کا تقریباً نصف آخر نستاغ کے نمود و شہرت کا زمانہ ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب اوّل

نسّاخ کے عہد کے شعر و ادب کا پس منظر

برصغیر ہند و پاک کے تمام صوبوں میں مسلمانوں کی حکمرانی نے تہذیبی اور ثقافتی اثر پیدا کیا تھا کوئی بھی صوبہ ایسا نہ تھا جہاں اسلامی تہذیب اور ثقافت کے نقوش جڑ نہ پکڑ گئے ہوں۔ فارسی عربی اور مقامی زبانوں کی آمیزش سے ایک نئی زبان ریختہ یا اردو جنم لے چکی تھی۔ فارسی ۱۲۰۶ء سے مسلمان حکمرانوں کی حکومت کی زبان رہی تھی اور صوفیائے کرام کے فیض رشد و ہدایت نے بھی نئی زبان کی تخلیق میں نمایاں کردار ادا کیا تھا چنانچہ بنگال بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا۔ یہ صوبہ بھی دلّی کے پایہ تخت سے منسلک تھا۔ اگرچہ کبھی کبھی خود مختاری کے نعرے بھی بلند ہوتے رہے لیکن حکومت کے کاروبار کی زبان ہمیشہ فارسی ہی رہی۔ صوفیائے کرام کی مذہبی سرگرمیوں کا بھی یہ صوبہ دوسرے صوبوں کی طرح مرکز رہا۔ دلّی کے امیں اور خود سر صوبیداروں کا مستقر بھی رہا۔ حکومت کے کارندے یہیں مستقل طور پر آباد بھی ہوتے گئے جس کی وجہ سے تہذیب و ثقافت کا وہ دھارا جو دلّی سے سارے برصغیر پاک و ہند کے صوبوں میں جاری و ساری ہوا وہ بنگال کی سرزمین کو بھی سیراب کرتا رہا۔ مذہبی تعلیم کے لیے عربی اور فارسی مدارس صوبہ بنگال کے گوشے گوشے میں قائم تھے۔ فارسی نے بنگلہ زبان پر بھی اتنا اثر پیدا کیا تھا کہ بنگلہ شاعری "دوبھاشی" کا رواج پیدا ہو گیا۔ فارسی کتابوں کا بنگلہ میں ترجمہ ہوا جس کی زبان اردو زبان سے بہت ملتی جلتی ہے۔ عربی و فارسی اور مقامی زبان کی آمیزش سے بنگال میں جو زبان تیار ہوئی تھی یعنی ریختہ یا اردو اس کے نمونے مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ اور شیخ نور الحق پنڈوی اور قطبن کے یہاں ملتے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بنگال میں اردو عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ شرفا کی زبان بھی یہی تھی اٹھارویں صدی عیسوی میں دلّی کی مغلیہ سلطنت پر ادبار کی منحوس گھٹا چھانے لگی۔ دلّی

Marfat.com

بدامنی اور افراتفری کا شکار ہونے لگی۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے پے بہ پے حملوں اور مرہٹوں کی یورشوں اور جاٹوں کی غارت گری نے دتی میں بدحالی اور بے اطمینانی کی کیفیت پیدا کر دی۔ شعراء اور ادباء کو دتی میں اطمینان اور سکون کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اودھ اور دوسرے مقامات کی طرف کوچ کرنے لگے۔

بنگال میں نواب علی وردی خاں مہابت جنگ نے تقریباً ایک آزاد ریاست قائم کر رکھی تھی جس کا دتی سے برائے نام ہی تعلق تھا۔ ان کے تدبر اور ریاست دانی نے بنگال میں سکون و اطمینان اور فارغ البالی بھی پیدا کر دی تھی چنانچہ شعرائے شاہ جہاں آباد جب دتی چھوڑ کر معاشی تنگی کو دور کرنے اور امن و سکون کی تلاش میں نکلتے تھے تو لکھنؤ اور عظیم آباد کے بعد ان کا آخری مستقر بنگال کا صدر مقام مرشد آباد ہی ہوتا تھا۔

علی وردی خاں علم دوست اور ہنر پرور بھی تھا۔ دلی اور لکھنؤ شعر و ادب کے مرکز تھے۔ "شعر و شاعری ایک فن یا ہنر یا علم سمجھا جاتا تھا جو صرف پڑھے لکھے اور قابل و عالم فاضل لوگوں کے بس کا تھا۔ شاعری ہی ایک معیار قابلیت تھی اور قابلیت کا بہترین ذریعہ اظہار شاعری مانا جاتا تھا۔ . . . امراء بھی کسی نہ کسی شاعر کو اپنے ساتھ وابستہ رکھتے تھے تاکہ اُن کے علم اور علم نوازی کی شہرت ہو[۱]۔"

چنانچہ دتی کے مہاجر شعراء کی جس قدر لکھنؤ کے نوابوں نے قدر کی اُسی طرح نواب علی وردی خاں اور ان کے دامن فیض سے وابستہ امراء اور ان کے متعلقین نے بھی شعراء کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

"نوابان مرشد آباد نے بھی شعرائے دہلی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی قدر دانی اور ان کے ساتھ بڑی مہربانی کی[۲]۔"

چنانچہ ان کی ادب نوازی اور علم پروری کے سبب سے مرشد آباد بھی شعراء و ادباء کا ایک مرکز بن گیا اور شعر و شاعری کے چرچے اور مشاعروں کی گرم بازاری نے شعر و شاعری

---

[۱] دتی کا دبستان شاعری ص ۲۲-۲۳ [۲] تاریخ ادب اردو ص ۲۱۲

Marfat.com

کا ذوق عوام میں بھی پیدا کر دیا اور دوسرے تفریح کے سامانوں کی طرح مشاعرہ یا شعر و شاعری کا شوق بھی ایک دلچسپ مشغلہ تھا جس سے عوام بھی مستثنیٰ نہ تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرشد آباد میں بھی شعرا اور ادبا کی اچھی خاصی تعداد اکٹھی ہو گئی ان میں مقامی بھی تھے اور مہاجر شعرا بھی۔

مہاجر شعرا میں علی خاں داہی شاہ، میر ماشاء اللہ صدر، میر عبدالولی عزلت، میر ماں بیتاب، ہیبت قلی خاں حسرت، خواجہ محمد خاں حریف، محمد فقیہ دردمند، شیخ فتح علی منصف۔ شیخ علی قلی نادم، محمد علی مجنوں۔ شیخ فرحت اللہ فرحت، مرزا محمد ولی ولی، مرزا محمد عسکری علیش، میر محفوظ علی ہمدم، مرتضیٰ علی خاں فراق، سید ہدایت علی آتش، شیخ غلام علی دوست، میر بشارت اللہ بشیر، میر قدرت اللہ قدرت وغیرہ اور مقامی شعرا میں ـــــــ

میر محمدی شرف، مخلص علی خاں مخلص، مرزا احسن علی خورشید، میر مبارک علی ولا، خواجہ فدا علی مثبت، حکیم احمد حسن حسن، دیبی پرشاد دل، احمد جان ظہور، میر محب علی حالی۔ میر ابوالقاسم مشتاق، میر امیر علی آشنا، خواجہ امین الدین امین وغیرہ وغیرہ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔

بنگال کا صوبہ شرقی بنگال (ڈھاکا) اڑیسہ اور بہار پر مشتمل تھا اور ان جگہوں پر بھی شعرا و ادبا نے اپنی محفلیں جما رکھی تھیں۔ اس طرح دلی، لکھنؤ، عظیم آباد، مرشد آباد اور ڈھاکا شعرا و ادبا کے مرکز تھے جہاں شعر کی تخلیق ہو رہی تھی اور جن کی گرمی محفل نے شعر و شاعری کو عوام تک پہنچا رکھا تھا کیونکہ شاعری ایک فن شریف تھی اور ہر پڑھا لکھا انسان شاعری کرنا اپنے لیے فخر کی بات سمجھتا تھا۔

لیکن جب نواب سراج الدولہ کو ۲۶ جون ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں شکست ہوئی اور انگریز تاجر بلا شرکت غیرے صوبہ بنگال کے حاکم بن گئے اور ۱۷۶۵ء میں صوبیداری کی ذمہ داری بھی خود سنبھالی اور مرشد آباد کی نظامت کی عزت و توقیر برائے نام رہ گئی اور نظامت کا مستقر مرشد آباد سے کلکتہ منتقل ہو گیا تو مرشد آباد کی رونق بھی جاتی رہی شعرا و

Marfat.com

ادبا بھی کلکتہ منتقل ہونے لگے۔

اسی کلکتہ میں انگریزی راج نے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے انگریز ملازمین اور بالخصوص ان ناتجربہ کار سول ملازمین کو جو سولہ سترہ سال کی عمر میں ہندوستان آتے تھے باقاعدہ تعلیم دیکر کمپنی کے مقبوضات کے نظم و نسق سنبھالنے کے لائق بنانے کے لیے ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد ڈالی۔ اس کالج میں مشرقی زبانوں کی تعلیم پر بہت زور دیا جاتا تھا بالخصوص ہندوستانی اور فارسی پر کیونکہ ہندوستانی زبان شمالی ہند کی بول چال کی زبان تھی اور فارسی پورے ملک میں ہنوز دفتری اور درباری زبان تھی[۱] اس مقصد کے حصول کے لیے شمالی ہندوستان سے لائق منشی لائے گئے۔ ان منشیوں میں میرامن دہلوی حیدر بخش حیدری، کاظم علی جوان، میر شیر علی افسوس، مظہر علی ولا، خلیل علی اشک، مرزا علی لطف، بینی نرائن جہاں، مولوی امانت اللہ شیدا، مرزا اسمٰعیل طپش وغیرہ تھے۔

فورٹ ولیم کالج کو اردو ادب میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہمارے اردو ادب کے موجودہ نثر کے اسلوب اور طرز نگارش کا ڈھانچہ اسی کالج کی سادہ نگاری اور روزمرہ کی بول چال پر تیار ہوا اور وہ نثر کی باضابطہ نثر نگاری کی داغ بیل بھی یہیں پڑی۔

"فورٹ ولیم کالج فقط تعلیمی ادارہ نہ تھا بلکہ اپنے زمانے میں تصنیف و تالیف کا سب سے بڑا مرکز بھی تھا۔ اساتذہ اور منشی صاحبان درس دینے کے علاوہ طلبہ کے لیے کتابیں بھی لکھتے تھے۔ چنانچہ فورٹ ولیم کالج میں لغتیں، تواریخ، اخلاق، مذہبی اور قصوں کہانیوں کی کتابیں بھی بڑی تعداد میں تیار ہوئیں[۲]" اور ان تخلیقات میں بعض ایسی ابدی تخلیقات بھی کالج کے منشیوں نے پیش کیں جن کا شمار آج ہمارے کلاسکس میں ہوتا ہے۔

ان منشیوں میں اکثر و بیشتر شاعر بھی تھے اور تفریح کا واحد ذریعہ مشاعرہ تھا چنانچہ شعر و شاعری کی محفلیں بھی جمتی تھیں اور اس طرح دلّی اور لکھنؤ کی بزم آرائیوں کی یادیں

۱۔ رسالہ اردو جنوری سنہ ۱۹۶۶ء ص ۹۱۔ ۲۔ رسالہ اردو جنوری سنہ ۱۹۶۶ء ص ۹۷

۳۔ رسالہ اردو جنوری سنہ ۶۶ء ص ۱۰۰

Marfat.com

بھی تازہ ہوتی تھیں۔ بینی نرائن نے دیوانِ جہاں میں ایک طرحی مشاعرہ کی چند غزلیں شامل کی ہیں جو ۲۵ جولائی ۱۸۱۲ء کو کلکتہ میں منعقد ہوا تھا۔ اس مشاعرے میں مرزا کاظم علی جوان، حیدر بخش حیدری، [illegible] لکھنوی، افتخار الدین خاں شہرت، مرزا ابوالقاسم علی خیال، ابوالقاسم خاں قاسم، مرزا [illegible] علی ممتاز، مظہر علی خاں ولا وغیرہ نے شرکت کی تھی۔

اس کے علاوہ کلکتہ چونکہ اس وقت پاک و ہند کے سب سے بااقتدار حکمراں کا صدر مقام تھا۔ ویلزلی کے "امدادی فوج کے نظام" کے حلقہ بگوش اودھ کے نواب اور دکن کے نظام بھی تھے۔ انہیں برصغیر پاک و ہند میں تفوق حاصل تھا۔ اس لیے اس وقت یہ عروس البلاد ہو رہا تھا اور شعرا کی آمد و رفت بھی برابر ہوتی رہتی تھی ——— پھر انگریزوں کی شاطرانہ چالوں نے پاک و ہند کی معیشت پر بہت گہرا اثر ڈالا تھا۔ صنعت و حرفت تباہ ہو چکی تھی۔ امرا و رؤسا دوامی بندوبست سے معاشی تنگی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ بالخصوص مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی چنانچہ کمپنی بہادر کے دارالسلطنت میں آمد بھی اکثر و بیشتر اسی وجہ سے ہوتی تھی کہ معیشت کا کوئی ذریعہ حاصل ہو جائے۔ ان میں شعرا اور ادبا بھی ہوتے تھے اور تاجر پیشہ بھی۔ کلکتہ میں شعرا و ادبا، شعرا و تجار کی آمد اور شعر و شاعری کی گرم بازاری نے مقامی شعرا کو بھی جنم دیا تھا۔ ان میں ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی۔

مشاعرہ بھی جگہ جگہ ہوتا تھا چنانچہ جب غالب کلکتہ تشریف لے گئے تو مدرسہ عالیہ کلکتہ میں "ہر مہینے پہلے اتوار کو مشاعرہ ہوتا اور اردو فارسی غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔"[1]

اور یہی حال دلی، لکھنؤ اور عظیم آباد کا بھی تھا۔

انیسویں صدی کے نصف آخر کے قبل اگر دلی میں شیخ ابراہیم ذوق، مومن، اسد اللہ خاں غالب، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، مولوی امام بخش صہبائی اور ان اساتذہ کے تلامذہ

۱؎ حیات غالب۔ ص ۸۰

Marfat.com

محفلِ شعر و ادب کو رونق بخش رہے تھے تو لکھنؤ میں شیخ امام بخش ناسخ، خواجہ حیدر علی آتش اور ان کے شاگردان شیخ امداد علی بحر، خواجہ وزیر علی وزیر، میر اوسط علی رشک، مرزا حاتم بیگ مہر، سید اسماعیل حسین منیر، نواب سید محمد خاں رند، میر وزیر علی صبا وغیرہ کی زمزمہ سنجی سے فضا گونج رہی تھی تو کلکتہ رشید النبی وحشت، شاہ الفت حسین فریاد، ظہور النبی محزون، حافظ اکرام احمد ضیغم اور ان کے تلامذہ کی نوا سنجیوں کا مرکز تھا۔ ڈھاکا میں خواجہ فیض الدین شائق، خواجہ عبد الرحیم صبا، مرزا غلام حسین آتش اور مولوی عبد اللہ جنون وغیرہ گیسوئے اردو کو سنوار رہے تھے۔

لیکن اس جگہ پر ایک بات یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ناسخ و آتش نے لکھنؤ میں دہلی کے طرزِ شاعری سے الگ ہٹ کر ایک نئے دبستان شاعری کی بنیاد رکھی تھی اور اس طرح دونوں دبستانوں (دہلی اور لکھنؤ) کی سرحدیں بہ اعتبارِ مضامین اور بہ اعتبارِ غور و فکر الگ الگ تھیں۔ دہلی کے شعرا نے اپنی قدیم روش یعنی تفسیرِ عشق، درد و غم اور کوائفِ قلبی کو اپنا رکھا تھا۔ ان کی شاعری دل کی شاعری تھی جس میں احساس کا خلوص اور جذبات کی صداقت تھی۔ لیکن شعرائے لکھنؤ نے معشوق کے خارجی و ظاہری حالات سے سروکار رکھا تھا اور اسی سبب سے ان کی شاعری زنانہ ملبوسات، معشوق کے خد و خال اور لفظی بازیگری کا ایک گورکھ دھندا بنکر رہ گئی تھی جس میں دل کے بجائے دماغ سے شاعری کی جاتی تھی اور شعرا کو ذہنی جمناسٹک کے تماشے دکھانے پڑتے تھے۔

عظیم آباد کی طرح کلکتہ میں بھی دونوں طرزِ شاعری کے پیرو کار اس دور میں موجود تھے لیکن کلکتہ کے شعراء پر زیادہ اثر لکھنوی طرز کا پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو جیز بھی نئی تھی دوسرے رونے بسورنے کے حوصلے شعراء میں باقی کہاں رہے تھے کہ اپنے رنج و مصائب سے بھری زندگی کو مزید رنجیدہ کرتے اور پھر کلکتہ میں شعراء دربار کسی نہ کسی شعبہ سے منسلک تھے۔ گزر بسر اچھے طور پر ہو رہی تھی۔ اور "آپ بھلا تو جگ بھلا" کے مصداق لکھنوی شعراء کی طرح خود فریبی کا ان پر

خول چڑھ چکا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ اور بھی اہمیت رکھتا ہے اور وہ ہے انتزاعِ سلطنت اودھ۔ انگریز حکام رفتہ رفتہ اپنے اقتدار کے پرچم کا منحوس سایہ بنگال سے بڑھا کر اودھ بلکہ دہلی تک لے جا چکے تھے لیکن بڑی حکمتِ عملی سے کام لے رہے تھے۔ چنانچہ دہلی کی برائے نام شہنشاہی کو چھوڑ کر برِ صغیر پاک و ہند پہ اپنا قبضہ جما چکے تھے۔ اودھ کی حکومت کو حیلے بہانے سے ختم کر دیا گیا اور آخری تاجدار اودھ کو مٹیا برج میں نظر بند کیا گیا۔ واجد علی شاہ کے خوانِ نعمت سے وابستہ ادبا و شعرا بھی ان کے دامنِ عاطفت سے بندھے مٹیا برج چلے آئے۔ ان میں فتح الدولہ بخشی الملک مرزا محمد رضا برق، مہتاب الدولہ کوکب الملک ستارۂ جنگ درخشاں، مالک الدولہ صولت، گلشن الدولہ حاجی مرزا علی بہادر، مظفر علی اسیر اور علیش وغیرہ تھے۔

بنگال کی اردو شاعری میں اس واقعہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ تمام شعرا ناسخ و آتش کے فیضانِ صحبت سے مستفیض ہوئے تھے ــ اور طرزِ لکھنوی کے کٹر مقلد تھے۔ لکھنوی شعرا کی تعلیوں اور اپنے طرزِ شاعری پر نازش نے مقامی شعرا کو بھی ان کے مدِ مقابل ہونے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ کلکتہ کے مقامی شعرا اور مٹیا برج کے شعرا میں آپس میں چشمکیں بھی ہوتی تھیں۔ اسی طرح کے ایک واقعہ کے متعلق حسرت موہانی لکھتے ہیں :-

(مرزا حاتم علی بیگ مہر کا) اثنائے سفر ڈھاکہ میں کچھ دنوں کلکتے میں بھی قیام کا اتفاق ہوا۔ جہاں اس زمانے میں مولوی رشید النبی مرحوم وحشت رامپوری .... کے دم سے شعر و شاعری کا بہت کچھ چرچا تھا۔ ایک مشاعرے میں حضرت وحشت نے اپنی غزل میں دو چار شعر ایسے پڑھے جن سے مہر کے متعلق شاعرانہ طنز و اعتراض کا پہلو بھی نکلتا تھا۔ یہ بات ان کو بہت ناگوار گزری، نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے مشاعرے میں انھوں نے غزل بڑی دھوم دھام سے پڑھی جس پر کسی نے اعتراض نہ کیا ــ

Marfat.com

۵ آپ لسانی و تقریر کی کیا لیتے ہیں
ہم سخن ساز کو باتوں میں بنا لیتے ہیں
مہر ذرّے سے ہے کم دیدۂ منظور کے پاس
اپنے پدیں کو بھی خفاش بنا لیتے ہیں

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وحشت و مہر کی یہ شکر رنجی بہت جلد دور ہو گئی[1] طرز لکھنؤ کے کلکتہ میں فروغ پانے کے یہی اسباب تھے چنانچہ اس طرز شاعری کے سبب سے خیالات کی روک تھام ہوئی۔ لفظی بنوٹ نے علوئے تخیل پر فتح پائی اور سادگی، شیرینی، صاف گوئی کی جگہ تکلف آورد اور تصنع نے لی۔ خارجیت کے سبب سے محبوب کے خد و خال، زلف و عارض کے مضامین شعراء کا پسندیدہ موضوع بن گئے۔

ہیئت کے اعتبار سے شعرائے کلکتہ کی جولانگاہ انھیں اصناف سخن تک محدود تھی جو دلی، لکھنؤ وغیرہ میں مروّج تھے یعنی غزل، مثنوی، قصیدہ، رباعی قطعہ، مخمس، مسدس، مثلث، ترجیع بند، مستزاد وغیرہ لیکن عام طور سے مقبولیت غزل ہی کو حاصل تھی اسلیئے ان کا محبوب مشغلہ غزل گوئی ہی تھا اور آئے دن کے مشاعروں سے شوق غزل گوئی کو اور بھی تقویت پہنچ رہی تھی۔

یہی وہ دور تھا اور یہی وہ ماحول تھا جس میں نساخ پیدا ہوئے، پلے، بڑھے اور ادب و ثقافت کا یہی ورثہ تھا جو انھیں بھی ملا کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ادب اور ادیب دونوں اپنے عہد اور ماحول سے متاثر ہوتے ہیں اور ہر عہد اپنے ماضی کی روایات صالحہ اور کاذبہ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ماضی سے حال اور حال سے مستقبل کی تعمیر ہوتی ہے[2]۔

اور اسی حال اور ماحول نے جو ورثہ انھیں دیا اس کی آبیاری انھوں نے کی

---

[1] اردوئے معلیٰ ماہ ستمبر ۱۹۱۰ء ص ۴-۶ ۔ [2] حالی بحیثیت شاعر ص ۹۵

Marfat.com

فن کار پر ماحول کا بڑا اثر پڑتا ہے اور کوئی بھی فن کار اپنی روایت اور ماحول سے الگ ہٹ کر اپنے فن کا مظاہرہ کلّی طور پر نہیں کرسکتا ۔ ڈاکٹر اختر اورینوی نے سچ کہا ہے :

" ہمارا ماحول ہی ہمارے تجربات کا منبع ہوتا ہے ۔ اکثر فن کاروں کے اکثر تجربات ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں ۔ فن کار اپنے چاروں طرف کی اشیاء، اشخاص اور مظاہر سے متاثر ہوتا ہے اور انھیں تاثرات کو مختلف اوقات میں متشکل کر کے پیش کرتا ہے[۱]"

نسّاخ کے سامنے بھی اصنافِ سخن کے یہی ڈھانچے تھے ۔ روایت کے یہی خاکے تھے اور شاعری کے یہی نمونے تھے ۔ شعر وادب کا یہی شوق تھا جس سے وہ متاثر ہوئے اور جس پر انھوں نے اپنے فن کی اساس رکھی ۔

---

[۱] تحقیق وتنقید ص ۹۱

Marfat.com

(الناسخ کی خودنوشت سوانح عمری کا عکس)

ASIATIC SOCIETY

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ASIATIC SOCIETY

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وسیدنا ومولانا وحبیبنا
وشفیع ذنوبنا محمد رسول اللہ تعالیٰ علیٰ آلہ واصحابہ وخلفائہ الراشدین المہتدین
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۔ خاک پائے عبد الغفور متخلص بہ نساخ
ڈپٹی کلکٹر بہادر کہ برادر خرد نواب عبد اللطیف خان بہادر سی آئی ای
وزیر ریاست بھوپال ابن جناب منشی قاضی فقیر محمد مرحوم مولف نسخہ
جامع التواریخ وکیل عدالت دیوانی صدر کلکتہ ابن قاضی محمد رضا ابن
قاضی محمد شفیع ابن قاضی عبد الشکور ابن قاضی محمد اشرف ابن قاضی
عبد الوہاب ابن قاضی عبد الرسول ابن شاہ عین الدین محمد ابن شاہ بدیع الدین احمد

Marfat.com

ابن شاہ احمد ابن محمد قاسم ابن ابو عبد اللہ حسین ابن شمس الدین محمد
ابن ابو اسمٰعیل نجم الدین ابن علی بن عبد العزیز ابن محمود ابن محمد ابن
عبد اللہ ابن ابو عبد اللہ ملقب بشرف المعالی جد امجد ابن معروف
بہ ابن القیسرانی ابن نصر ابن صغیر ابن داؤد ابن محمد ابن خالد ابن عمر بن ولید
ابن عبد الرحمن ابن حضرت مہاجر ابن حضرت سیف اللہ خالد بن ولید
مخزومی رضی اللہ عنہما

حسب خواہش احباب جنہی زندگی کے مختصر حالات و سوانح اس رسالہ میں
درج کر رہے ہیں کہ جن کی مورث اعلیٰ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا
حال اظہر من الشمس ہے اگر کوئی چاہے کہ ان کے حالات کو دریافت کرے تو مغازی
صلعم و فتوح الشام و فتوح العراق واقدی رحمۃ اللہ علیہ میں دیکھ لے ان کا انتقال
سنہ ۲۱ ہجری میں مدینہ منورہ میں ہوا ان کے فرزند حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ
جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے اور ان کے بڑے بھائی حضرت
عبد الرحمن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور
میرے بزرگوں میں جناب ابو عبد اللہ بن قیسرانی بہت بڑے عالم و ادیب محدث
اور ملک شام میں عکہ میں پیدا ہوئے اور سنہ پانچ سو اڑتالیس ہجری میں

Marfat.com

بابِ دوم

(الف، ب)

عبدالغفور خاں نسّاخ

خاندانی و ذاتی حالات

خاندانی حالات

نسّاخ کا سلسلۂ نسب اکتیسویں پشت میں حضرت خالدؓ بن ولید تک پہنچتا ہے۔ نسّاخ نے خود اپنا نسب نامہ "انتخابِ نفیس" اور خود نوشت سوانح عمری میں درج کیا ہے۔ نسّاخ کے اجداد میں شاہ عین الدین[۱] محمد[۲] پہلے بزرگ ہیں جو سرزمین ہند و پاکستان میں ۱۶۶۳ء مطابق ۱۰۳۳ھ میں

۱؎ قاضی فقیر محمد ابن قاضی محمد رضا ابن قاضی محمد شفیع ابن قاضی عبدالشکور ابن قاضی محمد اشرف ابن قاضی عبدلوہاب ابن قاضی عبدالرسول ابن شاہ عین الدین محمد ابن شاہ بدیع الدین احمد ابن شاہ احمد ابن محمد قاسم ابن ابوعبیداللہ حسین ابن شمس الدین محمد ابن ابواسمٰعیل نجم الدین ابن علی ابن عبدالعزیز ابن محمود ابن محمد ابن عبداللہ ابن ابوعبیداللہ محمد الملقب بہ شرف المعالی عمدۃ الدین معروف بہ ابن القیسرانی ابن نصر ابن صغیر ابن داغر ابن محمد ابن خالد ابن نصر ابن داغر ابن عبدالرحمٰن ابن حضرت مہاجر ابن حضرت سیف اللہ خالد بن ولید مخزومی۔

۲؎ براڈلے برٹ نے Twelve men of Bengal میں ان کا نام شاہ عظیم الدین لکھا ہے، یہ درست نہیں۔ ان کا نام نسّاخ نے بھی شاہ عین الدین ہی لکھا ہے۔ ابومعین محمد عضد الدین عضد نے اپنی کتاب عروض و القوافی مطبوعہ نور الآفاق پریس کلکتہ ۱۳۱۲ھ میں شاہ عین الدین محمد کا نام شاہ محمد عارف بغدادی لکھا ہے جو صحیح نہیں۔

Marfat.com

بغداد سے دہلی آئے۔ ان کا انتقال ۱۶۳۱ء مطابق ۱۰۴۱ھ میں دہلی میں ہوا۔ ان کے صاحبزادے عبدالرسول نے صاحب قران ثانی شہنشاہ شاہجہاں سے قضائے سرکار فتح آباد پرگنہ بھوسنہ ضلع فریدپور درمیان ممالک بارہ بھومیاں بنگالہ[۱] کی سند حاصل کی۔ نساخ کے بزرگوں میں عبدالرسول پہلے شخص ہیں جنھوں نے بنگال کی سرزمین پر قدم رکھا۔ قاضی صاحب نے ایک مقامی صوفی شیخ عبدالرحمن دانشمند کی لڑکی سے شادی کی۔ یہ خاتون شیخ بایزید نامی زمیندار فتح آباد کی نواسی تھیں۔ اس شادی کے بعد انھوں نے یہیں مستقل سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لاکر مزید بارہ کھادہ زمین لاخراج سکھالدیہ میں حاصل[۲] کی اور یہیں کے مستقل باشندے ہو گئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے قاضی عبدالوہاب مسند قضا پر متمکن ہوئے[۳]۔ انھوں نے سید بہرام مرزا البغدادی" رئیس موضع راجہ بینی کی دختر نیک اختر سے شادی کی۔ شہنشاہ اورنگ زیب سے انھوں نے راجہ بینی کے قریب بارہ کھادہ لاخراج زمین کی سند حاصل کی اور راجہ پور میں مستقل طور پر سکونت اختیار کرلی۔ یہی راجہ پور نساخ کا آبائی وطن تھا۔

قاضی عبدالوہاب کے فرزند محمد اشرف تھے۔ ان کے بیٹے قاضی عبدالشکور اور عبدالشکور کے بیٹے قاضی محمد شفیع اور ان کے بیٹے قاضی محمد رضا (متوفی ۱۱۹۶ھ) ہوئے جو نساخ کے دادا تھے۔ لیکن جوں جوں قاضی خاندان تعداد میں بڑھتا گیا زمین اور جائیداد کی تقسیم در تقسیم نے عیش و عشرت اور فارغ البالی کا دامن چھوٹے سے چھوٹا کردیا۔ نیز کثیر الازدواجی نے ان کے خاندان کے افراد میں مزید اضافہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس خاندان کے افراد نے راجہ پور کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں سکونت اختیار کرلی۔ انھیں لوگوں میں فقیر محمد نساخ کے والد بھی تھے جو

---

۱ خودنوشت سوانح عمری نساخ ص ۳ و نواب عبداللطیف مصنفہ محمد واجد علی ص ۲

۲ ایضاً ص ۲

۳ The Genealogical History of India Part V ص

۴ محمد واجد علی نے "نواب عبداللطیف" ص ۲ اور ابو الفتح نور محمد نے اپنی کتاب "نواب عبداللطیف ص ۲" میں ان کا نام عبدالواحد لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ان کا نام عبدالوہاب تھا۔

Marfat.com

راجہ پور کو چھوڑ کر کلکتہ جانے پر مجبور ہو گئے۔ خوش قسمتی سے فقیر محمد کے چچا خسر منشی بقا اللہ (جو نساخ کی والدہ کے چچا تھے[1]) نظامت و عدالت صدر دیوانی میں وکیل تھے۔ چنانچہ فقیر محمد[1] ۱۸۱۶ء میں کلکتہ چلے آئے۔ اور منشی بقا اللہ کے "تائید" مقرر ہوئے۔ منشی بقا اللہ کی وفات کے بعد ججوں کی وساطت سے فقیر محمد ان کی جگہ وکیل مقرر ہوئے۔ نساخ اور بابو جنیندر ناتھ کمار کے بیان کے مطابق اٹھائیس[2] سال تک فقیر محمد اپنے کام کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ ان کا سالِ وفات ۱۲۵۹ھ مطابق ۱۸۴۴ء ہے۔ نواب عبداللطیف مرحوم نے لکھا ہے کہ انتقال کے وقت ان کی عمر ۷۰[2] برس کی تھی۔ اس حساب سے فقیر محمد کا سالِ ولادت ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء ہوتا ہے اور وہ اپنی عمر کی تینتالیس یا چوالیسویں سال میں کلکتہ آئے ہوں گے۔

قاضی فقیر محمد کو پیشۂ وکالت کے علاوہ علم و فن سے بھی کافی شغف تھا۔ بالخصوص تواریخ سے اچھی واقفیت تھی اور فرصت کے اوقات زیادہ تر وہ کتب بینی میں صرف کرتے تھے۔ چنانچہ اسی والہانہ ذوق کا نتیجہ ان کی فارسی کتاب "جامع التواریخ" ہے۔ نساخ اور فقیر محمد کے نواسے ابو معین محمد عضد الدین عضد کے بیان کے مطابق "منتخب النجوم"[4] بھی انھیں کی تصنیف ہے لیکن یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔

"جامع التواریخ" گیارہ جمادی الثانی ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں منشی ارادت اللہ کلکتہ کے پریس میں طبع ہوئی تھی۔ اس کا حجم ۲۱۲ ہے اور دو صفحوں پر مشتمل غلط نامہ ہے۔ اس کے بارے میں فقیر محمد لکھتے ہیں، "سالہا سال در انتخاب آں دود چراغ خوردہ بہ چہار دہ فصول مرتب و بہ جامع التواریخ موسوم گردانیدہ"[3]۔ یہ کتاب[5] ٹائپ اور بڑی تقطیع پر ہے۔ جامع التواریخ فقیر محمد کے

۱۔ براڈلے برٹ Twelve Men of Bengal ص ۱۱۲

ان کا انتقال ۱۲۲۱ھ میں ہوا تھا۔ ارمغان ص ۷۷

۲۔ A Short account of my Public life. مصنفہ نواب عبداللطیف ص ۲۸۲

۳۔ جامع التواریخ مطبوعہ نولکشور پریس ۱۸۹۷ء ص ۳

۴۔ عضد نے اس کا نام خلاصۃ النجوم لکھا ہے (عروض والقوافی ص ۱۰۲)

۵۔ پہلا مطبوعہ نسخہ جو ۱۸۳۶ء میں کلکتہ سے شائع ہوا اورینٹل لائبریری خدا بخش خاں پٹنہ میں موجود ہے۔ جو میری نظر سے گزرا اس کا نمبر ۱۳۴۲ (جنرل) ہے۔

Marfat.com

انتقال کے بعد دو بار اور بھی چھپی۔ دوسری بار ۱۸۷۱ء میں نولکشور پریس لکھنؤ سے اور تیسری بار بھی اسی نولکشور پریس لکھنؤ سے جولائی ۱۸۹۷ء مطابق ماہ صفر ۱۳۱۵ھ میں۔ اس آخری اشاعت میں بھی نواب عبداللطیف کا دیباچہ ہے۔ اسی نسخے کا حوالہ محترمی ڈاکٹر شادانی صاحب نے اپنے مضمون نساخ[۱] میں بھی دیا ہے۔

نواب عبداللطیف اپنے والد مرحوم کے متعلق لکھتے ہیں "آں جناب خیلے مہذب النفس و خاکسار و شکستہ نہاد و درست اعتقاد و متشرع و متورع و منکسر و متواضع و غالباً از خلائق منقطع و از باد خود نماؤ بغز شنگی[۲] دور و نفور بودند۔ ہر نیکوئی کہ از آنجناب بظہور می رسید حتی الوسع والمقدور از نظرہا مخفی و مستور می داشتند و بجملہ منداولہ از علم حدیث و تاریخ حظے وافی و وافر داشتند"

انھیں کے قول کے مطابق فقیر محمد کلکتہ میں عزت و نیک نامی کی زندگی بسر کرتے تھے اور حکام بھی اُن پر لطف و عنایت کی نگاہ رکھتے تھے۔

نساخ نیز مولوی سید لطیف الرحمٰن اور سید مقیت الحسن صاحب نے لکھا ہے کہ فقیر محمد کی دو بیویاں تھیں لیکن ابو معین محمد عضدالدین عضدؔ نے جو فقیر محمد کے نواسے تھے اپنی منظوم (فارسی) آپ بیتی "یادگار اجداد"[۳] میں لکھا ہے کہ ان کی تین بیویاں تھیں اور تینوں سے اولاد تھی۔ نساخ کی والدہ سب سے چھوٹی بیوی تھیں۔ وہ لکھتے ہیں[۴]:

قاضی فقیر جدّ مسکیں　　　آں صاحب افتخار و تمکیں

۱۔ ساقی کراچی ماہ مارچ ۱۹۵۵ء ص ۱۰

۲۔ جامع التواریخ مطبوعہ ۱۸۹۷ء نولکشور پریس لکھنؤ ص ۳

۳۔ یادگار اجداد مطبوعہ ۱۲۹۳ھ یہ منظوم آپ بیتی ابو معین محمد عضدالدین عضدؔ کی ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ ڈھاکا یونیورسٹی لائبریری (حبیب الرحمٰن کلیکشن) میں موجود ہے۔ اس میں کل صفحات ۱۲۰ ہیں۔ شروع اور آخر کا صفحہ موجود نہیں' اس لیے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ کس مطبع میں چھپی تھی۔

۴۔ یادگار اجداد ص ۱۸

Marfat.com

می داشت سہ زوجہ زاں میانہ | زاول شدہ ایں چراغ خانہ
سہ دختر و یک پسر ہمی داشت | نام پسرش بسیم بگذاشت
مرحوم بسیم لا ولد مرد | بے نام بہ خلد راہ بسپرد
د ز جملہ دختراں دو مردند | بے نسل بہ خلد راہ بردند
دخت سیومش کہ گشت ہمسر | با پاک نہاد قاضی طاہر

نساخ نے دیگر مصنفوں نے مذکرہ بالا بیوی اور اولاد کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے
دو بیویوں اور ان کی اولاد کا ذکر نساخ نے بھی کیا ہے۔ عقد لکھتے ہیں:

دیگر سوئے جد خطاب آرم
از زوجۂ دیگرش نگارم
زیں زوجۂ پاک نیک فرجام
آمد دو پسر ستودہ انجام
یک عبد حمید بر شماری
دوم بنویس عبد باری
از عبد حمید نسل اقسم
اکنوں پسر ہست نور عالم
اولاد نداشت عبد باری
بے نسل نمود و جاں سپاری

عبدالحمید فقہ و اصول میں فرید پور میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ ۲۴ پرگنہ کی عدالت فوجداری میں پیش کار تھے اور بقول نساخ ان کا انتقال ۱۲۰۳ھ میں ہوا تھا۔ نساخ ہی کے قول کے

---

۱۵ نور العام مدرسہ عالیہ کلکتہ میں انگریزی زبان کے مدرس تھے اور انھوں نے تین کتابیں فرائض محمدیہ، نور المومنین اور تحفتہ الاسلام لکھی ہیں۔

۱۶ کنز تواریخ ص ۲۶

Marfat.com

مطابق جب کبھی کبھی شعر لکھتے تھے ان کا ذکر "تذکرۃ المعاصرین" میں موجود ہے اور ان کے فارسی کلام کا نمونہ بھی۔ مولوی عبدالباری مدرسہ عالیہ کلکتہ میں انگریزی زبان کے مدرس تھے۔ شاعر بھی تھے اور تخلص کرتے تھے۔ رشید النبی وحشت سے تلمذ تھا اور ہر دو زبان اردو فارسی میں کلام موزوں کرتے تھے۔ خمخانۂ شعرا میں ان کا ذکر موجود ہے۔ عین عالم شباب میں ۱۲۰۲ھ[1] میں انھوں نے انتقال کیا۔[2]

نساخ نے اپنے بھائیوں میں صرف دو کا ذکر کیا ہے اور بہن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اسی لیے جن لوگوں نے صرف نساخ کی خود نوشت سوانح سے استفادہ کیا ہے وہ سید لطیف الرحمن اور سید شفقت الحسن، انھوں نے بھی انھیں دو کا ذکر کیا ہے۔ البتہ سید لطیف الرحمن اور سید شفقت حسن نے علی الترتیب اتنا اضافہ کیا ہے۔ لیکن زمانے میں مستورات کا ذکر معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے نساخ نے بتایا نہیں کہ ان کی ہمشیرہ بھی تھیں۔[3] بہن کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ کس بیوی سے تھیں۔[4] نواب عبداللطیف اور بہن کے علاوہ نساخ کے دو بھائی اور بھی تھے۔ لیکن ان دونوں کا انتقال ہو چکا تھا۔ بہن نساخ کی سگی بہن تھیں اور سب سے بڑی تھیں۔ ان کی شادی مولوی حمید الدین مرحوم وکیل عدالت عالیہ صدر دیوانی کلکتہ سے ہوئی تھی جو مولوی علی الزماں مرحوم رئیس شہباز پور ضلع ٹپرا کے صاحبزادے تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۵۵ھ میں ہوا تھا۔[5] ان سے صرف ایک فرزند ابو المعین محمد عضد الدین عضد[6] ہوئے۔ فرزند عضد کا بیان ملاحظہ ہو:[7]

---

۱ گنج تواریخ ص ۸۵

۲ مولوی عبدالباری نساخ سے بڑے اور نواب عبداللطیف سے چھوٹے تھے۔

۳ نساخ سے وحشت تک ص ۱۱

۴ نساخ خود نوشت سوانح حیات کی روشنی میں [illegible] مارچ ۱۹۵۹ء، ص ۳۵

۵ ارمغان ص ۹۰

۶ عضد یادگار اجداد کے علاوہ [illegible] فن العروض کے بھی مصنف تھے۔ [illegible] مطبع نور الآفاق کلکتہ میں ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب فارسی میں ہے اور منظوم ہے۔ اس کی ایک جلد مطبوعہ ڈھاکہ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

۷ یادگار اجداد ص ۱۹

Marfat.com

از زوجۂ سومین جدّم
اکنوں بزنم بشوق صددم
یک دختر و چار تا پسر شد
زیں زوجہ کہ جملہ بہرہ ور شد
پس اول جملہ ہست دختر
آں والدۂ من محقر
شد عبد وحید دوم شاں
بے نسل بخلد شد شتاباں
ہم عبد لطیف سیمین است
حالش ہمہ بعد ازیں رقم بست
پس عبد مجید چہارم آمد
بے نسل بخلد ہم قدم زد
شد عبد غفور پور پنجم
ما جبذہ وجود ہفت انجم

تمام بھائیوں میں سرآمد روزگار نواب عبداللطیف ہوئے۔ ان کی پیدائش مارچ ۱۸۲۸ء میں ہوئی۔ رسم و رواج کے مطابق ان کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی اور مشہور ادبا نے ان کو تعلیم دی۔ چنانچہ قرآن و حدیث کے علاوہ دوسری مذہبی کتابوں کی بھی تعلیم دی گئی۔ اور اس کے بعد کلکتہ مدرسہ (مدرسہ عالیہ) میں مزید اعلیٰ تعلیم کے لیے داخل ہو گئے۔ انھوں نے عربی اور فارسی میں امتیاز حاصل کیا۔ اس زمانے میں ایک اختیاری مضمون انگریزی کا اجرا بھی اس مدرسے میں ہوا[1] تھا۔ انھوں نے

---

[1] The Early History of the Calcutta Madrasa. کا مصنف یوں رقم طراز ہے۔
" In 1826 a departure was made

پیش قدمی کی اور اسی مضمون کو اپنے نصاب میں لیا حالانکہ مسلمان لڑکوں نے سختی سے اس مضمون کا بائیکاٹ کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عبد اللطیف پر اعلیٰ حکام کی نگاہِ مہر مرکوز ہوگئی۔ ۱۸۴۹ء میں یہ ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر ہوئے اور مختلف عہدوں اور علاقوں پر خاطر خواہ اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہوتے رہے۔ ذاتی ترقیوں اور شہرتوں کے باوجود عبد اللطیف نے اپنی قوم اور بالخصوص مسلمانوں کی ترقی اور ان کے اندر بیداری پیدا کرنے کی بھی بے انتہا کوششیں کی ہیں۔ یہ تین بار بنگال لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی مقرر ہوئے۔

تعلیمی ترقی ان کا خاص کارنامہ ہے۔ بالخصوص انگریزوں کے روز افزوں اقتدار اور ان کی ترقی ان کی تہذیب اور زبان سے مسلمانوں کی نفرت کے باعث مسلمان قوم معاشی بدحالی میں مبتلا ہوگئی تھی۔ سرسید کی طرح نواب عبد اللطیف کی دوربین نگاہوں نے بھی بھانپ لیا تھا کہ مسلمانوں کو اگر ترقی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

from the practice hitherto observed by incorporating English with the Arabic curricular in order to equip the students with the changed requirements of the time; but unhappily the scheme failed, and though it was resumed three years later yet the inadequate results showed that the taste of the time was not yet ready to accept English as a medium of culture and refinement. (Journal of the Muslim Institute vol III April-June 1908 - PP 335 -

کی زندگی گزارنی ہے تو انھیں مغربی تعلیم بالخصوص انگریزی زبان سے واقفیت حاصل کرنی لازمی ہے چنانچہ یہ ان کی زندگی کا مشن ہو گیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو انگریزی زبان سیکھنے کی رغبت دلائی۔ انگریزی انھوں نے خود سیکھی تھی اور اس کے فیوض و برکات سے وہ مستفید بھی ہو رہے تھے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ دوسری قومیں انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں کس قدر عجلت سے کام لے رہی تھیں۔ چنانچہ عبداللطیف نے ۱۸۵۹ء میں کلکتہ مدرسہ میں اینگلو پرشین کلاس کے کھولنے کی سعی بلیغ کی لیکن ان کی اس سے بھی تشفی نہیں ہوئی اور انھوں نے پریسیڈنسی کالج کے کھولنے میں حد درجہ کوشش کی۔ ان کوششوں کے علاوہ نواب عبداللطیف نے اپریل ۱۸۶۳ء میں مجلس مذاکرۂ اسلامیہ کلکتہ کی داغ بیل ڈالی۔ ان کا انتقال ۱۰ جولائی ۱۸۹۳ء میں ہوا۔[۱]

ذاتی حالات

نساخ کی پیدائش منگل کے دن قبل نماز عید الفطر ۱۲۴۹ھ ۱۱ فروری ۱۸۳۴ء، محلہ کلنگا[۲] (موجودہ نواب عبدالرحمن اسٹریٹ) کلکتہ میں ہوئی تھی۔ جیسا کہ قبل بیان کیا جا چکا ہے یہ قاضی فقیر محمد کی تیسری بیوی کے بطن سے تھے اور تمام سگے اور سوتیلے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ ان کا پورا نام ابو محمد عبدالغفور خاں خالدی تھا۔

نساخ کا بچپن کس طرح گزرا معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نساخ کی عمر جب ساڑھے چار سال کی ہوئی تو ان کی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور مولوی رفیع الدین صاحب چاٹگامی ان کو پڑھانے کے لیے مقرر ہوئے۔ نساخ کے قول کے مطابق مکتب ان کے گھر ہی پر تھا اور

۱۔ نواب عبداللطیف کے حالات زندگی اور کارناموں سے مزید واقفیت کے لیے نواب عبداللطیف بنگلہ مصنفہ محمد واجد علی وابوا لضحیٰ نور محمد Twelve men of Bengal Genealogical history etc وغیرہ کتابیں ملاحظہ ہوں

۲۔ نساخ لکھتے ہیں۔ "والد مرحوم کلکتے کے محلہ کلنگا میں پیر و خانساماں کی گلی میں اپنے خریدے ہوئے مکان میں رہتے تھے۔ وہ مکان شکست ہو گیا اب رعایا بستے ہیں" خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۴

Marfat.com

چالیس پچاس طالب علم بھی وہیں رہتے تھے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بابو جتیندر ناتھ کمار فرماتے ہیں:

"It may be interesting to note that the house at No 10 Nawab Abdur Rahman street is built upon the plot of land which the Nawab's grand father Kazi Fakir Mohammad had purchased in 1821 and over which he had erected a house for himself (The genealogical history of India Part V PP. 185)

سید اقبال عظیم صاحب نساخ کی جائے پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں "مرزا عبدالغفور نساخ کا وطن فرید پور (مشرقی بنگال) ہے جہاں ان کی ولادت ہوئی" "مشرقی بنگال میں اردو" ص ۵۵۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ نساخ کی جائے پیدائش کلکتہ ہے۔ خود نوشت سوانح عمری کے علاوہ دفتر بے مثال (ص ۵) میں بھی نساخ لکھتے ہیں" دہے راجہ پور نام از متعلقات ضلع فرید پور مولد و ملوائے آبائے داستان گزار است امامسقط الراس نیاز مند سرزمین کلکتہ . . ." اسی طرح مؤلف بنگال میں اردو نے بھی ان کی جائے پیدائش فرید پور ہی لکھی ہے جو صریحاً غلط ہے وہ لکھتے ہیں "نساخ کی پیدائش مشرقی بنگال کے ایک ضلع فرید پور میں ۱۲۴۹ھ میں ہوئی تھی"

بابو جتیندر ناتھ کمار نے نساخ کا سال پیدائش ۱۸۳۰ء لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو Nassakh was born in 1830 جینولوجیکل ہسٹری آف انڈیا حصہ پنجم ص ۱۸۶ یہ سال بھی درست نہیں۔ احمد رضا صاحب کے بیان کے مطابق ان کی پیدائش ۱۱ فروری ۱۸۳۴ء میں ہوئی تھی (صحیفہ اکتوبر ۱۹۶۴ء ص ۶۲) اور یہی صحیح ہے۔ سید مقیت الحسن صاحب سن عیسوی ۱۸۳۳ء لکھتے ہیں (نگار مارچ ۱۹۵۹ء ص ۳۵) لیکن یہ غلط ہے۔

Marfat.com

جب ان کی عمر سات سال کی ہوئی یہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں داخل ہوئے لیکن یہ تعلیم بھی زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکی۔ تھوڑے عرصے کے بعد یعنی ۱۸۴۴ء مطابق ۱۲۵۹ھ میں ان کے والد اور والدہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد نسّاخ فریدپور ہی میں رہے کیونکہ اس وقت تک نواب عبداللطیف برسر روزگار نہ ہوئے تھے ۱۸۴۶ء میں وہ جلاوطن امیرانِ سندھ کے مترجم مقرر ہوئے اور اس طرح ذریعۂ معیشت پیدا ہوا تو نسّاخ بھی کلکتہ چلے آئے۔ نسّاخ لکھتے ہیں:۔

"ہنوز سالِ دہم از عمرِ راقم بہ پایاں نیامدہ بود کہ گردشِ لیل ونہار کاسۂ حیاتِ دل نعمتم را بہ تلخابۂ فنا لبریز ساخت وداغ بے پدری بردلم زد و غبار یتیمی بردیم مالید مہین برادرم جناب مولوی عبداللطیف خاں بہادر . . . . بجائے پدر بزرگوار مغفور ظلِ عاطفت برسرم گسترد و زیر دامن عطوفتش پرورد و حرفِ سوگ پدر از دلم برد و دو اشکِ حسرت از دیدہ ام پالود. توجہ مفرط بحسن تعلیم وتربیت علوم رسمیہ برگماشت"[۱] خود نوشت سوانح عمری میں وہ لکھتے ہیں:

"ہم لوگ کلکتہ میں آئے اور پڑھنے لگے۔ تب عبداللطیف خاں بہادر . . . . امیرانِ سندھ کے سرکاری مترجمی کے عہدے پر مقرر ہوئے"[۲]

مولوی سید لطیف الرحمن لکھتے ہیں "نسّاخ ساڑھے چار برس کی عمر میں پڑھنے کے لیے بٹھائے گئے۔ مولوی ازہر علی صاحب گھر پر آکر پڑھاتے تھے۔ مولوی صاحب ان کو بے طرح مارتے تھے۔ ایک روز مولوی صاحب کے تشدد کی تاب نہ لاکر اپنے چچا قاضی محمد صابر[۳] کے یہاں چلے گئے۔ ساتھ ہی ساتھ مولوی صاحب بھی پہنچے نسّاخ کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور بید لے کر ان کو مارنے آئے۔ اب تو نسّاخ ضبط نہ کرسکے۔ کمرے میں ایرانی تلوار لٹک رہی تھی۔ تلوار سے ان پر حملہ کرنا چاہا۔ مولوی صاحب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے۔ نسّاخ نے دو تین سو قدم تک دھاوا کیا۔

۱۔ دفتر بے مثال مطبوعہ کلکتہ ۱۲۸۰ھ ص ۱۸۲

۲۔ خود نوشت سوانح عمری ص ۷

۳۔ نسّاخ نے ان کی وفات کی تاریخ ایک قطعہ میں لکھی ہے۔ اس کے مطابق ان کی وفات ۱۲۷۱ھ میں ہوئی تھی (ارمغانی ص ۸۰)

Marfat.com

اس واقعے کے بعد مولوی صاحب ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔[1]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی ابتدائی تعلیم کے لیے مولوی رمیض الدین جاٹگامی مقرر ہوئے تھے۔ یہ واقعہ ان کے دوبارہ مدرسۂ عالیہ میں داخلے کے بعد پیش آیا خود اپنی سوانح عمری میں نساخ نے اس کا ذکر اپنے والدین کی وفات اور مدرسے میں داخلے کے بعد کیا ہے۔ سید مقیت الحسن صاحب کا بھی یہی خیال ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"کچھ زمانہ بعد وہ (نساخ) پھر کلکتہ آ گئے۔ یہاں آ کر مولوی عبداللطیف خاں بہادر برسر روزگار ہو گئے' اور نساخ پھر مدرسۂ عالیہ میں داخل ہوئے اور اپنی تعلیم جاری کی۔ گھر پر پڑھانے کو ایک مولوی مسمیٰ ازبر علی سلہٹی مقرر کیے گئے۔"[2]

مولوی ازبر علی کے بعد مولوی رضوان علی سلہٹی ان کے پڑھانے کو مقرر ہوئے۔ نساخ کے قول کے مطابق "یہ آدمی بہت اچھے تھے معلوم نہیں ایک دن شام کے بعد ان کو خواہ مخواہ مجھ پر غصہ آیا۔ انھوں نے مجھ کو مارا' میں چھوٹا تھا مگر قوی تھا۔ وہ بہت ضعیف و ناتوان تھے۔ مجھ کو پٹنے سے غصہ آیا میں نے ان کو پکڑ کے دے مارا۔ وہ ایک صندوق پر گرے میں بھاگ گیا۔ گھر کے طالب علم لوگ مجھ کو پکڑنے کو دوڑے۔ میں مدرسۂ عالیہ سے متعلق جو تالاب ہے اس کے اندر گیا اور تالاب و مدرسے کے درمیان ریل ہے اس کو پھاند کے مدرسے کے اندر گیا جو طالب العلم لوگ مجھ کو پکڑنے کو گئے' وہ لوگ ریل پر چڑھے کہ پھاند کے مدرسے میں جا کے مجھ کو پکڑیں۔ میں نے چور چور کہہ کے پکار کیا' شور کیا کہ ریل کو پھاند کر جانا منع تھا وہ لوگ تالاب کی طرف رہ گئے۔ میں مولوی واجداللہ خاں بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ کے کمرے میں گیا کہ وہ ان دنوں تحصیل علم کرتے تھے اور وہیں شب کو رہا۔ علی الصباح سب کے اٹھنے کے آگے مدرسے سے نکل گیا اور خالہ ماجدہ کے مکان میں جا کے رہا۔ کھانے کے وقت رہتا تھا بعد ازاں چلا جاتا تھا۔ تیسرے روز عبداللطیف خاں بہادر وہاں گئے اور مجھ کو ساتھ لے آئے۔"[3]

---

[1] نساخ سے وحشت تک' ص ۲۱

[2] نگار ماہ مارچ ۱۹۵۹ء ص ۳۵

[3] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۹ - ۸

Marfat.com

مولوی رمضان سے پیچھا چھڑانے کے بعد ان کے پڑھانے کے لیے مولوی محمد فیض صاحب باشندۂ کمرہ مقرر ہوئے۔ نساخ کے قول کے مطابق "ان کو پڑھانے کا عمدہ قاعدہ معلوم تھا" انھوں نے کبھی انھیں سخت سست نہیں کہا۔ ان سے نساخ نے "میزان" سے "شرح ملا" تک پڑھی۔ نساخ ذہین تھے سبق فوراً یاد کر لیتے تھے ان کی زبانی ملاحظہ ہو "میرے ذہن کا یہ حال تھا کہ صبح کو بعد آموختہ کے وہ ایک بار سبق پڑھا دیتے تھے دوسری بار میں پھر اس سبق کو پڑھ کے سنا دیتا تھا۔ دوسرے روز صبح کو ان کو اپنا سبق از بر سنا کے نیا سبق لیتا تھا۔ یعنی تین بار کے پڑھنے میں مجھ کو از بر ہو جاتا تھا"[1]

۱۸۴۷ء میں جب کہ ان کی عمر تیرہ سال کی تھی "بزرگوں کی رائے سے ہوگلی کالج میں پڑھنے کے لیے بھیجے گئے۔ ان کے ساتھ ان کے سوتیلے بھائی مولوی عبد الباری بھی تھے۔ نساخ اس وقت مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے "انگریزی اسکول کے اول جماعت میں پڑھتے تھے" نساخ کے اس بیان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ وہ ہوگلی کالج کے کس شعبے میں داخل ہوئے۔ ہوگلی کالج میں دو شعبے تھے۔ ایک انگریزی کا شعبہ، دوسرا عربی کا۔ اس کے علاوہ اینگلو پارسی کا شعبہ بھی تھا۔ اینگلو پارسی کا شعبہ ابتدائی درجوں سے تھا۔ اور یہ ان طلبار کے لیے تھا جو انگریزی اور فارسی سیکھنا چاہتے تھے[2]۔ قیاس یہ ہے کہ نساخ کا داخلہ اسی اینگلو پارسی شعبے میں ہوا ہوگا۔ سید مقیت الحسن صاحب فرماتے ہیں "مولوی رمضان علی اور خواجہ مستقیم جو بالترتیب عربی اور فارسی ادب پڑھاتے تھے، اپنے وقت کے فضلائے عصر میں سے تھے۔ خواجہ مستقیم شعر بھی کہتے تھے اور نساخ کو چونکہ شعر و شاعری سے فطری لگاؤ تھا اس لیے بہ نسبت دوسرے اساتذہ کے یہ ان کی طرف زیادہ کھنچے"[3] خود نساخ لکھتے ہیں:

"جناب مولوی رمضان اللہ[4] مدرس مدرسہ ہوگلی سے عربی پڑھنے گئے وہاں جناب مولوی

---

۱ خود نوشت سوانح عمری ص ۹

۲ ہسٹری آف ہوگلی کالج ص ۲۲

۳ نگار ماہ مارچ ۱۹۵۹ء ص ۶

۴ ان کا نام رمضان علی تھا۔ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں نساخ نے سہواً رمضان اللہ لکھا ہے۔ گنج تواریخ ص ۳۵ میں ان کا صحیح نام رمضان علی ہی لکھا ہے۔

Marfat.com

کرامت علی صاحب متولی امام باڑہ حاجی محمد محسن اور مولوی اکبر شاہ مرحوم وخواجہ محمد مستقیم مرحوم مدرس مدرسہ ہوگلی سے ملاقات ہوئی۔ خواجہ مستقیم مرحوم فارسی شعر کہتے تھے اس لیے ان سے ربط زائد رہا اور ان کا مکان بھی میرے مکان کے قریب تھا"[1]

نساخ نے تعلیم کہاں تک حاصل کی اور انگریزی کی ان کی کتنی لیاقت تھی، معلوم نہ ہوسکا۔ انھوں نے خود بھی اس پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے اور نہ یہ انھوں نے لکھا کہ تعلیم سے کب فراغت حاصل کی۔ اندازہ یہ ہے کہ تعلیم سے وہ ۱۸۵۲ء میں فارغ ہوئے۔ ان کی خود نوشت سوانح عمری میں درج ہے کہ "بعد چند روز کے میں اپنے وطن یعنی راجہ پور کو ۱۸۵۲ء میں گیا۔ اوائل نومبر سالِ مذکور میں جناب اخوی صاحب قبلہ کے خط سے معلوم ہوا کہ جناب مسٹر ہنری ونسنٹ بیلی صاحب اڈیشنل جج مقرر ہوگئے ہیں اور انھوں نے مجھ کو سررشتہ میں ایک عہدہ دینے کو کہا ہے۔"[2] اس سے اتنا تو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں انھوں نے تعلیم سے فراغت حاصل کرلی ہوگی اور تلاشِ معاش کی فکر میں ہوں گے۔ انھوں نے تعلیمی صلاحیت کتنی پیدا کی، اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں "۔۔۔ از رطب و یابس آنچہ در لوحِ جبیں نوشتہ بودند از کتب متعارفہ عربی و فارسی و بنگلہ و انگریزی و اردو ہندی حرف آشنا گشتہ دستِ طلب معاش دراز کردم"[3] مگر محمد عابد علی مصنف "نواب عبداللطیف" کا خیال ہے کہ "عبدالغفور نے انگریزی اچھی طرح نہیں سیکھی تھی"[4]۔ رضا علی وحشت مرحوم کا خیال ہے کہ نساخ کی عربی کی استعداد بہت اچھی تھی۔ فارسی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ زبانِ اردو میں بڑی قدرت پیدا کی تھی"[5] فارسی دانی کا ثبوت تو خود ان کی فارسی غزلیں اور "مرغوب دل" ہیں جس میں صرف فارسی کی رباعیات ہی ہیں۔ البتہ ان کی عربی زبان سے

---

[1] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۰

[2] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۲

[3] دفتر بے مثال مطبوعہ نولکشور پریس ص ۶

[4] نواب عبداللطیف (بنگلہ) ص ۲

[5] اردوئے معلی اکتوبر و نومبر ۱۹۰۷ء ص ۱

Marfat.com

واقفیت کے ثبوت میں ان کا وہ ملمع پیش کیا جا سکتا ہے جس کا مطلع یہ ہے[1]

تحمل بوسہ ہائے پیہم رکھے نہ شام وصال اصلا
نُطِیقُ ذَلِّ نُعُوتٍ عِطفٍ تُورِدُنْ وَجِنْتَاہُ دُہلاً

جس کے متعلق خود نساخ کا بیان ہے کہ یہ ملمع حضرت جامی کی زمین اور طرز میں احباب کی فرمائش پر کہا تھا۔ ہندی زبان کے متعلق خود نساخ نے لکھا ہے:

"ایک دن میں ان کو (ای، بی کاول مشہور مستشرق) پڑھا چکا اور رخصت ہو کر آنے کو تھا کہ صاحب موصوف نے ہندی بیتال پچیسی نکالی کہ حرف اس کے ناگری تھے اور مجھ سے کہا کہ کل سے اس کتاب کو پڑھوں گا۔ یہ سنتے ہی میں مضطر ہوا کہ میں ناگری نہیں جانتا تھا اور کہا بھی نہیں کہ میں ناگری نہیں جانتا۔ اگر میں یہ بات کہتا تو شاید تھوڑے دنوں کے واسطے میں معطل ہو جاتا اس لیے میں چپکا رہا اور وہاں سے نتھ کے بازار کو گیا۔ اور بیتال پچیسی اور ناگری کے رسالے خرید لیے اور لالہ رام چرن مختار کے پاس لے گیا۔ ان سے سارا حال کہہ دیا۔ وہ مسکرائے اور مجھ سے کہا کہ آپ بنگلہ جانتے ہیں آپ کو ایک روز میں ناگری آ جائے گی۔ غرض میں نے ان سے پڑھی اور ایک ہی دن میں حروف وغیرہ یاد کر لیے اور بیتال پچیسی کے کئی ورق پڑھ لیے۔"[2]

ہندی سیکھنے کے ان کے یہ اسباب تھے اور انھوں نے زمانہ طالب علمی کے بہت بعد ہندی سیکھی تھی۔

تلاش معاش

تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد نساخ نے تلاش معاش کے لیے تگ و دو کی۔ چنانچہ اپنے بھائی نواب عبداللطیف کے ایما سے یہ اپنے وطن راجہ پور سے روانہ ہوئے اور ۱۵ر نومبر ۱۸۵۲ء کو ڈھاکا پہنچے۔ ڈھاکا میں ان کا قیام منشی امین الدین محرر سشن جج کے یہاں ہوا

---

[1] دفتر بے مثال ص ۴۹

[2] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۔۴

Marfat.com

بیلی صاحب نے ان کو دس روپے ماہوار پر محرّر مقرر کیا۔ اس قلیل تنخواہ پر تقرر کے اسباب کے متعلق نسّاخ خود فرماتے ہیں:

"بیلی صاحب نے مجھ سے کہا کہ سرشتہ کا کام آدمی سیکھ نہیں سکتا ہے جب تک اس کے ذمّے کوئی کام نہ ہو چونکہ تم کام نہیں جانتے اس لیے تم کو بڑا عہدہ دیا نہیں جا سکتا، تم کو سردست دس روپے کی محرّری میں مقرر کیا جاتا ہے اور دس روپے میں تمھاری گزراوقات کسی صورت ہو نہیں سکتی ہے لیکن تمھارے بھائی نواب عبداللطیف خاں بہادر سی آئی ای نے کہا ہے کہ وہ تمھاری خرچ برداری کریں گے، لیکن ان کا بھی خرچ بہت ہے، اگر وہ تمہارا خرچ نہ دے سکیں تو ہم تمھارا خرچ دیں گے، اور مجھ کو سرشتہ میں کام کرنے کا حکم دیا تاکہ میں ہر طرح سرشتے کا کام سیکھ جاؤں"[۱]

چنانچہ اس طرح نسّاخ دس روپے ماہوار پر محرّر مقرر ہوئے۔ قابلِ ذکر بات یہاں پر یہ ہے کہ نسّاخ نے کچہری جا کر حلف لیا "کہ خود بھی رشوت نہیں لوں گا اور اپنے ساتھ کسی دوسرے کو بھی رشوت لینے نہیں دوں گا۔ بعد حلف کے سرشتہ میں گیا اور سب عملوں سے کہہ دیا کہ میں نے اس طرح پر حلف لیا ہے اگر میرے سامنے رشوت کا ذکر بھی ہوگا تو میں صاحب موصوف سے کہہ دوں گا۔"[۲]

کچھ دنوں بعد صدر دیوانی عدالت میں چار مترجموں کی جگہ خالی ہوئی۔ نسّاخ نے بیلی صاحب کی سفارش حاصل کی۔ صاحب موصوف خود نسّاخ کو رجسٹرار کے پاس لے گئے۔ اس وقت صدر دیوانی عدالت کے رجسٹرار مسٹر بیل تھے اور ان کی پرزور سفارش کی لیکن مترجمی کے عہدے کے لیے مقابلے کا امتحان پاس کرنا ضروری ہوتا تھا۔ امیدواروں کی تعداد پچاس تھی۔ کل پانچ امیدوار کامیاب ہوئے جن میں سب سے آخری نمبر نسّاخ کا تھا۔ چنانچہ مترجمی کی جگہ نسّاخ کو نہ مل سکی۔

نسّاخ نے یہ نہیں لکھا کہ وہ بیلی صاحب کے سرشتہ میں کتنے دنوں تک ملازم رہے اور مترجمی کے عہدے میں ناکامیابی کے بعد ان کا کیا مشغلہ رہا۔ لیکن ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱۔ خودنوشت سوانح عمری نسّاخ ص ۱۲-۱۳

۲۔ خودنوشت سوانح عمری نسّاخ ص ۱۴-۱۲

Marfat.com

ان کی محرّری کی ملازمت بھی جاتی رہی اور وہ پھر کلکتہ لوٹ آئے کیونکہ اس کے فوراً بعد ہی وہ لکھتے ہیں کہ

"مولوی کبیر الدین احمد صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ فورٹ ولیم کالج کے سکریٹری کپتان سینٹ جارج صاحب نے آپ کو بلایا ہے اور اسی وقت جانے کو کہا ہے... میں کپتان سینٹ جارج صاحب سے ملنے کو گیا۔ انھوں نے میری تعظیم کی اور بٹھلایا.... بعد ازاں مجھ سے کہا کہ مسٹر ای' بی کاول صاحب پروفیسر[۵۸] ہندو کالج چند روز ہوئے ولایت سے آئے ہیں اور وہ فارسی پڑھنی چاہتے ہیں اور کالج کے جتنے منشی پڑھاتے تھے سب ان کے پاس جا چکے ہیں اور سب کو انھوں نے پھیر دیا ہے اور دوسرا منشی مانگتے ہیں لیکن کس سبب سے پھیر دیتے ہیں وہ بھی لکھتے نہیں اور منشی لوگ بھی جو پھر آئے ہیں وہ بھی کہتے نہیں اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ میں جاؤں.... میں پڑھانے کے کام کو بہت بُرا جانتا تھا لیکن ان دنوں از حد تنگ تھا اس لیے قبول کیا۔"[۵۹]

چنانچہ نسّاخ کپتان موصوف کی سفارشی چٹھی لے کر کاول صاحب کی قیام گاہ پر پہنچے۔ کاول صاحب نے اپنی میم سے خمسہ خسرو منگوایا اور اس طرح نسّاخ کا امتحان شروع ہوا۔ نسّاخ لکھتے ہیں۔

"میم صاحبہ جیسے ہی خمسہ خسرو لائیں میں نے دیکھا کہ کتاب کے حاشیے پر جا بجا انگریزی میں کچھ کچھ لکھا ہوا ہے۔ اس سے میں سمجھا کہ بعض بعض مشکل شعروں کے معنی لکھے ہوں گے اور میں گھبرایا کہ خمسہ مذکور میں سے میں نے صرف لیلیٰ مجنوں، ہشت بہشت اور شیریں خسرو کو دیکھا تھا باقی دو مثنویاں نہیں دیکھی تھیں۔ چنانچہ ہے ہی تو دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ میری عزت و آبرو کو بچانا۔ بعد ازاں کاول صاحب نے مطلع الانوار کے کئی اشعار کے معنی پوچھے ان کے معنی بھی بتلائے۔ صاحب موصوف معنی سن کر خوش ہوئے

---

۵۸ مسٹر کاول شعبۂ تعلیمات میں بحیثیت پروفیسر آف ہسٹری اینڈ پولیٹیکل اکانومی ۱۸۵۶ء میں پریسیڈنسی کالج کلکتہ میں مقرر ہوئے اور ۱۸۵۸ء میں سنسکرت کالج کلکتہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ نسّاخ سے یہاں پر یقیناً سہو ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی ص ۹۸

۵۹ خود نوشت سوانح عمری ص ۳۴-۳۵

Marfat.com

بعد ازاں دیوان حافظ کے چند شعر پوچھے ان کے معنی بھی تبلائے . . . دیوان سودا کے اس شعر کے معنی پوچھے :

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی

نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

میں نے معنی تبلائے ۔ صاحب موصوف نے کہا کہ دوسرے بعض شخصوں نے دوسرے معنی تبلائے ہیں ۔ اس وقت میں نے ان سے کہا کہ آپ خود بھی ایک طرح پر سمجھتے ہیں آپ انصاف سے دیکھیں کہ میں نے جو معنی تبلائے ہیں وہ اچھے ہیں یا دوسرے معنی اچھے ہیں اس پر انھوں نے دونوں معنوں کا ترجمہ انگریزی میں کرلیا اور دونوں کو دیکھتے رہے ۔ آخر میز پر ہاتھ مارا اور کہا کہ آپ کے تبلائے ہوئے معنی اچھے ہیں "[۱]

چنانچہ نساخ تیس روپے ماہوار پر کاول صاحب کے معلم مقرر ہوئے ۔ معلمی کے ساتھ ساتھ نساخ کاول صاحب کے لیے نادر کتابیں بھی اکٹھا کرنے کا کام کرنے لگے ۔ اور ایشیاٹک سوسائٹی سے کاول صاحب کی لائی ہوئی کتابوں کی نقل کا کام بھی ان کے سپرد ہوا ۔ نساخ کو اس سے خاطر خواہ فائدہ ہوا اور اسی نوے روپے کی ماہانہ آمدنی کا سامان مہیا ہوگیا ۔ کاول صاحب کو پڑھاتے تقریباً چھ سات ماہ ہوئے تھے کہ نساخ ایک دن صدر دیوانی عدالت کی طرف تفریحاً گئے اور مسٹر رسل کے چپراسی کے کہنے پر وہ صاحب موصوف سے ملنے چلے گئے ۔ صاحب موصوف نے ان کو دس فیصلے کا ترجمہ کرکے دکھانے کو کہا اور تین ترجمے سن کر سب فیصلوں پر دستخط کردیا ۔ اور اس طرح نساخ صدر دیوانی عدالت میں ترجمے کرنے لگے اس سے ان کو بہت فائدہ ہوا ۔ وہ لکھتے ہیں ۔

" اس مہینے میں مجھ کو ڈھائی سو روپے ملے مگر اس سے زائد نفع کسی روز بیس روپے سے کم کا کام کرتا نہ تھا بلکہ بعض روز چالیس روپے کا کام بھی کیا ہے بعضے مہینے میں نو سو و ہزار روپے بھی پائے ہیں "[۲]

---

۱ خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۴۰ - ۴۵

۲ خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۴۲

Marfat.com

نساخ کا یہ کام کتنے دنوں چلا اس پر انھوں نے کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ تھوڑے زمانے میں ان کا یہ کام ختم ہوگیا۔ اور وہ پھر ایک بار بے کاری کی زندگی گزارنے لگے۔

۱۸۶۰ء میں کپتان سینٹ جارج نے نساخ کو بلایا اور فارسی پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن پڑھانے کے لیے انھیں فرانس ڈانگا یعنی چندر نگر جانا تھا۔ نساخ باوجود اپنے بھائی نواب عبداللطیف کی مخالفت کے چالیس روپے ماہوار پر پڑھانے کے لیے راضی ہوگئے۔ یہ سنیچر کے دن کلکتہ آتے تھے اور پیر کی صبح کو چندر نگر روانہ ہو جاتے تھے لیکن جب صاحب موصوف بارک پور میں آگئے تو یہ بھی وہاں ان کے ہمراہ آئے۔ اسی دوران میں انھوں نے اپنے بھائی کے ایما سے ڈپٹی مجسٹریٹی کے لیے درخواست دی اور ۱۸ ستمبر ۱۸۶۰ء کو نساخ ڈپٹی مجسٹریٹی و ڈپٹی کلکٹری کے عہدۂ جلیلہ پر مقرر ہوئے اور بریسال میں اس عہدے کا چارج لیا۔ نساخ لکھتے ہیں کہ

"جارج صاحب کو پڑھانے کے لیے مقرر ہونے کے ایک مہینہ ۲۹ روز کے بعد اور درخواست دینے کے ایک مہینہ ۱۸ دن کے بعد[1] وہ اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے اور اکتوبر سنِ مذکور میں نساخ نے بریسال جاکر اپنے عہدہ کا چارج سنبھالا۔

ان کے بریسال پہنچنے سے قبل حکام بالا کے کان ان کے خلاف بھر دیئے گئے تھے لیکن یہ اپنی ہمہ گیر شخصیت کے سبب حکام کی نظروں میں سرخرو رہے۔

نساخ کو بریسال میں پیچیدہ اور مشکل مقدمات سے سابقہ پڑا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"بریسال میں جتنے پیچیدہ اور مشکل مقدمات میں نے دیکھے آج تک کوئی ایسا مقدمہ کہیں نہیں دیکھا۔ وہاں جعل کی کثرت ہے۔ میری رائے ہے کہ گورنمنٹ جس نئے شخص کو کسی نئے عہدے پر مقرر کرے تو چاہیئے کہ اس کو پہلے بریسال بھیج دے اور تین برس تک اس کو وہاں رہنے دے بعد ازاں جہاں چاہے اس کی بدلی کر دے وہ کہیں ہرگز بند نہ ہوگا۔"[2]

بریسال میں نساخ کو بعض تلخ تجربے بھی ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

---

[1] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۶۹

[2] " " " ص ۷۱

Marfat.com

"منشی شین الدین کسی زمیندار یا تعلقدار کے مکان میں کھاتے نہ تھے اور مجھ کو ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ آخر تجربے سے معلوم ہوا کہ بہت اچھا کرتے تھے یعنی پیش کار امین الدین صاحب روزانہ میرے واسطے کھانے کی چیزیں مثلاً پلاؤ قورمہ کباب، میٹھے چاول مربا مٹھائی اچار وغیرہ بھیج دیا کرتے تھے اور میں کھاتا تھا آخر ایک مقدمہ ان کا میرے پاس آیا اور مجھ کو معلوم ہوا کہ حق بجانب نہیں ہے بلکہ ایسا معلوم ہوا کہ انھوں نے جو دستاویز داخل کی ہے وہ جعلی تھی۔ میں نے ان کے مختار و وکیل سے بار ہا کہا کہ وہ لوگ اس مقدمے کو میری عدالت سے اٹھا کر دوسری عدالت میں لے جائیں لیکن ان لوگوں نے نہ مانا اور جب میں نے چاہا کہ ان کے خلاف فیصل کروں تو ہر وقت ان کا بھیجا ہوا پلاؤ قورمہ وغیرہ میرے خیال میں پھرتا تھا اور خیال آتا تھا کہ اگر ان کے خلاف رائے دوں گا تو وہ کیا کہیں گے اور لوگ کیا کہیں گے لیکن آخر ایسا ہی ہوا کہ میں نے ان کے خلاف فیصل کیا۔ اور انھوں نے اپیل بھی نہیں کی لیکن لوگوں سے کہا کہ عبدالغفور کے ہاتھ سے مجھ پر ظلم ہوا۔[1]

نساخ ڈپٹی مجسٹریٹی کے عہدے پر عارضی طور پر فائز کیے گئے تھے مستقل ملازمت کے لیے امتحان پاس کرنے کی شرط ضروری تھی۔ یہ امتحان سال میں دو بار ہوتا تھا ایک اپریل میں دوسرا اکتوبر میں۔ نساخ کو بھی مستقل ہونے کے لیے اس امتحان کی آزمائش سے گزرنا تھا۔ اپریل کے امتحان میں یہ شامل نہ ہو سکے لیکن اپنی ملازمت کے دوسرے سال ۱۸۶۱ء کے اکتوبر والے امتحان میں شریک ہوئے مگر کامیابی نصیب نہ ہوئی اسباب ناکامی کے متعلق نساخ لکھتے ہیں:

"سبب اس کا یہ تھا کہ ایک سال کے اندر کثرت کار سرکاری کے سبب قانون پڑھنے کی فرصت پائی نہ تھی روزانہ صبح سے دوپہر اور رات تک گھر میں اور کچہری میں کام کرتا تھا اور اس بات کو مسٹر ہارمے صاحب کلکٹر اور مجسٹریٹ بھی بخوبی جانتے تھے چنانچہ انھوں نے یہی مضمون کمشنر صاحب بہادر کو لکھ کر بھیج دیا تھا۔[2]

---

[1] خودنوشت سوانح عمری نساخ ص ۷۳-۷۴

[2] " " " ص ۸۰

Marfat.com

تک دو موقعے کھو چکے تھے۔ چنانچہ تیسرے موقع سے فائدہ اٹھانا ان کے لیے ضروری تھا ورنہ ملازمت سے معطل ہونے کا احتمال تھا۔ حسب دستور دوسرے سال یعنی ۱۸۷۲ء کے اپریل میں امتحان میں بیٹھنا ان کے لیے ضروری تھا اور اس مرتبہ بھی وہ عدیم الفرصتی کے باعث قانون کو ذہن نشین نہ کر سکے تھے۔ موقع نازک اور منزل کٹھن تھی۔ ناکامیابی نے ان پر گہرا اثر کیا تھا اور وہ خود اعتمادی کھو بیٹھے تھے۔ چنانچہ انھوں نے وہ راہیں بھی اختیار کیں جو مایوس اور ناامید انسان کر بیٹھتا ہے۔ خود ان کی زبانی سنیے :

" ڈھاکا کو جاتے وقت منشی معین الدین صاحب نے مجھکو ایک انگشتری دی اور کہا کہ امتحان کے وقت اس کو برابر چاٹنا سوال جواب یاد آتا جائے گا اور میں نے بریسال میں رہنے کے ہنگام میں سنا تھا کہ ڈھاکہ میں اکالی شاہ ایک بزرگ صاحب کمال ہیں میں ان سے استمداد کے لیے منشی قائم علی صاحب باشندہ ڈھاکہ کو ساتھ لے کر اکالی شاہ صاحب کے یہاں گیا اور ملاقات کی۔ منشی قائم علی صاحب نے شاہ صاحب موصوف سے سب حال کہہ دیا۔ اس میں شاہ صاحب نے حافظ نامی ایک شخص کو پکار کر حقہ لانے کو کہا اس نے پوچھا حقہ کون پیئے گا اور اس پوچھنے کا سبب یہ تھا کہ رمضان کے دن تھے شاہ صاحب نے اس سے کہا کہ تم حقہ لے آؤ۔ وہ ناریل لے آیا۔ شاہ صاحب نے میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ ان کو دو۔ میں نے حقہ لینے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے پوچھا کیا صوم ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ شاہ صاحب نے کہا تو پیجیے۔ بعد ازاں میں حقہ پیتا رہا اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ رخصت ہو کے آتے وقت شاہ صاحب نے کہا کہ امتحان کب ہوگا۔ میں نے کہا کل۔ انھوں نے کہا کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ امتحان دینے کو جانے کے آگے میرے پاس سے ہوتے جائیں۔ میں نے کہا کہ ہو سکتا ہے۔ بعد ازاں میں چلا آیا۔ اسی روز منشی عبدالنعیم صاحب الہ آبادی محرر عدالت فوجداری ضلع ڈھاکہ سے ملاقات ہوئی انھوں نے مجھ سے کہا کہ امتحان میں اگر کسی سے پوچھنے کا موقع ملے تو بھی ہرگز نہ پوچھنا کہ ڈھاکہ کے کلکٹر صاحب برابر دیکھتے رہتے ہیں اور اگر وہ دیکھ لیں گے تو صاحب کمشنر سے کہہ دیں گے اور بڑا فساد ہوگا۔

Marfat.com

دوسرے دن میں شاہ صاحب کے پاس گیا، انھوں نے کہا جائیے آپ کا امتحان پاس ہو جائے گا۔[1]

ناسخ امتحان کے کمرے میں گئے اور اپنے دوسرے ہمراہیوں کی طرح خاموشی سے سوالات کا جواب لکھنے لگے لیکن چوتھے اور پانچویں سوال کا جواب ناسخ اور ان کے رفقاء کے بس کا نہ تھا۔ کلکٹر صاحب بہادر نے ان سے ان سوالوں کے حل کرنے کے سلسلے میں تاکید بھی کی۔ چنانچہ گھنٹہ بھر بعد کلکٹر صاحب پھر آئے اور دیکھا کہ کسی نے اس سوال کا جواب لکھا نہیں ہے، اس میں وہ کمشنر صاحب کے کمرے میں گئے اور ایک کاغذ لے کر نکلے اور دور کھڑے ہو کر پڑھنے لگے۔ پڑھنے کے بعد میرے پاس آئے اور میرے داہنے کان میں اس سوال کا جواب کہتے رہے اور میں لکھتا رہا اور سب ڈپٹی مجسٹریٹ متعجب ہوئے اور سوائے میرے اور کسی کو انھوں نے اس سوال کا جواب تلایا نہیں اور ان سے مجھے کبھی کی ملاقات نہ تھی ... کلکٹر صاحب نے جو ... سوال کا جواب بتلایا وہ شاہ صاحب کا تصرّف تھا ورنہ اور کسی کو کیوں تلایا نہیں اور حقیقت میں یہی بات تھی۔"[2]

غرض اس طرح وہ اس نازک مرحلے سے گزرے اور بالآخر وہ کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

ناسخ اپنی ملازمت کے سلسلے میں بنگال و بہار کے مختلف علاقوں میں قیام پذیر ہوئے پہلے پہل ان کا تقرر بریسال میں ہوا اور یہ وہاں اکتوبر ۱۸۶۰ء سے فروری یا مارچ ۱۸۶۳ء تک رہے اس کے بعد ان کا تبادلہ مارچ ۱۸۶۳ء میں ہوڑہ ہوا اور دسمبر ۱۸۶۳ء تک یہ ہوڑہ میں رہے۔ جنوری ۱۸۶۴ء میں راجشاہی تبدیل کر دیئے گئے اور اگست ۱۸۶۶ء تک وہاں ان کا قیام رہا۔

---

[1] خود نوشت سوانح عمری ناسخ ص ۸۱ - ۸۰

[2] " " " ص ۸۳ - ۸۲

Marfat.com

نساخ کی شادی

راجشاہی کے قیام کے دوران نساخ نے مرزا ہمایوں بخت خلف مرزا خرم بخت کی دختر نیک اختر سے شادی کی اور وہیں ان کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی لیکن اسی دن اللہ کو پیاری ہوگئی۔

اگست ۱۸۶۶ء میں یہ بھاگل پور کمشنری کے ضلع بانکا میں تبدیل ہوکر گئے۔ یہاں ان کا قیام فروری ۱۸۶۹ء تک رہا۔ بانکا ہی کے قیام میں ان کے بیٹے ابوالقاسم محمد کی پیدائش ہوئی جن کا پورا نام ابوالقاسم اور تاریخی نام مظہرالحق تھا۔ اور عرفیت محمد۔ ابوالقاسم نساخ کے واحد اولاد نرینہ تھے چنانچہ انھوں نے فراخدلی سے لوگوں کی دعوت کی اور جشن ولادت کے موقع پر "بانکا کے مسلمانوں، اور قرب وجوار کے سات آٹھ سو ہندوؤں کو، کھلایا اور رقص وسرود کا جلسہ کیا"[۱]

نساخ کا دہلی کا پہلا سفر

بانکا کے قیام ہی کے دوران[۲] نساخ کے گلے سے خون آیا۔ حالانکہ اس مرض میں وہ سولہ برس کے سن سے گرفتار تھے مگر اس مرتبہ خون کی مقدار خاصی تھی۔[۳] چنانچہ وہ بہت گھبرائے اور سول سرجن سے سرٹیفکیٹ لے کر دو ماہ کی رخصت لی اور ۱۲۸۴ھ کے ماہ رمضان میں علاج کی

۱۔ خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۲۴

۲۔ نساخ کا بیان ہے "دوسرے دن گلے سے خون آیا حالانکہ میرے گلے سے سولہ برس کے سن سے خون آتا تھا۔ مگر ایسی زیادتی نہ تھی"۔ خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۲۴

۳۔ عقیت صاحب کے اس بیان میں کہ "ابھی قیام بھاگلپور کو زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ ایک دن ان کے گلے سے کچھ خون آیا" دو باتیں درست نہیں۔ اول تو نساخ کا قیام بھاگلپور نہیں بلکہ بانکا تھا۔ دوسرے ان کے گلے سے خون آیا تھا تو ان کے قیام کی مدت تقریباً ڈیڑھ پونے دو برس ہو چکی تھی۔ سن مذکور ۱۲۸۴ھ کی مطابقت سے ۱۸۶۸ء ہوتا ہے اور واپسی کے بعد ہی ان کا تبادلہ مارچ ۱۸۶۹ء میں چھپرہ ہوگیا۔ ملاحظہ ہو خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۲۴،۱۴۰

Marfat.com

خاطر دہلی تشریف لے گئے اور راہ میں پٹنہ، الہ آباد، علی گڑھ وغیرہ ٹھہرتے ہوئے دہلی پہنچے اور حکیم مرتضیٰ خاں اور حکیم محمود خاں کے زیر علاج رہے جس سے خاطر خواہ فائدہ ہوا اور مرض کا ازالہ ہو گیا۔ دہلی میں یہ ان کی پہلی آمد تھی۔ چنانچہ دہلی کے سربرآوردہ شعرا و ادبا سے صحبتیں رہیں جن میں آزردہ، غالب، شیفتہ، حالی وغیرہ تھے۔ بالخصوص غالب سے ان کی گاڑھی چھنی۔ ایک ملاقات کا حال نساخ اس طرح لکھتے ہیں:

"عید کے روز مرزا صاحب نے اپنی مثنوی ابر گہربار کے تین سو شعر میرے سامنے پڑھے۔ اس پر اہلِ دہلی کو بڑا تعجب ہوا کہ مرزا صاحب نے چار پانچ برس سے کسی کے سامنے شعر پڑھے نہ تھے بلکہ کوئی اگر ان کو شعر پڑھنے کو کہتا تھا تو وہ خفا ہو جاتے تھے۔"[۵]

غرض یہ کہ دہلی کی سیر سے لطف اندوز ہو کر آگرہ، کان پور ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچے یہاں کا محرم دیکھا، لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور پھر بانکا لوٹ آئے۔

نساخ کا دہلی کا دوسرا سفر

بانکا سے ان کا تبادلہ فروری یا مارچ ۱۸۶۹ء میں چھپرہ ضلع سارن ہو گیا لیکن یہاں چین سے نہیں گزری۔ ایک بار تو گنگا کے سیلاب نے پریشان کیا پھر کچھ دنوں بعد اپنے استاد مکرم حضرت ضیغم کے انتقال پُر ملال کی خبر ملی اور سال مذکورہ کے آخری ماہ میں خود بھی سخت بیمار پڑ گئے چنانچہ جنوری ۱۸۷۰ء میں علاج کی خاطر دوسری بار پھر دہلی تشریف لے گئے اور علاج سے فارغ ہو کر چھپرہ واپس آئے۔

۱۲ اپریل ۱۸۷۰ء میں نساخ چھپرہ سے تبدیل ہو کر بھاگل پور آ گئے لیکن یہاں ان کا قیام بہت مختصر رہا۔ ۲ مئی ۱۸۷۰ء میں ان کا تبادلہ مونگیر کر دیا گیا۔ مونگیر کے دورانِ ملازمت میں ان کے ساتھ ایک خاص واقعہ پیش آیا جس کی پاداش میں ان کا تبادلہ سلہٹ ہو گیا۔ اس واقعہ کی

---

[۵] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۲۶ - ۱۲۵

Marfat.com

تفصیل نساخ یوں لکھتے ہیں :

"مونگیر میں گرمیوں کے دنوں میں صبح کو کچہری ہوتی تھی۔ میرے ہاتھ میں خزانے کا کام بھی تھا۔ ایک دن میں خزانہ خانے میں بارہ ہزار روپے کا اسٹامپ نکالنے کو گیا۔ اس میں میرے محرّر مولوی محمد اشرف صاحب بہاری میرے پاس گئے اور کہا کہ ایک صاحب یوروپین آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا مقدمہ ہے۔ آپ کب تک اجلاس پر جائیے گا۔ میں نے کہا کہ بعد نکالنے اسٹامپ کے جاؤں گا۔ غرض اسٹامپ کے نکالنے میں قریب دو گھنٹے کا عرصہ ہوا، اس کے بعد میں اپنی عدالت میں گیا اور بیٹھا۔ اس میں ایک مقدمہ جس میں زمین کی تکرار تھی پیش ہوا۔ اور اسی وقت ایک صاحب عینک لگائے ہوئے مختاروں کے پیچھے جا کے کھڑے ہوئے، میں سمجھا کہ اس ضلع کے کوئی مسافر ہوں گے اور شاید اس مقدمے سے کچھ علاقہ رکھتے ہوں گے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہ تھی۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ یوروپین صاحب لوگ میرے اجلاس میں جایا کرتے تھے۔ اس کے بعد اندازاً دس منٹ کا عرصہ گزرا ہوگا کہ اکاؤنٹنٹ بابو کچھ کاغذات دستخط کرنے کو لے گئے۔ ان کاغذوں کے اوپر ایک ٹکڑے کاغذ پر انگریزی میں لکھا تھا کہ "آپ کی کچہری کے اندر مسٹر لوئیس جیکسن[1] صاحب جج بہادر ہائی کورٹ موجود ہیں۔" یہ دیکھ کر میں نے جو سر اٹھایا تو دیکھا کہ وہ میری کچہری سے نکل گئے۔ اس وقت میں نے ان کے پاس ملاقات کے واسطے چٹھی لکھی اور یہ بھی لکھا کہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ آپ میری کچہری میں بے خبر تشریف لائے، اور میں نے آپ کو پہچانا نہیں اس لیے جو تعظیم و

---

[1] سر لوئیس اسٹوارٹ جیکسن آئی۔ سی۔ ایس تھے۔ یہ ۱۸۴۳ء میں سول سروس میں آئے جج راجشاہی مقرر ہوئے اور پھر ۱۸۶۲ء میں صدر عدالت کے جج مقرر ہوئے اس کے بعد ۱۸۶۲ء تا ۱۸۸۰ء عدالت عالیہ کے Puisne judge رہے۔ ۱۸۷۸ء میں عیوضی چیف جسٹس بھی مقرر ہوئے۔ اُن کا انتقال ۱۸۹۰ء میں ہوا۔
(انڈین بائیوگرافیکل ڈکشنری ص ۲۱۸)

Marfat.com

تکریم آپ کی کرنی چاہیئے تھی کر نہ سکا۔ اس کے جواب میں صاحب موصوف نے چٹھی لکھی اور شام کو مجھ کو اپنی فرودگاہ میں بلایا، اس کے تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ انھوں نے میرے فیصل کیے ہوئے چھ مہینے کے مقدمے طلب کیے ہیں۔ چنانچہ جب ان کی فرودگاہ میں پہنچا اور ان سے ملا اس کے بعد بھی میں نے چٹھی میں معذرت کا جو مضمون لکھا تھا وہی بیان کیا اس پر صاحب موصوف نے مجھ سے کہا کہ آپ نے مجھ کو نہ پہچانا ہوگا لیکن آپ کے بڈھے پیشکار مولوی محمد اشرف صاحب، نے ضرور پہچانا ہوگا . . . . میں نے ان سے کہا کہ بوڑھے پیشکار چند روزوں سے مونگیر میں آئے ہیں آگے وہ بھاگلپور میں تھے۔ اس کو سن کر وہ چپ ہو گئے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ میں نے ان کو پہچان کے التفات نہیں کیا بلکہ ان کو خفیف اور ذلیل کیا۔ وہ مجھ سے نہایت درجے خفا ہو گئے اور میرے چھ مہینے کے فیصل کردہ مقدمات میں پچاس پچپن مقدموں میں غلطیاں نکالیں اور گورنمنٹ میں رپورٹ کر دی۔ گورنمنٹ کو قاعدے کے مطابق چاہیئے تھا کہ مجھ سے ان مقدموں کی کیفیت طلب کرتی۔ لیکن کیفیت طلب نہ کر کے سر جارج کیمبل صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مجھ سے میرے اختیارات کامل کو لے لیا اور سلہٹ میں بدلی کر دی۔ مسٹر لوئیس جیکسن صاحب بہادر نے جو غلطیاں نکالی تھیں حقیقت میں غلطیاں نہ تھیں"

نساخ نے لاکھ ہاتھ پاؤں مارے۔ حکام بالا کو قائل کیا۔ لیکن نتیجہ سودمند ثابت نہ ہوا اور انھیں سلہٹ جانا ہی پڑا۔ مونگیر میں ان کا قیام تقریباً اٹھارہ انیس ماہ رہا۔ ۲۰ نومبر ۱۸۷۰ء کو ان کا تبادلہ مونگیر ہوا تھا اور غالباً نومبر کے آخر میں وہ سلہٹ پہنچے۔ سلہٹ میں ان کا قیام طویل رہا۔ ۶ جولائی ۱۸۷۴ء میں ان کا تبادلہ ڈھاکہ ہوا اور ۱۲ اکتوبر ۱۸۷۴ء میں ڈھاکہ آکر چارج لیا اور بندوبست کے کام پر متعین ہوئے۔ لیکن ابھی ایک مہینہ بھی پورا نہ ہوا تھا کہ ۹ نومبر ۱۸۷۴ء کو مانک گنج تبدیل کر دیئے گئے۔ اپریل ۱۸۷۵ء میں نساخ پھر ڈھاکہ چلے آئے۔ یہاں یہ ۱۰ اپریل ۱۸۷۹ء تک کام کرتے رہے۔

۵۳؎ خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۶۹ - ۱۷۲

Marfat.com

ڈھاکا کے زمانۂ ملازمت میں نساخ نے ایک مقدمہ میں نواب احسن اللہ بہادر پرہ روپے جرمانہ کیا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ مقدمہ کس قسم کا تھا۔ یہیں کے قیام کے دوران نساخ کی تنخواہ میں بھی ترقی ہوئی تھی۔

نساخ کا دہلی کا تیسرا سفر

ڈھاکا کے قیام کے دوران ہی انھوں نے دہلی کا تیسرا سفر کیا۔ لیکن قیام کی مدت اور سفر کی غرض و غایت کا پتہ نہ چل سکا۔ ڈھاکا کے بعد ۲۸ راپریل ۱۸۷۹ء میں انھوں نے بیر بھوم جا کے چارج لیا۔ بیر بھوم میں نساخ سولہ مہینے رہے یعنی ۲۸ راپریل ۱۸۷۹ء سے ۱۱ رستمبر ۱۸۸۰ء تک۔ اس کے بعد ۱۸ رستمبر ۱۸۸۰ء کو ہوگلی میں چارج لیا اور یکم یا دوسری اکتوبر ۱۸۸۱ء میں ہوگلی میں وبائی تپ کے شکار ہوئے لیکن اپنے کارِ سرکاری سے غافل نہ رہے۔ جب ڈاکٹر نے انھیں بتایا کہ اس تپ کے دور ہونے میں چار مہینے لگ جائیں گے تو چھ ماہ کی رخصت لے کر کلکتہ چلے گئے اور وہاں غلام نبی خاں صاحب کے زیرِ علاج رہے۔ حکیم صاحب کی تندہی اور علاج سے ان کا مرض دور ہوگیا۔ ۶ رجون ۱۸۸۱ء کو پھر انھوں نے ڈھاکا جا کر چارج لیا اور ان کا قیام تین برس تک ڈھاکا میں رہا۔ ۶ رجولائی ۱۸۸۴ء کو ڈھاکا کا چارج دے کر ۲۹ رجولائی ۱۸۸۴ء کو میدنی پور میں چارج سنبھالا اور یہیں کے قیام کے دوران مولوی عبیداللہ العبیدی، حکیم اشرف علی مست، نواب ضیاء الدین خاں دہلوی اور حافظ نعمت اللہ واعظ کے انتقال کی خبر نساخ کو ملی جس سے ان کو بہت رنج اور صدمہ ہوا۔ میدنی پور میں نساخ کا قیام صرف چودہ ماہ رہا۔

نساخ کا دہلی کا چوتھا سفر:

میدنی پور ہی میں ایک بار پھر نساخ تپ وبائی کا شکار ہوئے۔ چنانچہ تین ماہ کی رخصت لے کر ۲ راکتوبر ۱۸۸۵ء کو دہلی چلے گئے۔ معقول علاج سے صحت یاب ہوئے۔ دلی میں انھیں کچھ تبدیلی بھی نظر آئی۔ ہندو مسلمان کے بعض بعض افراد نے انگریزی لباس وہاں پہننا شروع کر دیا تھا۔ کلکتہ واپس ہونے تو معلوم ہوا کہ ان کی تبدیلی ڈھاکا ہوگئی ہے۔ چنانچہ ۳۱ ردسمبر ۱۸۸۰ء کو ڈھاکا

Marfat.com

کا چارج لیا۔ نساخ کو یہیں ۱۱ ربیا ۱۲ر جنوری ۱۸۸۷ء کو بھوپال سے ان کے بھائی نواب عبداللطیف کا تار موصول ہوا کہ وہ قائم مقام وزیر ریاست بھوپال مقرر ہوئے ہیں۔ نساخ کو اس خبر سے بڑی مسرت ہوئی بسن مذکور ۱۵ر فروری کو تین ہفتے کے لیے نساخ نے منشی گنج میں چارج سنبھالا۔

اس تاریخ اور سن کے بعد نساخ کے حالاتِ زندگی کا کسی کتاب میں کچھ پتہ نہیں ملتا۔ نہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈھاکا ہی رہے یا اس کے بعد بھی کہیں ان کا تبادلہ ہوا۔ نہ ان کی صحت کے ہی متعلق کچھ پتہ چلتا ہے۔ اور نہ کسی اور حال کے متعلق۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ ۱۴ر شوال ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۸۹ء[۱۵] کو ان کا انتقال کلکتے میں ہوا۔

---

۱۵ سید مغیث الحسن صاحب لکھتے ہیں "۱۸۸۸ء میں نساخ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ تمام تذکرے نساخ کے اس سال وفات میں متفق ہیں" (نگار ماہ مئی ۱۹۵۹ء ص ۱۸) لیکن یہ سال عیسوی نہیں ہے جس پر سبھوں کا اتفاق ہے۔ بسن ہجری ۱۳۰۶ پر سبھوں کا اتفاق ہے۔ سید لطیف الرحمن صاحب لکھتے ہیں "نساخ کے کتبۂ مزار پر نساخ کی تاریخ وفات ۱۴ر جون ۱۸۸۹ء درج ہے۔" (نساخ سے وحشت تک ص ۲۴۳ حاشیہ)

نساخ کے شاگرد قاضی عبدالحمید محمڈن میرج رجسٹرار نے بھی ایک قطعہ میں یہی سن عیسوی لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

روزِ جمعہ چار دہ تاریخ بود از ماہِ جون
شد بہ کلکتہ بپا ہنگامۂ محشر نما
اوستاد و مشفق و غم خوار جان دردمند
اہلِ دل اہلِ ہنر اہلِ سخن اہلِ سخا
عیسوی تاریخ فوتِ او رقم کردہ حمید
"مولوی عبدالغفور اہلِ حشم جاہ و ادا"
۱۸۸۹ء

(ماہنامہ ساز کلکتہ فروری ۱۹۶۲ء ص ۱۲)

"مولوی عبدالغفور اہلِ حشم جاہ و ادا" مادۂ تاریخ ہے جس سے ۱۸۹۰ نکلتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

اس وقت سن ہجری کے مطابق ان کی عمر ستاون سال تھی۔ ابو معین محمد عضد الدین عضد کے قطعہ تاریخ وفات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی نساخ کی ڈھاکا میں پوسٹنگ تھی اور وہ انتقال کے وقت ڈھاکا ہی کے ڈپٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹر تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وفات خال دو یمی مصنف عالی جناب مولوی عبد الغفور خاں بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ وکلکٹریٹ ڈھاکا متخلص بہ نساخ . . . ."[۵]

ڈپٹی ڈھاکہ بود از رہ کار ماند بانام نیک روز دراز
کرد آخرازیں سرائے سہ پنج مرغ روحش سوئے جناں پرواز

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈھاکا ہی میں تھے کہ نساخ بیمار پڑے اور کلکتہ روانہ ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ کلکتہ میں ان کا مدفن بقول ان کے بھتیجے ابو القاسم محمد نور عالم خالدی "تالباغ کلکتہ میں ہے"[۱]

لوح مرقد کے کتبے کے لیے عبد الرؤف وحید نساخ کے معاصر نے یہ قطعہ لکھا تھا۔[۲]

حضرتِ نساخ بعد از ارتحال چوں بدیں آرام گاہِ پاک خفت
باسنِ رحلت وحیداین جائے را مرقدِ نساخ دلِ بیدار گفت

نجوم ورمل

نساخ علوم متعارفہ کے علاوہ علم نجوم سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ اس فن کو انھوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عبد الغفور کے الف کو مادۂ تاریخ میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

بابو جتیندر کمار ناتھ نے سالِ وفات ۱۸۸۰ء لکھا ہے جو کسی طرح درست اور صحیح نہیں۔ (جنیالوجیکل ہسٹری آف انڈیا حصہ پنجم ص ۸۳)

۱۔ عروض والقوافی ص ۸۱
۲۔ مفتاح السلوک ص ۲۴
۳۔ جواہر منتخب (وقائع مختلف) ص ۸۳

Marfat.com

شیخ محمد حسن لکھنوی معروف بہ مرشد سے سیکھا تھا اور چونکہ ذہین آدمی تھے اس لیے اس فن میں جلد ہی مہارت بھی حاصل کرلی۔ اس کی تفصیل وہ خود لکھتے ہیں:

"ایک دن شیخ محمد حسن لکھنوی معروف بہ مرشد سے ملاقات ہوئی اور معلوم ہوا کہ ان کو نجوم میں بڑا دخل ہے۔ میں نے ان سے نجوم سیکھنے کی استدعا کی۔۔۔۔ شیخ صاحب نے مجھکو دوسرے دن اپنے مکان میں بلایا میں ان کے مکان واقع مچھوا بازار میں گیا۔ میں نے ان سے نجوم سیکھنا شروع کیا۔ انھوں نے مجھ کو اس کے قاعدے زبانی لکھوائے اور پندرہ روز میں میں حکم لگانے لگا۔ انھوں نے مجھ کو شگون سے حکم لگانے کا قاعدہ بھی بتلایا اور معلوم ہوا کہ وہ بڑے عاقل ہیں اور رمل میں خوب دستگاہ رکھتے ہیں۔۔۔ پھر رمل کی کتاب پڑھنے لگا۔ پھر ناپسند ہوا اس لیے چھوڑ دیا"[۱] چنانچہ ایک رباعی میں اپنی رمل دانی کا اظہار بھی کیا ہے۔

زیبندہ بہ قامتم لباسِ افلاس زآشفتگیم جمع حواسِ افلاس
رمالی و شاعری کرشد پیشۂ من زیں ہر دو قوی گشت اساسِ افلاس

نساخ نے نجوم سے مقدمات کے سلسلے میں کام بھی لیا تھا اور وہ دوسروں کو بھی اس فن سے فائدہ پہنچاتے تھے۔ انھوں نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں اس کا تذکرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"بریسال میں ہزاروں مقدمے میں نے بہ ذریعہ نجوم کے فیصل کیے اور جناب مولوی شفیع الدین صاحب قاضی عدالت ضلع مذکور اپنی عدالت کے بہت سے مقدموں کا حال مجھ سے بہ ذریعہ نجوم کے دریافت کرتے تھے اور اس پر میں جو حکم لگاتا تھا صحیح ہوتا تھا۔"[۳]

ایک مقدمے کا خود ذکر نساخ نے کیا ہے جس کا فیصلہ انھوں نے علم نجوم کے ذریعہ کیا تھا

---

[۱] خودنوشت سوانح عمری نساخ ص ۴۰۔

[۲] مرغوب دل ص ۱۱

[۳] خودنوشت سوانح عمری نساخ ص ۵۷

Marfat.com

اس کی تفصیل وہ یوں لکھتے ہیں :

"ایک دن میرے پاس ایک مقدمہ آتش زنی کا سپرد ہوا۔ اس میں ایک شخص نے مدعا علیہ پر دعویٰ کیا تھا کہ مدعا علیہ نے بہ سبب عداوت اس کے گھر میں آگ لگا دی اور آٹھ ہزار روپے کا اسباب مع مکان جلا دیا۔ اسی دن منشی عزت اللہ بیگ میرے پاس آئے اور بات بات میں ذکر کیا کہ مدعا علیہ نے مدعی کو تباہ کر دیا میں نے جو نجوم سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مدعی کا مکان معہ اسباب کے بے شک جل گیا ہے لیکن مدعا علیہ نے جلایا نہیں آپ سے آپ آگ لگ کر جل گیا ہے۔ مدعی اور مدعا علیہ میں از حد عداوت ہے اس لیے مدعی نے مدعا علیہ پر جھوٹ دعویٰ کیا ہے۔ میں نے منشی عزت اللہ صاحب سے کہا کہ مقدمہ جھوٹ ہے۔ انھوں نے مجھ سے نجوم کا ذکر کیا کہ وہ جانتے تھے۔ میں نے کہا ہاں نجوم سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ دریافت کریں گے دوسرے روز آئے اور کہا کہ مقدمہ مذکور حقیقت میں جھوٹ ہے کہ وہ مدعی کے مختار تھے[1]"

نجوم و رمل کے علاوہ نساخ نے علم جفر بھی مرزا غلام حسین کلاکیٹی سے سیکھنا شروع کیا تھا لیکن یہ فن اُن کا پایہ اختتام کو نہ پہنچا تھا کہ مرزا غلام حسین کا انتقال ہو گیا۔

مرزا محمد علی بیگ علی سے غالب و مغلوب کا فن سیکھا اور علم شعبدہ کا فن حافظ اکرام احمد ضیغم سے حاصل کیا۔ اس فن کے مظاہرے سے انھوں نے مشہور شعبدہ باز حسن خاں جنّی باشندۂ اڑیسہ کو بند بھی کیا تھا۔

شطرنج سے نساخ کو زمانۂ طالب علمی سے لگاؤ تھا۔ وہ لکھتے ہیں :

"مدرسۂ عالیہ میں سب سے عمدہ شطرنج کھیلتا تھا[2]"

---

[1] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۷۶

[2] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۹

Marfat.com

شطرنج میں کچھ ان کے شاگرد بھی تھے ۔ اس فن کو انھوں نے حافظ کبیر احمد سے سیکھا تھا لیکن شطرنج کے انہماک سے ان کا نقصان بھی ہوا اس لیے نساخ اس کھیل سے ایسے تائب ہوئے کہ پھر زندگی میں انھوں نے شطرنج نہیں کھیلی ۔ یہ واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ۔ وہ لکھتے ہیں :

« ایک بار میں حالتِ بیکاری میں مکان سے نکلا کہ خواجہ میرن جان صاحب کے مکان میں جاؤں، اس میں جناب مسٹر بیلی صاحب کا چپراسی ایک خط لے کے آیا۔ اس میں لکھا تھا کہ پچاس روپے کی ایک نوکری خالی ہے کل گیارہ بجے اگر آؤ تو مل سکتی ہے ۔ اگر دیر ہوگی تو نہیں ملے گی ۔ میں خط کو لے کے خواجہ صاحب کے مکان میں گیا اور شطرنج کھیلتا رہا ۔ شب کو وہیں سو رہا ۔ دوسرے دن صبح کو چاہا کہ مکان میں آؤں ۔ خواجہ صاحب خط کے حال سے آگے ہی واقف ہو چکے تھے ۔ بولے کہ درباری کپڑا منگوا لیجیے اور یہیں سے بیلی صاحب کی کوٹھی میں جائیے گا ۔ میں نے ان کے ایک خدمت گار سے کپڑا منگوا لیا اور شطرنج شروع ہو گئی ۔ یہاں تک کہ گیارہ بج گئے اور میں جا نہ سکا ۔ مجھ کو بہت ناگوار ہوا ۔ اس روز خواجہ صاحب کو ایک کاغذ پر دستخط کرنا ضرور تھا اگر اس روز دستخط نہ کریں تو کئی ہزار روپے کا نقصان ہو جائے گا ۔ ان کے عملے کاغذ لکھ کر دستخط کرنے کو لائے تھے لیکن شطرنج کے سبب سے ان کو کاغذ کے سننے کی فرصت نہیں ہوئی ۔ آخر ان کا بھی کئی ہزار روپے کا نقصان ہو گیا ۔ دوسرے میں نے ایک خط بیلی صاحب کو لکھا کہ کل اتفاق سے مجھ کو تپ آ گئی تھی اس لیے جا نہ سکا ۔ یہ بات یکبارگی غلط تھی اور اس جھوٹ کہنے کا ایسا صدمہ ہوا کہ اسی روز سے میں نے شطرنج چھوڑ دی اور پھر ... شطرنج کھیلا نہیں[۱] »

ان علوم و فنون کے علاوہ نساخ خطِ ناخن نویسی سے بھی واقف تھے ۔ اس کے سیکھنے کی تفصیل نساخ یوں لکھتے ہیں :

---

[۱] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۵۷

"کلکتے میں ایک شخص کو خط ناخن لکھتے دیکھا اور میں نے سیکھنا چاہا۔ انھوں نے نہ بتایا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ انھوں نے ہوگلی میں میرزا امیر خاں خوش نویس سے سیکھا ہے اس لیے میں ہوگلی میں ان کے پاس اسی غرض سے جانے لگا۔ لیکن مجھ کو معلوم ہوا کہ وہ شاید نہ بتلائیں۔ اس لیے میں نے ان سے اس کا ذکر نہیں کیا اور خطِ ناخن لکھا ہوا ایک ٹکڑا کاغذ منگوایا اور خوب غور سے دیکھا اور ناخن سے دوسرے کاغذ پر خط کھینچنے لگا۔ اس میں آپ اس کا قاعدہ معلوم ہوگیا اور میں لکھنے لگا۔ اس میں خوب مشق پہنچائی اور ایسی ترکیب نکالی کہ جس خوش نویس کے ہاتھ کا لکھا ہوا حرف ہو ویسا ہی ناخن سے لکھ دیتا تھا۔[1]

عادات و اطوار

نساخ کی خود نوشت سوانح عمری میں بعض بعض ایسے واقعات و حالات بھی ملتے ہیں جن سے ان کے عادات و اطوار کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کی شخصیت کے کچھ نقوش کا پتہ مل جاتا ہے۔ نساخ لکھتے ہیں:

"کلکتہ میں ایک بار بعض سبب سے میں نے چھ مہینے تک اپنے مکان میں نان اور مکھن اور چینی اور جلیبی کے سوا کچھ نہیں کھایا حالانکہ میں بیمار نہ تھا۔"[2]

نساخ کی قوت ارادی بہت مضبوط تھی چنانچہ اسی قوت ارادی کی وجہ سے چھ مہینوں تک افیون مٹر برابر کھانے کے باوجود دفعتاً چھوڑ دی تفصیل اس کی ان کی زبانی ملاحظہ ہو:

"ایک بار نزلے کے سبب مجھ کو ایک شخص نے افیون کھانے کو کہا اور میں نے افیون کھانا شروع کیا۔ روزانہ صبح و شام کابلی مٹر کے برابر افیون کھاتا تھا۔ چھ مہینوں تک کھایا کیا لیکن مجھ کو کچھ نفع نہ ہوا اس لیے

---

[1] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۱-۱۰

[2] " " " ص ۶۰

Marfat.com

میں نے ایک ہی دن میں افیون چھوڑ دی۔ روز اول اعضا شکنی معلوم ہوئی دوسرے روز اس میں کچھ کمی ہوئی تیسرے دن کچھ نہ تھا[1]

سرزمین بنگالہ کی عام خوراک چاول ہے، لیکن نساخ کی عادت باوجود بنگالی نژاد ہونے کے الگ تھی۔ وہ کبھی خشکہ کبھی روٹی اور کبھی پلاؤ کھایا کرتے تھے۔ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ اپنی سوانح عمری میں اپنی اسی قسم کی عادات کا وہ ذکر یوں لکھتے ہیں:

"ہر چند کہ میں بنگالہ کا رہنے والا ہوں لیکن طبیعت میری اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ مہینوں خشکہ کھاتا تھا اور مہینوں روٹی کھاتا تھا اور مہینوں پلاؤ کھاتا تھا اور کبھی ایک وقت خشکہ ایک وقت پلاؤ اور کبھی ایک وقت پلاؤ اور ایک وقت روٹی کھاتا تھا۔ جب بریسال میں گیا تو دیکھا کہ نہایت مرطوب جگہ ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ روٹی کھایا کروں چنانچہ روٹی کھانے لگا اس ملک میں کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ صرف روٹی کھاتا ہو۔ اس لیے لوگوں کو نہایت تعجب ہوا اور بہت سے گاؤں کے لوگ مجھ کو دیکھنے کو آتے تھے"[2]

مذہب

مذہبی اعتبار سے نساخ سنی المذہب تھے اور مسلک حنفی تھا۔ لہذا یہ چار اصحاب رسول پاک صلعم کے معتقد تھے[3]

چار رکن عظم دینِ رسول حق ہیں یہ
بندہ کیوں دل سے نہو نساخ چار اصحاب کا

چار یار رسول صلعم کے علاوہ ان کا اعتقاد پنجتن پاک پر بھی تھا۔ اور نساخ اسی کو مومن

---

[1] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۶۰

[2] " " ص ۸۸

[3] دفتر بے مثال ص ۲۶

Marfat.com

تصور کرتے تھے جو پنجتن کا دوست ہو اور چار یار کا عدو ہو اسے کافر سمجھتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں[1]

مومن وہی ہے جو کہ ہوا پنجتن کا دوست
کافر ہے وہ عدو جو ہوا چار یار کا

اسی طرح معراج کے مقر کو جنتی اور منکر کو دوزخی تصور کرتے تھے۔[2]

جنتی ہے جنتی وہ جو کہ ہے اس کا مقر
دوزخی ہے دوزخی منکر ہے جو معراج کا

نساخ کے اعتقاد کے مطابق چاروں خلفائے راشدین برحق تھے لہذا ہر خلیفہ کے منکر کو بھی وہ کافر گردانتے ہیں:[3]

چوں چار کتاب ند نبی را یاراں
تورات و زبور و انجیل و فرقاں
نساخ چو انکار یکے زاں کفرست
تو منکر ہر خلیفہ را کافر داں

اسی والہانہ عقیدت کا نتیجہ ہے کہ انھوں نے چاروں اصحاب کی شان میں منقبت بھی لکھی ہے۔

نبی برحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کو عقیدت ہوتی ہے۔ نساخ بھی رسول مقبول کے شیدائی ہیں اور اسی والہانہ عشق کا نتیجہ ہے کہ نساخ کو بھی تمام عالم انھیں کے نور سے معمور نظر آتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:[4]

اے نور مجسم چہ رخت پر نورست
از جلوۂ نور تو جہاں معمورست

---

[1] دختر بے مثال ص ۳۰
[2] " " ص ۴۶
[3] مرغوب دل ص ۱۶
[4] " " ص ۴

شد گردِ رہت سرمۂ چشمِ خورشید
ہر سنگ رہت غیرتِ کوہ طور ست

نساخ کا مسلک حنفی تھا اور وہ مقلد تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے مومن کی رباعیاں پڑھیں جن میں اہلِ تقلید پر چوٹیں تھیں تو وہ اس کو برداشت نہ کر سکے وہ خود لکھتے ہیں:

"دس بارہ برس کا زمانہ گزرا کہ ایک دن دیوان حکیم مومن خاں مومن دہلوی دیکھ رہا تھا اس میں یہ رباعیاں نظر سے گزریں:

ہر چند نہیں قیاس سے کچھ سروکار
پر توبہ سے ازبسکہ ہوا میں بیمار
مئے بہر دوا پینے کو مفتی کے حضور
تقلید ابو حنیفہ کا ہے اقرار

ہے بس کہ محبتِ رسولِ مختار
مذہب کو سوچتا ہوں لیکن ہر بار
آتا ہے قیاس میں حق اہلِ حدیث
ہر چند قیاس سے نہیں ہے سروکار

خالص ہوں مدعی مرا دیں ہے اسلام
گو رائے صواب ہو نہیں مجھ کو کام
تقلید کی ٹھہرے تو بنوں گا شیعہ
کس واسطے چھوڑ دیجے افضل تر امام

وغیرہ۔ چونکہ ان رباعیوں میں تقلید و قیاس پر چوٹیں ہیں اس لیے جی میں آیا کہ ان رباعیوں کا جواب لکھوں چنانچہ اثنائے شعر گوئی میں کبھی تقلید کبھی اجماع کبھی قیاس کے مشروع ہونے کے بارے میں کبھی تقلید پر اور بعض بعض مسائل خفیہ پر جو دہابیوں نے اعتراض کیے

Marfat.com

ہیں انھیں نے بعض بعض اعتراض کے جواب میں کبھی کبھی بعض بعض عقیدہ ردّ وہابیان کے بیان میں کبھی وہابی لوگ جن آیتوں کے اور جن احادیث کے مصداق ہیں ان کے بیان میں کبھی امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل ہیں، رباعیاں موزوں کرتا رہا۔[۱]"

نساخ کی ان رباعیوں کے مجموعے کا نام نصرۃ المسلمین ہے بقول سید لطیف الرحمٰن صاحب:

"نصرۃ المسلمین کو نساخ کا مذہبی کارنامہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ کتاب نساخ کی مذہبی رباعیات کا مجموعہ ہے[۲]"

نساخ نے اہلِ تقلید اور اجماع و قیاس کی موافقت میں حدیث اور دلیلیں بھی دی ہیں اور اس دور کے دستور کے مطابق اپنے مسلک کی موافقت اور مخالفین کی مخالفت میں غلو سے بھی کام لیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک غیر مقلدین رافضی، جہنمی، اور بے دین ہیں۔[۳]

ہے بات عجب مذہب وہابی میں
بول اٹھتا ہے جو آتا ہے اس کے جی میں
وہابی بھی رافضی ہے جو کہتا ہے
رجعت ہو گی زمانہ مہدی میں

وہابی[۴] ہے ایک فرقۂ بد انجام
ہووے گا ضرور اس کا جہنم میں مقام
اب[۵] کس کو ہو اس کے کفر و الحاد میں شک
تقلید کو کہتا ہے یہ شرک اور حرام

۱۔ نصرۃ المسلمین ص ۳

۲۔ نساخ سے وحشت تک ص ۳۲

۳۔ نصرۃ المسلمین ص ۳۰

۴۔ " " ص ۳۲

۵۔ " " ص ۱۶

Marfat.com

بے دین ہیں یہ غیر مقلد یکسر[1]
کہلائیں مسلمان وہ لیے ہیں کافر
قرآن میں خلاف کرتے ہیں یہ گمراہ
ایمان ہے تو بخاری و مسلم پر

امام اعظم سے نسّاخ کو عقیدت تھی انھیں یہ امام برحق بھی سمجھتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں[2]

اعلیٰ ہے امام بوحنیفہ کا مقام
برحق وہ امام تھے نہیں اس میں کلام
نسّاخ بخاری اور مسلم دونوں
سن لیجیے ہیں بالواسطہ شاگرد امام

اہل عقیدت کو رہِ سنت و توحید کا صحیح پیرو گردانتے ہیں۔ قیاس و اجماع کے منکران کو زندیق سمجھتے ہیں[3]

جس راہ پہ چلتے ہیں یہ اہل تقلید
ہے وہ ہی رہِ سنت و راہِ توحید
اس راہ پہ جو چلا، نہ ہو گا گمراہ
پائے گا نجات ہے یہ اللہ سے امید

۱؎ نصرۃ المسلمین ص ۲۱
۲؎ 〃 〃 ص ۱۴
۳؎ 〃 〃 ص ۱۹

Marfat.com

سن مجھ سے ذرا بیان اجماع و قیاس[1]
بتلاؤں تجھے نشانِ اجماع و قیاس
قرآن و حدیث سے ہے ثابت ناسخ
زندیق ہیں منکرانِ اجماع و قیاس

ناسخ صوم وصلوٰۃ کے بھی پابند تھے لیکن بہت سختی سے نہیں۔ چنانچہ وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ نماز صبح ان سے کبھی ادا نہ ہوئی۔

ہے معترف گناہوں کا ناسخ اے کریم
اک دن ادا ہوئی نہیں اس سے نماز صبح

اس کے علاوہ ان کی سوانح عمری میں بعض جگہ اس کا ذکر بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روزے سے نہ تھے۔ لیکن اس کمزوری کے باوجود نماز اور اسلامی احکام کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ان کے خلاف ذرا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے خود ایک واقعہ اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے۔[2]

"سلہٹ کا رہنے والا ایک باورچی ناسخ کے ساتھ رہتا تھا وہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ ناسخ نے اس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو۔ اس نے کہا کہ میں پہلے برابر نماز پڑھتا تھا۔ انیس بیس برس کی عمر میں تاجرانِ فیل کے ساتھ ہندوستان رنگون و برما وغیرہ ملکوں میں گیا اور بارہ تیرہ برس کے بعد سلہٹ لوٹ آیا' اور اپنے محلے کے لوگوں کو دیکھا کہ بڑے حرامزادے، مفسد، جھوٹے، مکار، فریبی، جعلیے اور دغاباز ہیں لیکن سب نماز پڑھتے ہیں۔ میں سمجھا کہ شاید نماز کے سبب سے یہ لوگ ایسے ہو گئے ہیں۔ اسی تاریخ سے میں نے نماز چھوڑ دی۔ ناسخ کہتے ہیں کہ یہ سنکر مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اسے گالیاں دیں اور بہت ڈانٹا۔"

---

[1] نصرۃ المسلمین ص ۱۹
[2] ناسخ [illegible]

Marfat.com

ان کی مذہبی دلچسپی سے متعلق بعض واقعات ان کی سوانح عمری میں موجود ہیں مثلاً ... سے متعلق ایک انگریز کا سوال اور قرآن کے آسمانی کتاب ہونے کی عقلی دلیل اور برہمو ... کیا نیوں کے اسلام میں کثرت ازدواج کے سوال کا جواب وغیرہ

نساخ بزرگان دین کے بھی معتقد تھے۔ زیارت قبور سے بھی انھیں نفرت نہیں تھی بلکہ جہاں جہاں گئے انھوں نے بزرگوں کی قبروں کی زیارت کی ہے اور وہ بزرگوں کی کرامت کے بھی قائل تھے چنانچہ اپنے ڈیپارٹمنٹل امتحان میں پاس ہونے کو شاہ اکالی شاہ کی کرامت گردانا ہے، جس کا ذکر دوسری جگہ کیا جاچکا ہے۔ اسی طرح چلہ کشی اور عمل پر بھی ان کا اعتقاد تھا اور اس پر انھوں نے عمل بھی کیا تھا۔ بالخصوص اپنی تنخواہ میں اضافہ کو وہ النیخ کے عمل کا نتیجہ بھی سمجھتے تھے۔ شراب انھوں نے کبھی نہیں چکھی لیکن انھیں رقص و سرود اور طوائفوں کے ناچ گانے سے پرہیز نہ تھا وہ ایسی محفلوں میں شرکت بھی کرتے تھے۔ خود اپنے بیٹے ابوالقاسم مظہر الحق سلمہٗ کے جشن ولادت پر رقص و سرود کی بزم آرائی بھی کی تھی۔ اس کا انھوں نے اپنے ایک شعر میں اعتراف بھی کیا ہے۔

ہوئے غنا و رقص کا کیوں کرنہ مجھ کو شوق
نساخ بندہ ہوں میں سمیع و لبصیر کا

ان تمام چیزوں کے باوجود انھوں نے کبھی ایسے شخص سے ملاقات تک کرنی گوارہ نہ کی جو مذہب اسلام کے خلاف ہو یا ... سے بدمذہب ہو۔ چنانچہ نساخ نے عبدالرحیم دہریہ کو جس سے عبید اللہ العبیدی اور شہزادہ بشیر الدین توفیق جیسی ہستیاں متاثر تھیں کبھی دیکھنے کی تمنا بھی نہیں کی۔ اسی طرح مشہور عالم اہل حدیث مولوی نذیر حسین سورج گڑھی کے دیکھنے کی بھی انھوں نے کبھی آرزو نہیں کی۔ حالانکہ دہلی چار بار گئے اور تقریباً سات ماہ رہے اس سے ان کے عقیدے کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کی پابندی شریعت کی شہادت ان کے جاننے بھی دیتے ہیں[1]

پائے بند شریعت ... بود
دائما بود ... صوم و نماز

---

[1] عروض ... القوافی ص ۸۸

Marfat.com

نساخ کے معاصر عبدالرؤف بھی ان کی خوش عقیدگی کی گواہی دیتے ہیں[1]

پاک دین خوش عقیدہ پاک گہر

دین نگہدار ہر زماں بلزدم

نساخ کے بھتیجے ابوالقاسم محمد نورالعالم خالدی کی اطلاع کے مطابق نساخ نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت بھی کی تھی[2] لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

رشوت سے نفرت اور ایمانداری

نساخ اپنے فرائض منصبی سے کبھی غفلت نہیں برتتے تھے بلکہ بڑی ہوشیاری اور دیانت داری سے انجام دیتے تھے۔ رشوت سے انھیں سخت نفرت تھی چنانچہ ان کی سوانح عمری میں ایک قسم کا واقعہ یوں ہے کہ انھوں نے رشوت کے خلاف حلف لیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کا ذکر اس طرح کرتے ہیں[3]

"صاحب موصوف کی کوٹھی سے کچہری میں گیا اور وہاں حلف کیا کہ خود بھی رشوت نہیں لوں گا اور اپنے ساتھ ہی دوسرے کو بھی رشوت لینے نہیں دوں گا۔ بعد حلف کے سررشتہ میں گیا اور سب عملوں سے کہہ دیا کہ میں نے اس طرح پر حلف کیا ہے اگر میرے سامنے رشوت کا ذکر بھی ہو گا تو صاحب موصوف سے کہہ دوں گا"

نساخ بڑے ایماندار افسر تھے اور کوئی ایسا کام کرنا نہیں چاہتے تھے جس سے ان کی ایمانداری پر حرف آئے۔ چنانچہ ایک بار ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس میں فرض اور محبت باہمی میں ٹکراؤ پیدا ہوا لیکن انھوں نے فرض کو ترجیح دی اور غلط روی اختیار نہ کی۔ اس

---

[1] جواہر منتخب (وقائع مختلفہ) ص ۸۲

[2] مفتاح السلوک ص ۲۴

[3] خودنوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۴

کی تفصیل وہ خود لکھتے ہیں :

" مانک گنج میں میرا بیٹا ابوالوقت محمد سلمہ سخت بیمار ہو گیا۔ اور میں مضطر ہو کر کیا کروں الیسے۔ تب مکرمہ غلام نبی خاں صاحب دہلوی مجھ سے ملنے کو مانک گنج میں گئے۔ میں نے محمد سلمہ کو ان کے ہمراہ کلکتے کو روانہ کر دیا۔ بعد ازاں میں دورہ میں نکلا اور گوالندو کے مقابلے میں ڈھاکا کے علاقے میں کشتی پر تھا وہاں ایک ٹیلیگرام کلکتے سے آیا اس کا مضمون یہ تھا کہ اگر بیٹے کو دیکھنا چاہو تو چلے آؤ۔ وہ روز سنیچر کا تھا۔ میں نہایت مضطر ہوا اور عملوں سے کہا کہ کیا کروں عملوں نے کہا کہ آپ لب کچہری کے پڑے سے کا دریا پار ہو کے گوالندو سے کلکتہ کو روانہ ہو جائیں۔ یکشنبہ کی صبح کو کلکتہ میں پہنچئے۔ لڑکے کو دیکھکر یکشنبہ کی شب کو کلکتے سے روانہ ہو کے چلے آئیے۔ دوشنبہ کو صبح یہاں پہنچ کر کچہری کیجئے گا۔ میں نے دیکھا یہ سب صحیح ہے پس محکمہ چھوڑ کر جانا منع ہے اور اگر جاؤں تو روزنامچے میں کیا لکھوں گا اور اگر روزنامچے میں علاقہ مانک گنج میں رہنا لکھوں تو تین روپے بھتے کے لینے پڑیں گے۔ وہ روپے کیونکر لے کے۔ نہ کروں گا اور اگر ان تین روپوں کو حساب میں نہ لکھوں اور گورنمنٹ پوچھے اس کا کیا جواب دوں گا۔ اس لیے میں کلکتے کو گیا نہیں اور لڑکے کو خدا کے حوالے کیا۔"[1]

فیاضی و کنبہ پروری

نساخ بڑے فیاض بھی تھے۔ مولانا وحشت مرحوم لکھتے ہیں :

" فیاضی کا یہ حال تھا کہ شاعر کو قصیدے کے صلے میں پانسو روپے تک دیتے ہیں۔ حالانکہ خود ان کی تنخواہ اسی قدر تھی۔"[2]

---

[1] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۹۳

[2] اردوئے معلیٰ اکتوبر نومبر ۱۹۰۷ء ص ۱

Marfat.com

نساخ کو اپنے کنبے کے لوگوں کا بھی خیال رہتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے بھانجے ابو معین محمد عضد الدین عضد کو دس روپے ماہوار دیتے تھے تاکہ وہ اپنی زندگی سنوار لیں۔ چنانچہ عضد لکھتے ہیں[1]:

از عمدۂ خود چو یافت مکنت
بر بندہ چنیں نمود شفقت
می داد مرا بطور تنخواہ
دہ سکۂ کمپنی بہر ماہ

محمود آزاد نے جو نساخ کا مرثیہ لکھا ہے اس میں بھی نساخ کے جود و سخا کا ذکر کیا گیا ہے۔ آزاد لکھتے ہیں[2]:

" امام مشرب دل جان پیکر خلّت
محیط جود و سخاوت جہانِ صدق و صفا

مولانا وحشت نساخ کے متعلق لکھتے ہیں:
"بڑے صاحب خلق اور نیک نیّت تھے۔ احکام مذہب کے سخت پابند شریف النفس اور والا نظر تھے[3]۔"

نساخ کی شخصیت

نساخ کی شخصیت بڑی دلآویز تھی۔ ان کے احباب کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔ اپنے دور کے ادبا، شعرا، وفضلا و علما سے ان کی اچھی خاصی دوستی تھی۔ یہی نہیں نساخ جس جگہ

---

[1] یادگار اجداد ص ۶۰
[2] مرثیہ نساخ مصنفہ محمود آزاد۔ دستی تحریر دیوان آزاد۔ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ (call No. 25)
[3] اردوئے معلیٰ اکتوبر نومبر ۱۹۰۷ء ص ۱

Marfat.com

بھی تفریحاً یا بہ کار سرکار گئے وہاں انھوں نے دوست پیدا کر لیے۔ چنانچہ سخن شعراء اور خود نوشت سوانح میں ان کے احباب اور ملنے والوں کی ایک کثیر تعداد کا ذکر ہے اس سے ان کی شخصیت اور ہر دلعزیزی کا حال معلوم ہوتا ہے اور ان کی سماجی زندگی پہ اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے۔

اولاد

نساخ کی اولاد میں صرف ایک فرزند کا پتہ چلتا ہے۔ اور وہ تھے کلکتے کے مشہور و معروف شاعر حضرت شمس جو مولانا رضا علی وحشت کے استاد تھے۔ ان کا پورا نام ابوالقاسم محمد اور تاریخی نام مظہر الحق اور عرفیت محمد ابوعیین محمد عضدالدین عضد لکھتے ہیں:

"از مولوی عبد الغفور خان خان بہادر مرحوم یک فرزند مولوی ابوالقاسم محمد مظہر الحق"[1]

ان کی پیدائش ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۰ء)[2] میں بانکا (ضلع بھاگلپور) میں ہوئی تھی[3]۔ نساخ

---

[1] عروض و القوافی ص ۱۰۳

[2] وفا راشدی صاحب مصنف "بنگال میں اردو" لکھتے ہیں "سن ولادت ۱۸۶۱ء بمقام فرید پور (مشرقی بنگال) ہے" ص ۱۰

نساخ کی شادی ہی ۱۸۶۴ء میں ہوئی تھی۔ سید معیت الحسن صاحب لکھتے ہیں "۱۸۶۴ء کے لگ بھگ کی بات ہے اس وقت نساخ کی عمر کم و بیش انتیس سال کی تھی۔ نساخ کہتے ہیں کہ دوران قیام راجشاہی میں میں نے مرزا ہمایوں'۔۔۔ کی دختر نیک اختر سے شادی کی (نگار۔ ماہ اپریل ۱۹۵۹ء ص ۱۷) لہذا ۱۸۶۱ء میں حضرت شمس کی پیدائش کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

[3] وفا راشدی صاحب "بنگال میں اردو" ص ۱۰ اور امین ہاشمی صاحب نے اپنے مضمون "وحشت کلکتوی" میں (صحیفہ لاہور بابت جون۔ اگست ۱۹۵۹ء ص ۲۱۲)، شمس کی

کو ان کی پیدائش پر بڑی خوشی ہوئی تھی اور انھوں نے بڑی دھوم دھام سے ان کی پیدائش کا جشن منایا تھا۔[۱]

شمس کی تعلیم کے متعلق سید لطیف الرحمن لکھتے ہیں:

"شمس مرحوم غالباً کوئی علمی سند رکھتے نہ تھے۔ انھوں نے جو تعلیم حاصل کی گھر پر حاصل کی۔ فارسی معلومات بڑی اچھی تھی"۔[۲]

لیکن سید اقبال عظیم صاحب کا خیال ہے:

"شمس لکھنوی کی تعلیم انگریزی اور فارسی دونوں میں معمولی تھی"۔[۳]

وفا راشدی کی رائے کے مطابق:

"اردو فارسی اور انگریزی میں کامل قدرت تھی"۔[۴]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شمس کی تعلیم کا ان کے والد ماجد نے خاص خیال رکھا تھا، اور انھوں نے شمس کو اچھی تعلیم بھی دلائی تھی۔ ابو معین محمد عضد الدین عضد شمس کے متعلق لکھتے ہیں:[۵]

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جائے پیدائش فرید پور لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ سید لطیف الرحمن صاحب لکھتے ہیں "شمس ۱۲۰۴ھ میں بانکے میں پیدا ہوئے۔ بانکا بھاگلپور (بہار) کا ایک محکمہ ہے۔ جہاں نساخ ۱۹۶۲ء سے ۱۸۹۶ء تک ڈپٹی مجسٹریٹ رہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں "شمس کا آبائی وطن فرید پور تھا۔ پیدا ہوئے بھاگلپور میں۔ در عمر بسر کی کلکتے میں" نساخ سے وحشت تک ص ۱۱۲

۱۔ خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۲۴

۲۔ نساخ سے وحشت تک ص ۱۱۳

۳۔ مشرقی بنگال میں اردو ص ۶۰

۴۔ بنگال میں اردو ص ۱۰

۵۔ عروض القوافی ص ۱۱

Marfat.com

باذہن رسا بہار دانش
بافہم وذکا عیار دانش
مایل بحصول علم باشد
بسیار بعقل وحلم باشد
این است یکی بذہن مطلق
بوالقاسم ونیز مظہر الحق
موسوم بہرکجا محمد
باہوش وخرد ذکی وارشد

اس بیان سے یہ پتہ چلتا ہے وہ تحصیل علم میں مصروف تھے اور ان کی تعلیم کا نساخ نے مناسب بندوبست بھی کیا تھا۔

حضرت شمس کو اردو فارسی پہ خاصی عبور تھا انگریزی بڑی روانی سے بولتے تھے۔ انھوں نے اردو کے قصیدوں میں انگریزی کے الفاظ بے تکلف استعمال کیے ہیں۔

عادات واطوار کے لحاظ سے حضرت شمس عجیب وضع کے آدمی تھے۔ انگریزی لباس میں ملبوس رہتے تھے۔ مزاج رندانہ واقع ہوا تھا۔ آزاد منش تھے مسلک صلح کل تھا۔ باوجود رند مشربی کے بڑے راسخ الاعتقاد تھے۔ فقرا اور اہل اللہ کی اکثر خدمت کیا کرتے تھے عمر بھر شادی نہ کی۔[1]

شمس امپریل ریکارڈ میں صرف سو روپے کی ملازمت پر فائض تھے اور اسی میں زندگی بسر کردی۔ بڑے خوش مزاج اور خوش گزران آدمی تھے۔[2]

شمس شاعر بھی تھے اور صحافی بھی مشہور رسالہ زمانہ کانپور بہت عرصہ تک ان کی ادارت میں ہفت روزہ کی صورت میں نکلتا رہا۔

---

[1] نساخ سے وحشت تک ص ۱۱۳

[2] نقش آزاد ص ۲۰۴

Marfat.com

ان کی شعر گوئی کے متعلق لالہ سری رام لکھتے ہیں :

حضرت شمس کو صغیر سنی ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ انفراغ تعلیم کے بعد کسی سے اصلاح سخن لیے بغیر صرف اپنی ذاتی کوشش سے اس فن میں کافی استعداد پیدا کرلی تھی۔ چند دنوں اپنے قابل باپ کے شاگرد رشید حسرت النسخ مرحوم سے مشورہ کرتے رہے اس کے بعد اپنے والد کی تحریک سے فصیح الملک مرزا داغ سے تلمذ اختیار کیا[1] جنھوں نے

---

[1] داغ سے تلمذ اختیار کرنے کے متعلق سید اقبال عظیم صاحب اور لطیف الرحمن صاحب علی الترتیب لکھتے ہیں :

.... داغ دہلوی کے رنگ سے طبیعت کو مناسبت ہوجانے پر ان سے شرف تلمذ حاصل کیا (مشرقی بنگال میں اردو ص ۶۷) شمس داغ کی طرف متوجہ ہوئے۔ داغ کا رنگ ان کی طبیعت کے بالکل مناسب تھا۔ (نساخ سے وحشت تک ص ۱۱۸)

لیکن یہ حقیقت نہیں۔ داغ کی شاگردی اختیار کرنے کے کچھ اور ہی محرکات تھے۔ نساخ نے اپنے تذکرہ "سخن شعراء" مطبوعہ ۱۲۹۱ء نولکشور پریس لکھنؤ میں داغ کے متعلق لکھا تھا۔ داغ تخلص نواب مرزا خاں دہلوی ولد چھوٹی بیگم شاگرد شیخ محمد ابراہیم ملازم نواب رام پور (ص ۱۵۰) یعنی نساخ نے داغ دہلوی کو مجہول النسب ٹھیرایا تھا۔ نساخ کے اس جملے نے ان کے اور داغ کے درمیان یقیناً شکر رنجی پیدا کردی ہوگی لیکن جب حضرت داغ دہلوی منی بائی حجاب کے سلسلے میں کلکتہ پہنچے تو نساخ سے دوستی ہوگئی۔ دراصل حجاب نساخ کے عزیز شاگرد عصمت اللہ نسخ کی شاگرد تھی۔ چنانچہ داغ نے نساخ ہی کو اپنے اور حجاب کے درمیان حکم بناکر اپنے جھگڑے بھی طے کرائے" (داغ مصنفہ تمکین کاظمی ص ۸۸) اور بقول فائق رامپوری" داغ نے نساخ سے خصوصی تعلقات پیدا کرکے آیندہ کے لیے منہ بند کر دیا" (دیباچہ۔ حجاب داغ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور اکتوبر ۱۹۶۲ء) اسی دوران دوستی کے نتیجے میں شمس نے اپنے والد کی تحریک سے فصیح الملک مرزا داغ سے تلمذ اختیار کیا تھا۔ اس کا تفصیلی سے ذکر میں نے اپنے مضمون "حضرت شمس کلکتوی اور داغ دہلوی کی شاگردی" افکار کراچی ماہ اگست ۱۹۶۲ء میں کیا ہے۔

Marfat.com

فن سخن کے رموز و نکات سے انھیں واقف کر دیا۔[۱]

شمس بنگال کے ایک پُرگو شاعر تھے۔ داغ کے رنگ میں سر تا پا ڈوبے ہوئے تھے یہی وجہ ہے کہ داغ کے کلام کے معائب و محاسن ان کے کلام میں بھی پائے جاتے ہیں۔ داغ کی طرح مضامین بالکل سطحی اور خیالات معمولی ہوتے ہیں۔ فلسفہ اور تصوف کا نام و نشان تک نہیں ملتا ہے۔ بلکہ عاشقانہ جذبات سیدھے سادے طور پر شعروں کے سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ پیرایۂ بیان بہت سادہ صاف اور نثر کے قریب ہوتا ہے۔ الفاظ غزل کے مزاج کے موافق نرم نرم ہوتے ہیں۔ شمس فلسفی یا صوفی نہ تھے بلکہ عاشقانہ جذبات کے ترجمان تھے۔ اس لیے انھوں نے شاعری کو فلسفہ طرازی یا رموز تصوف کھولنے کے لیے اختیار نہیں کیا بلکہ غزل کی شکل میں دل کی گفتگو کرنے کے لیے اختیار کیا۔[۲]

قصیدہ شمس کا فن نہ تھا۔ ان کے قصائد کا رنگ بھی وہی ہے جو قدما کا تھا۔ لیکن قصائد میں بھی انھوں نے اردو زبان کی نزاکت اور مزاج کا ہمیشہ خیال رکھا۔ غزل کی طرح قصائد میں بھی ہلکے پھلکے الفاظ استعمال کیے اور فارسی ترکیبوں اور اضافتوں سے حتی المقدور پرہیز کیا۔[۳]

شمس کا دیوان ان کے انتقال کے ۵ برس بعد ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۳۸ھ میں ان کے شاگرد عزیز مولانا رضا علی وحشت مرحوم کی کوششوں سے "سراجی پریس ہرسن روڈ کلکتہ" میں چھپا تھا۔ اس کا حجم ۱۰۵ صفحے ہے۔ اس دیوان میں غزلوں کے علاوہ قصائد، رباعیات، قطعات، ساقی نامہ اور سہرے وغیرہ بھی ہیں۔

سید اقبال عظیم لکھتے ہیں:

"شمس کلکتوی کا دیوان جو اب قریب قریب نایاب ہے میری نظر سے گزرا"[۴]

۱۔ خمخانۂ جاوید جلد پنجم ص ۳۲

۲۔ ناسخ سے وحشت تک ص ۱۲۰

۳۔ " " ص ۱۲۲

۴۔ مشرقی بنگال میں اردو ص ۶۸

Marfat.com

شمس کا دیوان نایاب نہیں ہے۔ ان کے مطبوعہ دیوان کا ایک نسخہ اورنٹیل پبلک لائبریری خدا بخش خاں بانکی پور میں موجود ہے۔ فہرست میں اس کا نمبر ۲۰۷۲ ہے اور میری نظر سے بھی گزرا ہے۔ ایک اور نسخہ بھی لائبریری مذکور میں دلینہ کلکشن کی فہرست میں موجود ہے جس کا نمبر د ۲۰۷ ہے۔ مصنف "ناسخ سے وحشت تک" کے بیان کے مطابق دیوان شمس کا ایک نسخہ نیشنل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے۔[1]

شمس کا انتقال ۲۲ اپریل ۱۹۰۵ء میں ہوا۔ ان کے شاگرد نشتر چھپروی نے ان کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخ لکھا تھا جس کے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔[2]

ہائے بائیسویں کو اپریل کی — دارِ فانی کو الوداع کہا
فکرِ تاریخ جب ہوئی مجھ کو — ہاتفِ غیب سے یہ آئی ندا
سرِ الہام سے لکھو نشتر — "شمس نامی تھے فخرِ بنگالہ"

ان[3] کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع تھا جس میں مولانا رضا علی وحشت، حبیب الغنی صولت۔

---

۱ ناسخ سے وحشت تک ص ۱۲۴۔

۲ دیوان نشتر مطبوعہ مطبع ستارہ ہند کلکتہ ۱۹۳۰ء ص ۵۰۔

۳ حضرت شمس کے کلام کا تھوڑا سا نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

منھ دکھانے پہ بھی مائل رہی پردا ہوگا
مطلعِ ذوقِ نظر رہ ترا جلوا ہوگا
ہائے کہتا ہے مجھی سے یہ مرا سوزِ دروں
کل ترے بدلے یہاں راکھ کا تودا ہوگا
کون دل دے کے کرے روز تقاضائے وصال
ایسے جھگڑوں میں پڑے کون بکھیڑا ہوگا
جو نکالے سے نکل جائے وہ حسرت کیسی
جو اتارے سے اتر جائے وہ احساں کیسا

Marfat.com

دلیل الدین حسرت، اکمل حسین اکمل، خان بہادر محمد یوسف رنجور، منشی عبدالکریم نشتر چھپروی وغیرہ وغیرہ مشہور ہیں۔ اور بالخصوص حضرت وحشت نے اردو شاعری میں کافی شہرت حاصل کی۔

شعر گوئی

اپنی شاعری کی ابتدا سے متعلق نساخ نے باضابطہ کوئی تاریخ نہیں بتائی ہے۔ ان کی سوانح عمری میں ایک دو واقعات ایسے ہیں جن سے ان کے بیان کے مطابق اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے صغر سنی سے شعر گوئی کی ابتدا کی تھی۔ غالب سے ملاقات کے دوران ان کی شعر گوئی کا ذکر بھی چھڑا تھا جس کا ذکر نساخ اس طرح کرتے ہیں۔

" مرزا غالب نے ایک دن مجھ سے کہا کہ مولوی صاحب معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی میری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فصل گل میں یہ مرا جوش جنوں کہتا ہے
ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوا گر تو گریباں کیسا

شمس کا دم بھی غنیمت تھا عجب رونق تھی
اب ہے ویران پڑا کوچۂ جاناں کیسا

سیر دکھلائی مجھے روزن در نے کیا کیا
خوب اسے تاک لیا جھانک لیا دیکھ لیا

بزم سے اس نے نکلوا کے کہا شمس مجھے
بے بلائے ہوئے آنے کا مزہ دیکھ لیا

کون کہتا ہے دنا اس بت کا فرمیں نہیں
غیر کے واسطے ہے میرے مقدر میں نہیں

غمزہ و شوخی و انداز و ادا سب کچھ ہے
اک مروت ہی فقط اس بت کافر میں نہیں

Marfat.com

طرح سے سات آٹھ برس کے سن سے شعر کہتے ہوگے، میں نے کہا کہ ہاں"[۱]

شاگردی

نساخ نے جب شعر گوئی کی ابتدا کی تو نظر انتخاب وحشت پر پڑی اور ان کے وہ شاگرد ہوئے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

چندے بے شغلی بارِ خاطر ماند دراں اوان بہرِ دل بستگی اکثر دواوین اساتذہ پیش نظر می داشتم رفتہ رفتہ لذّتے از کلام موزوں و معانی بند دست دادہ و شوقِ مطالعہ اش استیلا گرفت و بایں رسید کہ از فیض سخن جناب مولانا حافظ رشید النبی .... حظ تلمذ دادم و زانوئے ادب تہہ کردم"[۲]

رشید النبی وحشت

وحشت مرحوم، حافظ اکرام احمد ضیغم کے شاگرد تھے۔ وحشت کے متعلق صاحب تذکرہ شمع انجمن لکھتے ہیں:[۳]

، وحشت نامش رشید النبی ابن حبیب النبی از احفاد عالم ربّانی مجدد الف ثانی قدس سرہ بامر حکام زمان بتدریس علوم عربیہ درمدرسہ عالیہ کلکتہ اشتغال داشت و خودش علم افتائے ضلع ہوگلی می افراشت از عوم رسمیہ حظی وافی بردہ و زانوئے مشق سخن پیش حافظ اکرام احمد خاں ضیغم تہ کردہ۔ ذہنش سلیم، طبعش مستقیم۔ گوہر نظم تازی و دری وارد و بحدت مثقب فکر نیکو می سفت حیف کہ در ریعان شباب ۱۲۷۴ھ ازیں وحشت کدہ داعی اجل رالبیک اجابت گفت"

تذکرہ "سخن شعراء" اور "طور کلیم" میں بھی وحشت کے قریب قریب ہی حالات لکھے ہیں۔

---

[۱] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۲۵

[۲] دفتر بے مثال ص ۶

[۳] تذکرہ شمع انجمن ص ۵۲۷

Marfat.com

لیکن وحشت[1] سے نساخ کو چنداں فائدہ نہ ہوا کیونکہ وحشت بقول نساخ

"ہنوز مشق تازہ بود کہ جناب وے وسادہ آرائے عہدۂ قضا بند۔ ہوگلی گردید و عقیدت مند نیز بحکم ضرورت نقل و حرکت بہ سمت جہانگیر نگر کرد و در مشقِ سخن بسیار راہ یافت"[2]

نساخ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتے ہیں:

"انھوں نے میری دس بارہ غزلوں میں اصلاح دی۔ بعد ازاں اصلاح موقوف ہوگئی ان کی خدمت میں جو غزلیں بھیج دیتا تھا بسبب عدیم الفرصتی کے وہ اصلاح دے نہ سکتے تھے اور یہاں شوق شاعری از حد بڑھ گیا تھا"[3]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نساخ نے وحشت کی حیات ہی میں حضرت ضیغم سے اصلاح لینی شروع کر دی تھی۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد باضابطہ طور پر حضرت ضیغم کو اپنا کلام دکھانے لگے۔

حضرت اکرام احمد ضیغم سے تلمذ اختیار کرنے کے سلسلے میں نساخ لکھتے ہیں:

"میں ڈھاکہ سے پھر کے آنے کے بعد ہوگلی میں جناب استادی مولوی رشید النبی صاحب سے ملنے کو گیا اور دیکھا کہ ان کو سرکاری کام سے مطلق فرصت نہیں ہے انھوں نے مجھ سے کہا کہ جناب حافظ اکرام احمد ضیغم کلکتہ میں ہیں۔ تم ان سے اصلاح لو۔ کلکتے میں جناب حافظ ضیغم سے ملاقات کی اور ایک زمین

---

[1] رشید النبی وحشت سے ایک کتاب شرح سبعہ معلقہ (جو فارسی میں ہے) یادگار ہے۔ یہ کتاب ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۲۶۴ھ میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ ڈھاکا یونیورسٹی لائبریری کے ایس کلکشن نمبر ۳۷۴ میں موجود ہے۔ یہ کتاب اول و آخر ناقص ہے اور میری نظر سے گزری ہے۔

[2] دفتر بے مثال لکھنؤ اڈیشن ص ۶

[3] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۱

Marfat.com

کی تین غزلیں ان کو دکھلائیں اور ان سے عروض پڑھا اور بعض صنائع بدائع شعری بھی انھوں نے بتلائے"[۱]

ناسخ کے دوسرے استاد:

حافظ اکرام احمد نام اور تخلص ضیغم تھا۔ ابتدا میں حشمت تخلص کرتے تھے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حافظ قطب الدین تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندی قدس سرہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی پیدائش بقول صاحب تذکرہ کاملان رام پور ۱۲۰۲ھ میں ہوئی تھی۔ ناسخ نے ان کا مولد دہلی اور وطن رامپور لکھا ہے۔ مگر صاحب بزم سخن انھیں "ساکین رام پور" لکھتے ہیں[۲] ضیغم حضرت رؤف احمد رافت کے داماد اور شاگرد تھے حافظ احمد علی خاں شوق صاحب، تذکرہ کاملان رامپور کے بیان کے مطابق " رافت کے علاوہ ضیغم میاں احمد حسین راحت کے بھی شاگرد تھے" حافظ اکرام احمد ضیغم بقول ناسخ " درعلم عروض و قوافی و صنائع و بدائع شعری نظیر نہ داشت"[۳] غزل کے علاوہ ریختی، ہزل اور مرثیہ بھی کہتے تھے اور ان تینوں اصناف سخن میں مہمان تخلص کرتے تھے۔ ناسخ کے قول کے مطابق "بہت سے ملکوں مثلاً بلاد ایران، توران، کابل، پنجاب، ہند، دکن اور بنگالہ کی سیر کی تھی۔[۴] اور زبان ہائے متعدد مثل عربی و فارسی و ریختہ و ترکی و پنجابی و ناگری[۵] " وغیرہ سے بھی واقف تھے۔ مختلف زبانوں کے علاوہ طب یونانی، ہندی، ڈاکٹری اور کیمیا گری فن شعبدہ اور دیگر علوم و فنون میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ناسخ لکھتے ہیں۔

"ایسا جامع کمالات آدمی نظر نہیں آیا۔ کوئی فن ایسا نہ تھا جس میں ان کو دخل نہ تھا"[۶]

۱۔ خود نوشت سوانح عمری ناسخ ص ۴۵-۴۴

۲۔ تذکرہ بزم سخن ص ۷۹

۳۔ تذکرہ المعاصرین ص ۱۹۰

۴۔ ایضاً و تذکرہ سخن شعرا ص ۲۹۲

۵۔ تذکرۃ المعاصرین ص ۱۹۰

۶۔ خود نوشت سوانح عمری ناسخ ص ۵۰

Marfat.com

ضیغم کا کلکتے میں بروایت نساخ چودہ پندرہ برس اور ڈھاکہ میں تقریباً آٹھ برس قیام رہا نساخ ہی کے کہنے کے مطابق ۱۲۸۶ھ میں ضلع بریسال میں مع اہل وعیال ایک تالاب میں غرق ہو کر واصل بحق ہوئے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

"از معتمدین آنجا مسموع شد کہ از شور بختانِ عداوت کیش اورا واہل اورا کشتہ در تالابی انداختند و غرق شد نعش را شہرت دادند"[1]

وفات کے وقت ان کی عمر صاحب کا ملان رام پور کے بیان کے مطابق ۸۲ سال کی تھی۔[2]

ان کے مذہب کے بارے میں نساخ نے نگارستان سخن کے مصنف کے اس قول کی کہ "مقید بہ مذہبی نبودہ" تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ "حق این است کہ مذہب سنت و جماعت داشت و مرید حضرت شاہ ابوسعید مجددی قدس سرہ بود"[3]

نساخ نے سخن شعرا میں ان کی عروض دانی کی چند مثالیں دی ہیں اور ایک غزل کی ۱۹ مختلف بحروں میں تقطیع کر کے بھی دکھائی ہے اور لکھا ہے کہ "اس غزل کے شعر سوائے

---

[1] تذکرۃ المعاصرین ص ۱۹۰

[2] اقبال عظیم صاحب نے شرف الحسینی صاحب کی روایت کے مطابق لکھا ہے۔

انتقال کے وقت ان کی عمر ۶۰ سے زیادہ تھی ... شرف صاحب کی شہادت اس معاملے میں اس لیے معتبر ہے کہ وہ نواب سید محمد آزادی کے گھر میں پلے بڑھے جب کہ ان کے بچپن میں حافظ ضیغم اتالیق کی حیثیت سے نواب صاحب کی ڈیوڑھی سے وابستہ تھے۔ گھر کے اور بچوں کے ساتھ شرف صاحب نے بھی حافظ صاحب سے تعلیم حاصل کی ہے" (ص ۳۵ مشرقی بنگال میں اردو) ضیغم کا انتقال ۱۲۸۶ھ میں ہوا۔ اور شرف الحسینی اقبال عظیم صاحب ہی کے قول کے مطابق "۱۲ محرم ۱۲۹۵ھ کو ڈھاکہ میں پیدا ہوئے" (ص ۱۹۲ ایضاً) یعنی ضیغم کی وفات کے نو سال بعد اس کی روشنی میں شرف الحسینی صاحب کا قول محتاج ثبوت ہے۔

[3] تذکرۃ المعاصرین ص ۱۹۱

Marfat.com

بحور مذکورۂ بالا کے اور بحروں میں بھی موزوں ہوتے ہیں جو عروض دانوں پر چھپا نہ رہے گا"[۱]
اس غزل کا مطلع یہ ہے۔

جان تیرے غم میں ہی دی اب تو جو کچھ ہو سو ہو
شوخی یہ ہم نے بھی کی ہے اب تو جو کچھ ہو سو ہو

فن عروض میں ضیغم نہ صرف استاد تھے بلکہ مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے انھیں کمالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے شاگرد محمود آزاد نے فرمایا ہے۔

کامل فنِ سخن، ماہرِ اصنافِ کلام
کوئی ضیغم سا نظر مجھ کو نہ استاد آیا

ضیغم کی ایک ایسی جامع شخصیت تھی کہ اکثر و بیشتر افراد انھیں کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے اور فن شعر گوئی میں استادی کا درجہ ان کے فیضانِ تربیت سے حاصل کیا۔ ان کے شاگردوں کا بڑا وسیع حلقہ تھا۔ ان میں رام پور، عظیم آباد، اکبر آباد، کلکتہ، فرید پور، ڈھاکا اور سلہٹ وغیرہ کے اشخاص بھی تھے اور ان میں سے بہتیرے صاحب دیوان اور کثیر التلامذہ بھی۔

ضیغم کے سربرآوردہ تلامذہ میں رشید النبی وحشت، عبدالغفور نساخ، حکیم اشرف علی مست، راجہ جنم جی متر ارماں، خواجہ عبدالغفار، محمود آزاد، منشی عبداللہ آشفتہ اور رحمن علی طیش وغیرہ تھے۔

ضیغم نے شمع سخن کو سرزمین بنگالہ میں اس قدر روشن کیا کہ یہ سرزمین بھی ان کی اور ان کے تلامذہ کی وجہ سے رشک دہلی و لکھنؤ بن گئی۔ اور جگہ جگہ مشاعرے اور بزم آرائیاں ہونے لگیں۔
سرزمین بنگالہ میں اردو کی نشو و نما اور ارتقا کی جب بھی کوئی تاریخ مرتب کی جائے گی ضیغم کا نام سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا۔ ضیغم کا مقام شاعر کی حیثیت سے خواہ کچھ ہو مگر شاعر گر اور اردو شاعری کی جوت جگانے والوں میں اس خطۂ زمین میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔
ضیغم کا سرمایۂ سخن آج ناپید ہے صرف وہی اشعار جو سخن شعرا میں ہیں اس کامل فن

---

[۱] تذکرہ سخن شعرا ص ۲۹۸

Marfat.com

قادرالکلام سے یادگار رہ گئے ہیں: نساخ ان کے کلام کے سرمایے کے متعلق لکھتے ہیں" کلامش بیشتر ضائع گشتہ است" ضیغم سے ایک مثنوی یادگار ہے۔ صاحب تذکرۂ کاملان رامپور لکھتے ہیں:
" ایک مثنوی اردو کلارانی اور کامروپ کے عشق میں لکھی تھی جو چھپی نہیں " مگر ان کا یہ قول صحیح نہیں۔ ضیغم کی یہ مثنوی میری نظر سے گزری ہے۔ یہ مطبع محمدی کلکتہ میں ۱۸۴۷ء میں چھپی تھی۔ اس کا حجم ۱۱۲ صفحے ہے اور چھپائی ٹائپ کی ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ ڈھاکا یونیورسٹی لائبریری (حکیم حبیب الرحمٰن کلکشن) میں موجود ہے۔ مثنوی میں بعض ایسے الفاظ بھی مستعمل ہوئے ہیں جو میر و سودا کے عہد کے ہیں مثلاً کیتیں۔ تس اوپر۔ انہوں کے۔ کسی کے تئیں۔ انہوں نے توجھے۔ کتوال بجائے کوتوال وغیرہ۔

ان کی شاعری لکھنوی طرز کی ہے۔

نساخ کا تخلص:

نساخ کا تخلص " نساخ " بھی اکثر و بیشتر موضوعِ بحث رہا ہے۔ نساخ شروع شروع میں مہجور تخلص کرتے تھے۔ چنانچہ اس تخلص کے ساتھ ان کے پہلے دیوان " دفتر بے مثال " میں دو مقطعے موجود ہیں۔

کیوں نہ لکھے ناسخ و آتش کی غزلوں کا جواب
ہند تک شہرہ ہے فکر صائب مہجور کا

(دفتر بے مثال ص ۱۴۷)

اس سلسلے میں مولوی سید لطیف الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں:

" نساخ اپنی شعر گوئی کے ابتدائی دور میں مہجور تخلص کرتے تھے بعد کو اس تخلص کو بدل کر نساخ رکھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ان کے کلام میں جب پختگی آئی اور استادانہ رنگ میں شعر کہنے لگے تو انھیں ناسخ لکھنوی کا حریف اور حریف بھی غالب بننے کا خیال ہوا۔ اس خیال کے زیر اثر انھوں نے اپنا تخلص بدل کر نساخ رکھا جو ناسخ کا صیغۂ مبالغہ ہے[۱]"

---

[۱] نساخ سے وحشت تک ص ۵۴

Marfat.com

احمد رضا صاحب کا خیال ہے کہ، جرأت اور مصحفی طرز ناسخ کے خلاف تھے اس لیے مولوی عبد الغفور نے غالباً اپنے استاد مولوی رشید النبی وحشت کے مشورے سے نسّاخ تخلص اختیار کیا۔[1]

تاویلیں خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ انھوں نے اپنا تخلص 'نسّاخ' ناسخ ہی کی ضد میں رکھا تھا۔

---

[1] صحیفہ اکتوبر ۱۹۶۴ء ص ۶۸

Marfat.com

تلامذہ

نساخ کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی۔ ان میں بعض صاحب دیوان بھی تھے نساخ نے ان کا ذکر اپنے تذکرے "سخنِ شعرا" اور تذکرۃ المعاصرین میں بھی کیا ہے۔

(۱) انسخ — انسخ، نساخ کے شاگرد رشید تھے۔ اُن کا پورا نام سید محمد عصمۃ اللہ اور تخلص انسخ تھا۔ انسخ چودھری محمد رحمت اللہ کے صاحبزادے تھے۔ یہ بزرگ قصبہ پنڈوہ ضلع ہوگلی کے ایک زمیندار تھے۔ انسخ کی پیدائش پنڈوہ میں ۱۲۵۴ھ (۱۸۳۸ء) میں ہوئی تھی۔[۱] بچپن سے کلکتہ میں مقیم رہے۔ یہیں تعلیم بھی حاصل کی اور ملازمت بھی کلکتہ ہی میں کرتے رہے۔ "انسخ بالکل ملا اور متشرع آدمی تھے"[۲]۔ تلاش بسیار کے باوجود بھی پتہ نہ چل سکا کہ انھوں نے نساخ کی شاگردی کب اختیار کی۔ نساخ کے قول کے مطابق "از ایام صبا بہر دو زبان فارسی و اردو شعر می گوید"[۳]۔ لالہ سری رام نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اوائل عمر سے شعر گوئی کا شوق رہا"[۴]۔

قیاس ہے کہ انسخ نے ابتدا ہی سے نساخ سے مشورۂ شعر و سخن کیا ہوگا کیونکہ

---

[۱] تذکرۃ المعاصرین میں سال پیدائش ۱۲۵۰ھ لکھا ہے۔ نساخ فرماتے ہیں۔ "در سن ہزار و دو صد و پنجاہ ہجری تولد یافت" ص۲۷۔ مولوی لطیف الرحمٰن صاحب نے اپنی کتاب "نساخ سے وحشت تک" میں بھی سن پیدائش ۱۲۵۴ھ ہی لکھا ہے ص۳۰۔ [۲] نساخ سے وحشت تک ص۳۰۔ [۳] تذکرۃ المعاصرین ص ۴۰۔

[۴] خمخانۂ جاوید جلد اول ص۴۶۶۔

Marfat.com

کسی اور کی شاگردی کا سراغ نہیں ملتا ہے۔

انسخ ابتدا میں مجبور تخلص کرتے تھے۔ لالہ سری رام کا یہ کہنا کہ "حضرت نساخ کی شاگردی میں آکر انسخ بن گئے[۱]" صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

"دفترِ بے مثال" مطبوعہ کلکتہ ۱۲۸۰ھ کی اشاعت کے وقت انسخ یقیناً نساخ کے شاگرد ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود "دفترِ بے مثال" میں ان کا جو قطعہ[۲] تاریخ شائع ہوا ہے اس میں ان کا تخلص مجبور ہی ہے انسخ نہیں ہے۔ اسی طرح سید لطیف الرحمٰن صاحب کا یہ قول بھی محلِ نظر ہے کہ "جب نساخ نے اپنا تخلص بدل کر نساخ رکھا تو انسخ نے اُسی مادہ سے اپنا تخلص انسخ رکھ لیا[۳]" کیونکہ جیسا کہ سطورِ بالا میں مذکور ہوا "دفترِ بے مثال" میں نساخ کا تخلص نساخ[۴] اور انسخ کا تخلص صرف مجبور ملتا ہے۔

سید لطیف الرحمٰن لکھتے ہیں "انسخ شاگرد سے زیادہ اپنے استاد کے مقلد تھے اور نساخ کی تقلید گویا ان کا نصب العین تھا..... انسخ کے تخلص بدلنے کا سبب معلوم نہیں۔ یا تو وہ اپنے استاد کے اندھا دھند مقلد تھے یا پھر وہ بھی اپنے استاد کی طرح ناسخ کا کم سے کم معمولی حریف بننے کا خواب دیکھتے تھے[۵]"

انسخ[۶] عربی اور فارسی اور اردو کے علاوہ "بنگلہ بقدرِ ضرورت جانتے تھے" لیکن انسخ نے خود اعتراف کیا ہے کہ بنگلہ زبان میں انہیں دستگاہ نہیں۔ وہ فرماتے

۱ہ سہ ماہی جاوید جلد اول ص۶۶

۲ہ چھپا ہے آج وہ دیوان مطبع میں — کہ جس میں یکقلم شعر مرصّع ہے
مسمّی سالِ مجبور کہہ اب تو — چھپا تصویرِ فطرت کا مرقّع ہے (۱۸۶۴ء)

۳ہ نساخ سے وحشت تک ص ۹۱ ۔ ۴ہ دفترِ بے مثال میں نساخ کا تخلص "مجبور" صرف دو تین جگہ استعمال ہوا ہے جبکہ پورے دیوان میں ۱۰ تا ۱۳ نساخ ہی تخلص ہے ۵ہ نساخ سے وحشت تک ص ۹۱-۹۲ ۔ ۶ہ نساخ سے وحشت تک ص ۹۱ ۔

Marfat.com

ہیں۔ راقم کو بنگلہ میں دستگاہ نہ رہنے کے سبب سے بنگلہ میں مرقوم نہ ہوا۔"[1]
انسخ بقول نساخ "در عملیات علوی و سفلی ہم دستگاہ معقول می دارد۔"[2] اس
ضمن میں نساخ کی خود نوشت سوانح عمری کا ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس سے انسخ
کے عملیات کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ نساخ لکھتے ہیں۔ "ڈھاکہ میں میرے دوست
مولوی عصمت اللہ انسخ اپنا دیوان موسوم بہ سخن بے مثال اصلاح کے لئے لے کے
گئے اور ایک مہینے تک میرے مکان میں ٹھہرے رہے۔ ان دنوں میں تین سو
روپے پاتا تھا اور وہ برابر دیکھتے تھے کہ مبلغ مذکور میرے خرچ کو کافی نہیں ہے
اس لئے انھوں نے جاتے وقت مجھ سے کہا کہ اگر میں کہوں تو وہ میری ترقی تنخواہ
کے لئے کچھ پڑھیں۔ میں نے اُن کو پڑھنے کو کہا وہ کلکتہ کو چلے گئے اور لکھا کہ عید الفطر
قریب ہے۔ بعد عید الفطر کے قاعدے کے موافق ماہ ثابت میں پڑھنا شروع کردینگے
چنانچہ انھوں نے پڑھنا شروع کیا اور مجھ کو خبر بھی دی۔ میں نے جناب اخوی صاحب
کو لکھا کہ وہ میری ترقی کی کچھ تدبیر کریں۔ انھوں نے مجھ کو لکھ بھیجا کہ ابھی تمہاری ترقی
کی کوئی صورت ہو نہیں سکتی ہے۔

مولوی عصمت اللہ صاحب نے چالیس روز عمل کر کے اکتالیسویں دن میرے
پاس خط لکھا کہ کل شب کو ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا انھوں نے کہا کہ تم جس
مطلب کے واسطے یہ عمل کر رہے ہو تمہارا مطلب بر آئے گا۔ لیکن تم اس عمل کو
ابھی چھوڑ دو نہیں اور بھی اکیس (۲۱) روز تک پڑھو۔ انھوں نے مجھ کو لکھا کہ وہ اور
بھی اکیس (۲۱) روز تک پڑھینگے۔ عمل کے ۵۹ دن بعد جناب اخوی صاحب قبلہ نے
اُسی دن کے گورنمنٹ گزٹ میں میری ترقی تنخواہ کی خبر دیکھ کر مجھ کو تار دیا۔ اس سے

---

[1] خزن (مخطوط) ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال لائبریری کلکتہ مخطوطہ سیکشن ۴۶۵
[2] تذکرۃ المعاصرین صفحہ ۴

Marfat.com

ظاہر ہے کہ اُن کو گزشتہ دیکھنے کے آگے ترقی کی خبر ملی نہ تھی اور یہ ترقی بہ سبب اُسی عمل کے ہوئی تھی۔[۱]

انسخ حنفی المذہب تھے۔ انھیں کی تحریک سے نسّاخ نے "نصرۃ المسلمین" نام کا رسالہ لکھا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اپنے مسلک میں بڑے کٹّر تھے۔ سیّد لطیف الرحمٰن صاحب نے مولوی محمد علی نجف رام پوری کا مندرجہ ذیل قول اپنی کتاب "نسّاخ سے وحشت تک" میں نقل کیا ہے جس سے انسخ کے افعال و کردار پر کافی روشنی پڑتی ہے۔[۲]

"مرد لیست بہ غایت نیک نہاد و بہایت کم سخن و در بزم مشاعرہ کہ تشریف می آورد از غایت انضباط و کم سخنی بر کلام احدے حرفے نمی راند گویا مستغرق افکار می ماند۔"

انسخ کی شاعری کے متعلق مولانا وحشت مرحوم لکھتے ہیں "ان کا دیوان راقم کی نظر سے گزرا۔ کلام لکھنؤ کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے مگر استادانہ پہلو لیئے ہوئے زبان شستہ، بندش چست، مضمون بلند، غرض مرصّع غزلیں لکھی ہیں۔"[۳]

نسّاخ خود اُن کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ذہن مستقیم رکھتے ہیں۔ شعر و سخن سے بہت شوق ہے۔ ابتدا سے بہایت ذوق ہے، بڑے پُرگو ہیں اور شعر اچھا کہتے ہیں"[۴]

سیّد لطیف الرحمٰن صاحب کے بیان کے مطابق "انسخ کے کلام میں مبتذل خیالات نہیں پائے جاتے ہیں۔ وہ نسّاخ کی طرح بہار و مل میں کمر کی شاخ تلاش نہیں کرتے یا محرم آب رواں کے اندر شفق کا ٹکڑا نہیں دیکھتے بلکہ ان کی ہر غزل میں

۱؎ خود نوشت سوانحعمری نسّاخ (مخطوطہ) ص ۲۰۹-۲۱۰

۲؎ نسّاخ سے وحشت تک ص ۹۰

۳؎ اردوئے معلیٰ اکتوبر، نومبر ۱۹۰۸ء ص ۲

۴؎ تذکرہ سخن شعرا ص ۵۰-۵۱

Marfat.com

دو ایک مولویانہ شعر ملتے ہیں[1]" بنگالہ میں ان کی شاعری کا بڑا چرچا تھا[2]"

مولوی عبدالعزیز خواجہ شاگرد دانسخ نے نساخ کے دو شاگردوں دانسخ و مشکور[3] کے متعلق نساخ کے قصیدے کے ضمن میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں[4]

شاگرد رشید ان کے ہیں دو دانسخ و مشکور — ہے شش جہتِ دہر میں نام ان کا بھی مشہور
افلاکِ سخن کے خور و مہتاب ہیں دونوں
گلزارِ بیاں کے گلِ شاداب ہیں دونوں
اللہ نے وہ ذہنِ رسا ان کو ہے بخشا — ممکن نہیں تعریف کروں ان کی میں انشا
لازم ہے کہ کچھ وصف لکھوں مختصر ان کا — وہ قلزمِ معنی کے ہیں دو گوہرِ یکتا
مشہور ہے نام ان کا ہر اک خورد و کلاں میں
ہیں ناظم و نثار کہاں ایسے جہاں میں
ہیں زیرِ فلک خورد و کلاں ان کے ثناخواں — افضالِ الٰہی سے وہ ہیں صاحبِ دیواں
وہ مہرِ درخشاں ہیں تو یہ ہیں مہِ تاباں — وہ رنگ تو یہ بو ہیں وہ گل ہیں یہ گلستاں
وہ قلزمِ فطرت ہیں یہ دریائے فراست
وہ باغِ فصاحت ہیں یہ گلزارِ بلاغت
وہ چشمۂ الطاف ہیں یہ منبعِ احساں — وہ غیرتِ سحباں ہیں تو یہ غیرتِ حساں
وہ انوریِ وقت یہ فردوسیِ دوراں — وہ شاہِ سخن سنج ہیں یہ شاہِ سخن داں
وہ نسخۂ معنی ہیں تو یہ دفترِ مضموں
وہ خانۂ معنی ہیں تو یہ ہیں درِ مضموں

مندرجہ بالا اشعار میں اگرچہ انتہائی مبالغے سے کام لیا گیا ہے پھر بھی یہ قیاس بیجا نہ ہوگا کہ

---

[1] نساخ سے وحشت تک ص ۹۲
[2] خمخانۂ جاوید، جلد اول ص ۴۲۶
[3] مشکور کا تخلص منور بھی تھا۔ [4] قصائد منتخبہ (مرتبہ سید عبدالحمید مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ۱۸۸۸ء) ص ۲۴۶، ۲۴۷

Marfat.com

انسخ علوم رسمی میں خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔

انسخ کا دیوان "سخن بے مثال" ۱۸۷۶ء مطابق ۱۲۹۳ھ میں مرتب ہوا۔ یہ دیوان مولانا وحشت مرحوم کی نظر سے گزرا ہے۔ آج یہ دیوان ناپید ہے۔ اس کی ترتیب کا پتہ نساخ کے اُس قطعۂ تاریخ سے چلتا ہے جو "ارمغانی" کے صفحہ ۸۵ پر مرقوم ہے۔

دیوان انسخ جمع شد از فضل خلاقِ سخن

شد شادماں از دیدنش دلہائے قرطاس و قلم

نساخ بہرِ سالِ ترتیبش ز فرطِ خرمی

"دیوانِ شاگردِ رشیدِ نکتہ دانم" شد رقم

انسخ غزل، قطعہ، اور قصیدہ وغیرہ کہنے پر اچھی قدرت رکھتے تھے۔ ان کا ایک قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے ؎

ہے خارزار لگا ہوں میں دہر کا گلزار نہیں ہے سامنے میرے جو میرا رشکِ بہار

اور جو "قصائدِ منتخبہ" میں شائع ہو چکا ہے، کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسخ قصیدہ گوئی میں بھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے اور یہ قصیدہ ان کی قادرالکلامی کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

دیوان کے علاوہ انسخ دو انتقادی رسالوں کے بھی مصنف ہیں ایک "طومار اغلاط" ہے جو میڈیکل پریس آگرہ میں ۱۲۹۰ھ میں طبع ہوا، اس کی تقطیع ۶ × ۱۰ ہے۔ صفحات ۴۴ ہیں، غلطنامہ کا ایک صفحہ آخر میں شامل ہے۔ اس رسالہ میں لکھنؤ کے چھ نامی اساتذہ شیخ امام بخش ناسخ، خواجہ حیدر علی آتش، خواجہ وزیر، وزیر علی صبا، منشی منیر اور منشی امیر احمد امیر کے کلام کے نقائص دکھائے گئے ہیں اور ان پر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ یہ اعتراضات اس دور کے دستور کے مطابق زیادہ تر محاورہ، عروض، بندش و ترکیب اور فن سے متعلق ہیں "طومار اغلاط" کا جواب آغا علی نے "جواب اعتراضات الملقب بہ تردید الایرادات" نامی رسالہ لکھ کر دیا۔ مولوی عبدالباری آسی نے "معرکۂ سخن" میں دونوں کے اعتراضات پر

Marfat.com

محاکمہ کیا ہے اور "طومار اغلاط" کے بہت سے اعتراضات کو جائز اور درست قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر شادانی کے خیال میں بھی "الشیخ کے اکثر اعتراضات درست ہیں"[1] مولانا وحشت مرحوم کی رائے کے مطابق "ناسخ، آتش، وزیر، صبا اور امیر سب کے کلام پر اعتراضات ہیں۔ ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں اور ایسے ہیں کہ جن کا جواب مشکل سے دیا جاسکتا ہے"[2] طومار اغلاط میری نظر سے گزری ہے۔ دوسرا رسالہ "خرزان" غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا کاغذ ہلکے آسمانی رنگ کا ہے۔ تاریخ ترتیب درج نہیں ہے تقطیع ۶×۸ ہے۔ یہ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کی ملکیت ہے نمبر شمار ۵۷۶ ہے۔ کتاب خوشخط حروف میں لکھی ہوئی ہے۔ ضخامت اس کی ۱۴۴ صفحات ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں ہیں۔ یہ رسالہ میری نظر سے گزرا ہے۔ "خرزان" مولوی مشیت اللہ عاقل منصف راجشاہی کے رسالہ "قاطع اللسان" کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ عالی نے "قاطع اللسان" ۱۲۸۲ھ میں لکھا تھا[3] قیاس ہے کہ "خرزان" اس کے بعد ہی ۱۲۸۲ھ یا ۱۲۸۳ھ میں لکھی گئی۔ تاریخی ثبوت کوئی موجود نہیں۔ "خرزان" دو ضرب پر مشتمل ہے۔ ضرب اول تردید میں اس ہذیاں سرائی کے جو عالی صاحب نے اپنے اشعار بے معنی کے نسبت کی ہے اور جواب میں بعض امور کے جو اس کے ضمن میں مندرج ہوئے ہیں اور ضرب دوم تردید میں ان اعتراضات کے جو عالی صاحب نے حضرت ناسخ خاں بہادر کے اشعار پر کئے ہیں اور جواب میں اُن امروں کے جو انھیں اعتراضات کے ضمن میں مندرج ہوئے ہیں اور بعض دوسرے امور کے"[4]

اعتراضات اور اس کے جواب اس دور کے تنقیدی مذاق کے مطابق ہیں تنقید

---

[1] ساقی کراچی ماہ مارچ ۱۹۵۵ء ص ۱۲ ۔ [2] اردوئے معلی اکتوبر نومبر ۱۹۰۷ء ص ۳ ۔

[3] قاطع اللسان کا پتہ ناسخ کے گنج تواریخ سے چلتا ہے ناسخ نے ان کی تاریخ یہ لکھی ہے۔

عالی کا جو قاطع اللسان ہے — اس کو وہ سمجھتے ہیں اشارات

پوچھا جو خرد سے سالِ تالیف — بے ساختہ کہدیا خرافات ۱۲۸۲ھ

[4] خرزان (غیر مطبوعہ) ص ۳

Marfat.com

اور نقائص کے ضمن میں ذاتیات پر بھی کیچڑ اچھالنے سے پرہیز نہیں کیا گیا ہے۔

انسخ کے شاگردوں کی تعداد کثیر تھی۔ مولانا رضا علی وحشت مرحوم فرماتے ہیں۔ بنگالہ اور بہار میں ان کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد تھی[1]" نساخ کے دیوان سوم "ارمغان" میں انسخ کے ۲۵ شاگردوں کے قطعات تاریخ لکھے ہوئے موجود ہیں — ان شاگردوں میں بعض تلامذہ ان کی زندگی ہی میں صاحب دیوان بھی ہو گئے تھے۔

انسخ کا سال وفات سید لطیف الرحمن صاحب کے بیان کے مطابق ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۵ء) کے لگ بھگ ہے[2]۔

انسخ کا دیوان نایاب ہے۔ ان کے کلام کا نمونہ "تذکرہ سخن شعرا"[1] اور "نساخ سے وحشت تک" میں تین غزلیں، "قطعہ منتخب" میں چھ قطعات "تذکرہ نادر" میں پانچ اشعار کی صرف ایک غزل بطور نمونہ دی گئی ہے۔

ان اشعار کے علاوہ ان کی دو غزلیں "گلدستہ نتیجہ سخن" کلکتہ ماہ اکتوبر و نومبر ۱۸۸۰ء میں مجھے بھی ملی ہیں جو ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

جلوہ گر زلف ہے اس یار کے رخساروں پر
یا کہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے گلزاروں پر

ابر تر چھایا ہے مے خانے کی دیواروں پر
رحمت اللہ کی نازل ہوئی میخواروں پر

تارے گن گن کے سحر کرتے ہیں راتوں کو مدام
کیا مصیبت ہے شب ہجر کے بیماروں پر

سوزش غم میں وہ تیزی ہے ابھی جل جائیں
رکھ دوں اس آگ کو دوزخ کے انگاروں پر

---

[1] اردوئے معلی اکتوبر نومبر ۱۹۰۸ء صہ
[2] نساخ سے وحشت تک ص ۹۰

Marfat.com

ہیبت انگیز ہے اس درجہ سیہ خانہ مرا
چاندنی خوف سے چڑھ جاتی ہے دیواروں پر
کون جا سکتا ہے اس پردہ نشیں کے گھر میں
گر پڑا سایہ جو ٹھہرا کبھی دیواروں پر
دیکھ لیں گے جو ترا خانۂ رنگیں اے گل
آشیاں مرغِ چمن باندھیں گے دیواروں پہ
لختِ دل ہیں سرِ مژگاں پہ عیاں اے انسخ
پھول لالہ کے نمودار ہیں یا خاروں پر

کیونکر نہ سمجھیں اس کو سبھی اہلِ فن لذیذ
جس میں مزا بھرا ہے وہی ہے سخن لذیذ
ہوگا نہ اس طرح کا جہاں میں لبن لذیذ
اس یار کا ہے بسکہ لعابِ دہن لذیذ
شیریں کا ہے فسانۂ پیٔے کوہ کن لذیذ
ہے مجھ کو قصۂ بتِ شیریں دہن لذیذ
واعظ بھی جس کے شوق میں چاٹے زبان کو
ساقی پلا مجھے وہ شرابِ کہن لذیذ
مدحت کہی ہے شیریں لبوں کی تمام عمر
اہلِ سخن کو کیوں نہ ہو طرزِ سخن لذیذ
قند و نبات میں بھی نہ ہووے گا یہ مزا
ایسے ہیں یار کے لبِ شکّر شکن لذیذ
چکّھا ہے جب سے چاشنیٔ عشق کا مزا
طعم نہیں ہے کوئی میانِ دہن لذیذ

Marfat.com

کیونکر نہ کھائیں شوق سے ہر دم طعام عشق
ایسی غذا نہ ہوگی پئے مرد و زن لذیذ
اہلِ مذاق جانتے ہیں اس کا ذائقہ
انسخ ہے بڑھ کے قند سے میرا سخن لذیذ

(۲) **اعظم** :- عبدالصمد نام اور محبوب جان عرفیت تھی۔ اعظم تخلص۔ مولانا محمد وجیہہ مرحوم[1] مدرس اول مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صاحبزادے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی وجیہ اللہ خاں بہادر متخلص بہ داغ ڈپٹی مجسٹریٹ تھے اور رشید النبی وحشت کے شاگرد۔ بیشتر فارسی میں کہتے تھے۔

اعظم کلکتہ کے باشندے تھے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر موزوں کرتے تھے۔ صاحب تذکرۂ خمخانۂ جاوید کے قول کے مطابق "۱۸۷۱ء تک زندہ و سلامت موجود تھے"۔ "تذکرۃ المعاصرین" کی ترتیب کے وقت بھی حیات تھے کیونکہ نساخ نے ان کا ذکر فعل حال سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: بہر دو زبان، فارسی و اردو شعر می گوید و از نظر راقم الحروف میگزراند[2]۔ ان کے اشعار اور مکمل حالات زندگی کا کوئی سراغ نہیں ملتا بس لے دے کے "سخن شعراء" میں جو مختصر حالات زندگی اور نمونۂ کلام ہے اسی سے ان کی شاعری کا ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

---

[1] مولانا محمد وجیہہ مرحوم کے متعلق مصنف تاریخ مدرسۂ عالیہ لکھتے ہیں "آپ بہار کے رہنے والے تھے اور ہندوستان کے مشہور علماء میں گزرے ہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ ہندوستان دار الحرب ہے اس لئے یہاں جمعہ کی نماز جائز نہیں ...... تقریباً ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۵ء تک مدرسہ عالیہ کے صدر مدرس رہے "نظام اسلام" آپ کی ایک مطبوعہ کتاب مدرسہ لائبریری میں موجود ہے"۔ ص ۱۶۷

[2] تذکرۃ المعاصرین ص ۳۲

ساکنِ ارض و فلک تک تجھ پہ شیدا ہو گیا
جس نے دیکھا تجھ کو وہ محوِ تماشا ہو گیا
شکوہ کس کس کی عداوت کا میں اے اعظم کروں
ایک عالم اس جہاں آرا کا شیدا ہو گیا

لاکھ صورت سے بنائیں آئینہ گر آئینہ
دل سے ہرگز ہو صفائی میں نہ بڑھ کر آئینہ
روئے آتش رنگ کی دیکھے جھلک گر آئینہ
صورتِ سیماب ہو بیتاب و مضطر آئینہ
ہے دلِ نالاں کو میرے عشق روئے صاف سے
کھل گئی قلعی قدا ہے آئینہ پر آئینہ

---

(۳۴) **جلال**:۔ منشی جلال الدین نام اور حسن جان عرفیت تھی۔ جلال تخلص کرتے تھے۔ منشی رحیم اللہ مرحوم کے صاحبزادے اور ڈھاکہ کے رہنے والے تھے۔ فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ نساخ کے قول کے مطابق از "مدت دراز بر رفاقت راقم است"، ان کا تذکرہ، تذکرۃ المعاصرین میں موجود ہے۔ اردو فارسی دونوں میں کبھی کبھی شعر موزوں کرتے تھے۔ آدمی خوش طبع تھے۔ سید محمود آزاد جہانگیر نگری (ڈھاکا) اور نساخ دونوں سے **تلمذ حاصل** تھا "تذکرہ سخن شعرا" میں ان کا ذکر موجود نہیں۔ ان کے اردو کلام کا نمونہ دستیاب نہ ہو سکا۔ فارسی کی ایک رباعی جو تذکرۃ المعاصرین میں موجود ہے نمونہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔

اے بادِ شمیم زلفِ دلدار بیار   اے باد نوید نافہ یار بیار

لے "باقی" تذکرہ نمونہ جاوید جلد اول صفحہ ۳۴

Marfat.com

اے بادِ صبا زنفحۂ سیب ذقن   جان دارُوئے دردِ دلِ بیمار بیار

(۴) **جوشؔ** :۔ شاہ خلیل الدین احمد نام، تخلص جوشؔ، نساخ کے قول کے مطابق پہلے خلیل تخلص کرتے تھے[۱] مولوی شاہ محمد اصغر کے صاحبزادے تھے ان کا سلسلۂ نسب حضرت مخدوم شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے ملتا ہے۔

قصبہ منیر ضلع پٹنہ (بہار) ان کا وطن تھا اور سررشتۂ رجسٹری مونگیر میں جوشؔ محرر تھے۔ لالہ سری رام کے قول کے مطابق ۱۲۷۵ھ میں موجود تھے[۲] سخن شعرا میں ان کا ذکر فعل حال سے کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب کے وقت زندہ تھے لیکن تذکرۃ المعاصرین میں انھیں مرحوم لکھا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی وفات ۱۲۹۱ھ کے بعد ہوئی ہے۔ جوشؔ نے نساخ سے تلمذ ان کے قیام مونگیر کے زمانہ میں حاصل کیا۔ انھیں علم موسیقی پر بھی دستگاہ تھی۔ ان کا کلام بامزہ ہوتا تھا۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر موزوں کرتے تھے۔

یہیں رہ جائیں ہمیں غیر سہی   آپ کیوں غیر کے گھر جائیے گا

لوگ کہتے ہیں شدتِ غم سے   جوشؔ بیچارہ آج مر ہی گیا

عدو سے آپ سے نبھتی ہے کب تک   یہی ہم کو بھی تو اب دیکھنا ہے
یہ کہیئے گا کہیں جاتے نہیں ہم   ذرا دیکھو تو کس کا نقشِ پا ہے
مرا خط لاکے دے قاصد عدو کو   یہی تقدیر کا میرے لکھا ہے
عدو اور تم بھلے ہو اور برا جوشؔ   جو کچھ فرمائیے صاحب بجا ہے

لن ترانی کی نہ لیں جوشؔ سے کچھ یاد بھی ہے   اس نے دیکھا نہیں پردے میں حضور آپ کو کیا

---

[۱] خود نوشت سوانحعمری نساخ ص ۱۶۰ [۲] خمخانۂ جاوید جلد دوم ص ۲۰۵ - ۲۰۶

Marfat.com

ساری دنیا سے بے خبر پایا　　　جس کو عالم میں باخبر دیکھا

فارسی میں ایک رباعی ان سے یادگار ہے ۔

اے رنگِ رخت چشم و چراغِ گلشن ۔ از بوئے تو تازہ تر دماغِ گلشن
ہم شمس و قمر زیرِ پرتوِ تو محجوب　　　ہم جلوۂ تو سیئے ایاغِ گلشن

(۵) **حمید** : محمد عبدالحمید نام اور حمید تخلص تھا ۔ ان کے والد ماجد کا نام محمد محمود اللہ تھا جو فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں استاد تھے ۔ عبدالحمید کلکتہ کے ایک محلہ فوجداری بالاخانہ میں پیدا ہوئے ۔ تاریخ پیدائش معلوم نہیں ۔ عبدالرؤف صاحب لکھتے ہیں " قاضی صاحب کی بیٹی آمنہ خاتون کا بیان ہے کہ ان کا انتقال تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں ہوا ۔"[۱]

" مولانا وحشت مرحوم نے ان کی وفات پر یہ قطعہ لکھا تھا ۔"[۲]

باتمِ مرگِ حمیدِ نکتہ داں　　　کرد غمگیں خاطرِ برنا و پیر
خامۂ وحشت پئے سالِ وفات　　　زد رقم "عبدالحمیدِ بے نظیر"

۱۳۴۱ھ

اگر قاضی صاحب کی صاحبزادی کا بیان صحیح مان لیا جائے تو اس حساب سے ان کا سال پیدائش ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۹ء ہوتا ہے ۔

قاضی صاحب کی ابتدائی تعلیم کلکتہ مدرسہ میں ہوئی ۔ فارسی اور عربی کی اعلیٰ تعلیم انھوں نے مولوی شہاب الدین سہسرامی اور مولوی عطا صاحب سے حاصل کی ۔ مولوی شہاب الدین سے انھیں شرف ارادت بھی حاصل تھا ۔ حمید رپن کالج میں عرصے تک فارسی کے پروفیسر رہے اور تادم آخر اس ملازمت سے وابستہ رہے ۔ درس و تدریس کے علاوہ قاضئ شہر کے فرائض بھی انجام دیتے تھے ۔ ۱۹۱۰ء میں

---

[۱] رسالہ ساز فروری ۱۹۶۲ء ص ۱۱

[۲] رسالہ جادو ص ۵۳ ۔

Marfat.com

انھیں قاضی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ عہدہ انھیں حکومت برطانیہ کی طرف سے ۴ اپریل ۱۸۹۵ء میں ملا تھا۔ قاضی صاحب کا انتقال جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ۱۳۴۱ھ میں ہوا۔ ان کی قبر تانتی بگان (سی آئی روڈ کلکتہ) کی ایک پرانی مسجد کے احاطے میں واقع ہے۔ قاضی محمد عبدالحمید کو اپنے استاد عبدالغفور نسّاخ سے بے پناہ محبت تھی۔ قاضی صاحب کے متعلق مولانا وحشت مرحوم فرماتے ہیں۔
"مرحوم حضرت آزاد جہانگیر نگری کے ارشد تلامذہ میں داخل تھے اور بڑے زود گو اور کہنہ مشق شاعر تھے[1]۔" قاضی صاحب کو نسّاخ کے علاوہ انسخ اور آزاد سے بھی تلمذ تھا۔ نسّاخ لکھتے ہیں "شاگرد راقم حروف و سید محمود آزاد و مولوی عصمت اللہ انسخ است۔ طبع سلیم و ذہن مستقیم دارد، بہر دو زبان فارسی و اردو ریختہ شعر میگوید۔ جوانے خوش گو است[2]۔" انشائے داغ[3] میں داغ دہلوی کا ایک خط قاضی عبدالحمید کے نام موجود ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی صاحب کے تعلقات داغ دہلوی سے گہرے پائدار اور مخلصانہ تھے۔ قاضی صاحب نے داغ کی کلکتہ تشریف آوری پر بھی ایک قطعہ لکھا تھا نیز ان کے کلام کے شائع ہونے کے موقع پر بھی دو قطعے لکھے تھے۔ مرزا داغ کی وساطت سے قاضی صاحب حیدرآباد بھی گئے تھے[4]۔

زبان و بیان کی خوبی قاضی صاحب کی غزلوں اور نظموں کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ غزلوں پر مشتمل ہے۔ غزلوں میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ قاضی صاحب کے متصوفانہ اشعار روکھے پھیکے نہیں بلکہ اپنے اندر تغزل کی چاشنی رکھتے ہیں۔ فکر و نظر، تخیل، جذبات، زبان و انداز بیان کی حلاوت، ابلاغ، گویا

۱؎ رسالہ جادو صفحہ ۵۳ ۲؎ تذکرۃ المعاصرین، صفحہ ۹۲
۳؎ انشائے داغ مرتبہ احسن مارہروی انجمن ترقی اردو ہند دہلی ۱۹۴۱ء خط نمبر ۲۸ صفحہ ۹۹-۱۰۰
۴؎ رسالہ ساز فروری ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۲

Marfat.com

وہ تمام محاسن جو شعر کو پختہ، پائدار اور مؤثر بناتے ہیں قاضی صاحب کے کلام میں موجود ہیں۔ کلام میں ندرتِ مضامین کی کچھ کمی سی محسوس ہوتی ہے[1]۔ ان کے یہاں عاشقانہ اشعار کی بھی کمی نہیں۔ ان کے عاشقانہ اشعار میں دلسوزی نہیں بلکہ شوخی اور شگفتگی نظر آتی ہے۔ غزلوں کے علاوہ قاضی صاحب نے رباعیاں، مخمس، مسدس اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔ انھیں اصناف پر مشتمل ان کا کچھ کلام فارسی میں بھی موجود ہے۔ قاضی صاحب کے قطعات ملک کی اور خصوصاً مسلمانانِ کلکتہ کی تمدنی اور علمی زندگی کی ترجمانی کرتے ہیں[2]۔

ذیل کی کتابیں قاضی صاحب کی تصنیف ہیں۔

(۱) خمخانۂ جاوید (۲) خزینۂ رحمت (۳) نہر البلاغ (۴) خازن ترانہ۔ (۵) مہر انتخاب (۶) نجم بختیاری[3] (۷) مناجات الاخیار (۸) قصائد منتخبہ جسے انھوں نے ترتیب دیا تھا۔ اس میں نسّاخ سے متعلق قصائد ہیں۔ اسے انھوں نے ماہ مئی ۱۸۸۴ء میں مطبع نامی لکھنؤ سے طبع کرایا۔

نمونۂ کلام فارسی:—

لالہ را افروخت عکسِ روئے تو — کرد سنبل را پریشاں موئے تو
دیر و کعبہ اعتبارے بیش نیست — گر د آمد خلق گردِ کوئے تو
اے گل خوبی چہ رعنا دلبری — روئے تو درست و سنبل موئے تو
دیر و کعبہ را نمی دانیم ما — سجدہ گاہِ ما خمِ ابروئے تو

وہ کافر شکوۂ قسمت پہ کیوں مجھ سے بگڑتا ہے — کہو کوئی خدا لگتی میں اس کا نام لیتا تھا

---

[1] رسالہ ساز فروری ۱۹۶۲ء صد ۱۳ [2] رسالہ ساز ماہ فروری ۱۹۶۲ء صد ۱۱

[3] اور [4] نجم بختیاری اور قصائد منتخبہ میری نظر سے گزرے ہیں ان کے مطبوعہ نسخے ڈھاکا یونیورسٹی (حبیب الرحمٰن کلکشن) میں موجود ہیں۔

Marfat.com

تھا فرش چاندنی کا مزارِ حمیدؔ پہ
حضرت کو اُنس ماہ وشوں سے ضرور تھا

ایک دن سب کو فنا ہے تو ہوا اس سے مجھے کیا
غم اگر ہے تو ہے اُس شوخ کی تنہائی کا

وہ سجدہ گاہ اہلِ نظر مدّتوں رہا
جس کوچہ میں نشانِ کفِ پائے یار تھا

آ گئی یاد مجھے کشتیٔ امید اپنی
جب شکستہ کوئی تختہ لب ساحل دیکھا

اے حمیدؔ اس دشمنِ ایماں کی الفت اب تو چھوڑ
مدّتوں کی بت پرستی سالہا کافر رہا

میرا اٹھنا اس کی منزل کا نشاں ہو جائے گا
میرا گم ہو جانا دلیلِ کارواں ہو جائے گا

ایک جنت پہ تجھے ناز ہے اتنا رضواں
دل کے داغوں نے دکھائے مجھے گلزار بہت

محشر کی دھوم سنتے تھے دنیا میں ہم مگر
ہنگامہ زا کہاں تری رفتار کی طرح

Marfat.com

لو نہ پائی ہم نے یاں بھی غم کی داد   تھا ہمیں روزِ قیامت کا گھمنڈ

بے چاہتوں کے ناز اٹھاتا رہا حمیدؔ
پھر پڑے تھے کیا ترے ہوش شباب پہ

رباعی

اب تک ہے وہی مشغلۂ دل دیکھو۔ اب تک ہے وہی ولولۂ دل دیکھو
محشر میں پکڑتا ہے تمہارا دامن۔ دیکھو تو ذرا حوصلۂ دل دیکھو

گو خاک ہوں نشانِ خاکساری ہوں میں   آفاق میں آئینۂ خواری ہوں میں
تو دیکھ مجھے چشمِ حقیقت سے حمیدؔ   مرآۃ جمالِ ذاتِ باری ہوں میں

مخمس

تھا اشتیاقِ دید الم کا وفور تھا   سینہ میں بے قرار دلِ ناصبور تھا
آنا تمہارا باعثِ جوشِ سرور تھا   تم مرتے دم نہ آئے مروّت سے دور تھا
اس وقت پاس آپ کا ہونا ضرور تھا

ہمدم کے آگے بات بنانے کے واسطے   اربابِ تعزیہ کو رلانے کے واسطے
اہلِ عزا کے دل کو جلانے کے واسطے   مرنے کی میرے تن کے دکھانے کے واسطے
چہرے پہ تھا ملال پہ دل میں سرور تھا

میری طرف سے رنج کو دل میں جگہ نہ دو   خواہاں میں خونبہا کا نہیں اس کو جان لو
لیکن جو بات دل کی ہے اس کو ذرا سنو   بے جرم تم نے قتل کیا مجھ کو اے بتو
اللہ جانتا ہے کہ میں بے قصور تھا

اچھا ہوا کہ ساتھ اسے بھی لئے گئے   جھگڑا گیا کہ ساتھ اسے بھی لئے گئے

Marfat.com

شکر خدا کہ ساتھ اسے بھی لئے گئے　　احساں کیا کہ ساتھ اسے بھی لیے گئے
ہاں جان کو عذابِ دلِ ناصبور تھا

ہمدم ہے وہم تجھ کو بحبت اشک و آہ سے　　واقف ہے تو تو انکی مری رسم و راہ سے
آگاہ کیا نہیں مرے حالِ تباہ سے　　شیشہ کی طرح گرتے ہیں ان کی نگاہ سے
دل پاش پاش تھا تو جگر چور چور تھا

ہوتے نہیں تو نالۂ و فریاد کارگر　　بے کار تو ہے سوزِ نہانِ دل و جگر
تاثیر بے کسی نے مری کی نہیں مگر　　کیوں رحم آگیا مرا احوال دیکھ کر
تم کو تو اپنی سنگدلی پر غرور تھا

مثل حمید بے سر و ساماں نحیف و زار　　بیتاب و بیقرار، دل افگار، اشکبار
صحرا نورد، خاک بسر، ننگ روزگار　　رسوائے دہر، خانہ خراب و ذلیل و خوار
جو کچھ تھا خوب آدمی عبدالغفور تھا

(۲) حمید :۔ سید عبدالحمید نام، تخلص حمید۔ آپ مولوی سید محمد عثمان کے بیٹے تھے۔ آپ کا وطن کابل تھا لیکن کلکتے میں آپ نے سکونت اختیار کی تھی۔ ان کا ذکر نساخ نے اپنے تلامذہ میں کہیں بھی نہیں کیا ہے۔ یہ اطلاع لالہ سری رام کی ہے کہ یہ نساخ کے شاگرد تھے اور اسی بنا پر ہم نے انھیں تلامذۂ نساخ میں شامل کیا ہے۔ لالہ سری رام کے قول کے مطابق آپ ایسٹ انڈین ریلوے کے چیف انجینئر کے دفتر میں ڈرافٹس مین تھے۔ سال پیدائش اور وفات معلوم نہ ہو سکا۔ لالہ صاحب ہی کے خیال کے مطابق نساخ کے تلامذہ میں آپ یگانہ تھے[۱]۔ کچھ دنوں انسخ سے بھی مشورۂ سخن کیا تھا۔ تذکرہ سخن شعرا میں نساخ نے حمید کو انسخ کا ہی شاگرد لکھا ہے۔

"حمید تخلص حاجی مولوی سید عبدالحمید خلف سید محمد عثمان مرحوم باشندۂ کابل مقیم کلکتہ شاگرد مولوی عصمت اللہ انسخ۔ ان سے ایک چھوٹا سا دیوان یادگار ہے[۲]"

۱؎ خمخانۂ جاوید جلد ۲ صفحہ ۵۰۷۔　۲؎ سخن شعرا صفحہ ۱۳۸۔

Marfat.com

آج یہ دیوان ناپید ہے۔ بقول لالہ سری رام " حمید کو زود گوئی میں اچھی مہارت حاصل تھی۔ شعر اس قدر جلد لکھتے تھے جیسے کوئی نثر لکھتا ہے۔ ان کے کلام میں متانت اور پختگی ہے "[1]

سخن شعرا میں ان کے ۳ اشعار بطور نمونہ دیئے گئے ہیں لیکن خمخانۂ جاوید جلد دوم میں ۸ اشعار درج ہیں۔ مزید نمونۂ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔

نمونۂ کلام:

پاس میرے بھی کبھی آئیے گا — تابہ کے دور سے ترسائیے گا
زلف سلجھانے لگے پھر صاحب — پھر مرے سر پہ بلا لائیے گا

---

[1] خمخانۂ جاوید جلد ۲۔ ص۵۰۰

Marfat.com

ہو گیا ہے عشق دل کو اُس بتِ طناز کا
یا الٰہی ہو بخیر انجام اس آغاز کا

درد سے چارۂ دردِ دلِ شیدا ہوگا
جوششِ حسرِ مال سببِ ترکِ تمنا ہوگا

گزرے برسوں لیکن اس کا سوگ ہے تازہ ابھی
دیکھئے کب تک وفاتِ غیر کا ماتم رہے
ہم وہ قطرہ ہیں کہ پہلے قلزم ذخار تھے
ہم وہ ذرّہ ہیں کہ پہلے نیّرِ اعظم رہے

امید تیری دید کی پیر و جواں کو ہے ارمان تیرے وصل کا ہے شیخ و شاب کو
واقف ہوں اس قدر کہ تری ذات ہے کریم کچھ جانتا نہیں میں عذاب و ثواب کو
جس کی امیدیں مئے و معشوق ہو حرام دوزخ میں لے کے ڈال دو ایسے ثواب کو

(۷) حیدر :- مصطفٰے حیدر نام تھا۔ تخلص حیدر تھا۔ یہ مولوی غلام حیدر[۱] مرحوم سررشتہ دار فورٹ ولیم کالج کلکتہ و مدرسِ دوم فارسی مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے بیٹے تھے۔ حیدر کا وطن چاٹگام تھا لیکن نساخ کے قول کے مطابق "ان کی پیدائش بنارس میں ہوئی تھی"[۲]۔ مصنف "بنگال میں اردو" نے ان کا "مولد و وطن چاٹگام

---

[۱] غلام حیدر کا انتقال ۱۲۷۶ھ/۱۸۵۹ء میں ہوا تھا۔ نساخ نے ان کی وفات پر یہ قطعہ تاریخ کہا تھا:

غلامِ حیدرِ کرار انتقال نمود
کہ در غمش ہمہ عالم دل و جگر بشگافت
بگوش خورد چو ایں ماجرائے غم آلود
شدم ملول کہ تاریخ او شود دریافت
ز نقطہ دار حروف ایں دلِ حزینِ من
جنیں بگفت بلوروس بے حساب شافت

(۱۲۷۶ھ) گنج تواریخ ص ۳۸

[۲] تذکرہ سخن شعرا ص ۱۴۰

Marfat.com

لکھا ہے[۱] جو صحیح نہیں ہے۔ حیدر کا مسکن کلکتہ تھا۔ صاحب "تذکرہ بزم سخن" نے لکھا ہے کہ "از وطن خود جا بکام برآمد و بہ کلکتہ سکونت ورزید"[۲] لالہ سری رام کے قول کے مطابق ۱۲۷۵ھ میں کلکتہ میں ملازم تھے[۳]۔ ان کی طبیعت میں نہایت شوخی تھی۔ صاحب دیوان تھے اور ان کا کلام بھی شوخ ہوتا ہے۔ ان کا انتقال ۱۲۹۱ھ میں ہوا۔ نساخ نے یہ قطعۂ تاریخ اُن کی وفات پر کہا تھا[۴]۔

آں حیدرِ نکتہ پرور و نکتہ شناس — چوں جانِ عزیز را بخالق بسپرد
نساخ برائے سالِ ترحیل او — گفتم کہ "حیدر سخن سنج بمرد"
۱۲۹۱ھ

اُن کا دیوان اور کلام آج ناپید ہے۔ نساخ نے اپنے تذکرے سخن شعرا میں جو ۴۲ شعروں کو شامل کیا ہے یا چند قطعے جو قطعۂ منتخبات میں دیئے ہیں وہی کل کائنات ان سے یادگار ہے۔ اُن کے کلام پر لکھنوی رنگ غالب ہے۔

دل لے کے مرا صاف مکر جاتے ہیں کیسا — جب مانگوں تو جھنجلا کے یہ فرماتے ہیں کیسا
دم کاتے ہیں جھلاتے ہیں شرماتے ہیں کیسا — قابو میں مرے آکے وہ گھبراتے ہیں کیسا
رعشہ بھی ہے کچھ جسم میں کچھ لب پہ ہنسی ہے — تنہا کہیں ملتے ہیں تو گھبراتے ہیں کیسا

ہر ہر قدم پہ آہ نکلتی ہے دمبدم — اللہ رے ضعف چلتے ہیں بے عصا کے ہم

چلے ہو کس لئے ہو کر خفا سنو تو سہی — بتا دو پہلے ہماری خطا سنو تو سہی
ادھر تو دیکھو نہ بولو ذرا سنو تو سہی — شب وصال میں کیسی حیا سنو تو سہی

۱۔ بنگال میں اردو ص۱۰
۲۔ تذکرہ بزم سخن ص۴۲
۳۔ خمخانۂ جاوید جلد دوم ص۵۲۳
۴۔ کنز تواریخ ص۲۷

Marfat.com

در پردہ، پردہ فاش کیا چاک جیب نے ... پردہ نشیں کے عشق کو کیونکر چھپائیے
کافر یہ سنگ دل ہیں بڑے سخت بے وفا ... حیدرؔ ان بتوں سے کبھی دل لگائیے

کئی دن سے ہے کیسا ہائے مضطر ... خدا جانے کہ حیدرؔ کو ہوا کیا

---

(۸) **خلیل** :۔ مولانا ابو اسماعیل محمد خلیل اللہ نام اور تخلص خلیل تھا۔ مولانا محمد کلیم اللہ کے صاحبزادے تھے۔ بجاڑی کھات گاؤں ضلع سلہٹ اُن کا وطن تھا بقول نساخ" مدرسہ ڈھاکہ" کے محصلین[۱] میں تھے۔ خلیل مدرسہ محسنیہ راجشاہی کے مدرس اوّل تھے اور کچھ دنوں تک راجشاہی کالج میں پروفیسر بھی رہے مدرسہ میں عربی، فارسی اور ہندی پڑھاتے تھے۔ ان کے والد مولانا محمد کلیم اللہ جیّد عالم تھے اور سلہٹ میں اُن کے فیض سے بہتیرے علم و فن سے بہرہ ور ہوئے[۲]۔ ان کی تصنیفات میں "اغلاط المعاصرین" کے علاوہ گلزارِ خلیل بھی ہے۔ اغلاط المعاصرین ۱۳ صفحوں کا ایک رسالہ ہے جس میں معاصرین کے قواعد کی غلطیاں نیز بعض مذہبی غلطیوں کو پیش کیا گیا ہے۔ دراصل یہ رسالہ گلزارِ خلیل کا تتمہ ہے۔ مصنف خود لکھتے ہیں۔ "تمام اغلاط المعاصرین در گلزار مست ایک گلے ست[۳]"،
اغلاط المعاصرین مطبع رزّاقی کانپور سے ۱۳۱۴ھ میں شائع ہوا۔ اسبابِ تالیف کے متعلق مصنف لکھتے ہیں کہ" از بہر بدلیتے طلبہ وارشاد نہ از برائے اظہار لیاقت واستعداد قدرے از اغلاط معاصرین را دریکجا فراہم کردہ بعجالہ ترتیب می دہم تا طالبین را بصیرتے افزاید و ناظرین را عبرتے .... یہ رسالہ فارسی میں ہے اور اسی سے ان کی دوسری تصنیف گلزارِ خلیل کا بھی پتہ چلتا ہے۔

---

[۱] تذکرۃ المعاصرین ص ۹۹۔ [۲] اغلاط المعاصرین ص ۲۔ [۳] ایضاً ص ۱۲۔ یہ کتاب میری نظر سے گزری ہے اس کا ایک قلمی نسخہ ڈھاکہ یونیورسٹی لائبریری میں ہے اس کا نمبر 550 KHA ۔
HRCP 891 ہے۔

Marfat.com

نساخ ان کی شعر گوئی کے متعلق لکھتے ہیں ۔ "گاہ بیگاہ فکر شعری می کند و شعر خود را از نظر راقم حروف می گزرانند"[۱] ان کا اردو کلام نایاب ہے ۔ فارسی کلام کے نمونے ان کی کتاب اغلاط المعاصرین میں ملتے ہیں ۔

(۹) زہرہ : ۔ منی نام تھا اور تخلص زہرہ ۔ اصل وطن کشمیر تھا لیکن مولد و مسکن کلکتہ تھا ۔ صاحب تذکرۂ نسوانِ ہند نے اس کا مولد بھی کشمیر ہی لکھا ہے[۲] ۔ یہ کلکتے کی ایک طوائف تھی ۔ نساخ نے سخن شعرا میں زہرہ کو "گل رو، گلبدن، گل اندام، خوش خو و خوش خرام" لکھا ہے ۔ وہ مزید لکھتے ہیں ۔ "سخن سنجی و سخن فہمی و سخن طرازی میں آفت ہے ۔ سخن چینی و سخن سازی و سخن پردازی میں قیامت ہے"[۳] "تذکرۃ الخواتین" کے مولف کے قول کے مطابق سنہ ۱۲۹۱ھ تک زندہ تھی[۴] ۔ سنہ ۱۳۰ھ میں منی کا انتقال ہوا ۔ نساخ نے تاریخ وفات یہ "منی دریں عالم نماند، منی دریں عالم نماند" سے نکالی تھی[۵] ۔ صاحب تذکرۂ شمیم سخن کے بیان کے مطابق "منی نے منہیات شرعیہ سے تائب ہو کر گوشہ نشینی قبول کی تھی"[۶] اپنی موزونیٔ طبع کی وجہ سے کبھی کبھی شعر موزوں کرتی تھی ۔

دیکھ کر جو رنگ دل ہے عاشقِ دلگیر کا
سبزۂ رخسار سبزہ ہے گمر شمشیر کا
دل ہمارا درد کا پتلا بنا اے برہمن
ہے تصور دمبدم جو اس بتِ بے پیر کا

ہے جو غبارِ قیس کا چرچا بسنت میں
ہند دل کی بہار ہے ہر جا بسنت میں

---

[۱] تذکرۃ المعاصرین ص ۹۹ ۔ تفصیل سے فارسی کلام کے نمونے مثلاً مرثیہ پدر بزرگوار، مذمت حسد، قصیدہ در فخر خود و قصیدہ در مدح قیصر ہند و کشور یہ بہ تقریب جبلی وغیرہ ۔ ان کی کتاب اغلاط المعاصرین میں موجود ہیں ۔ [۲] تذکرۂ نسوانِ ہند (فصیح الدین بلخی) ص ۶۰ ۔ [۳] سخن شعرا ص ۵۰۲ ۔ [۴] تذکرۃ الخواتین (عبدالباری آسی) ص ۶۹ ۔
[۵] ارمغان ص ۹۱ [۶] شمیم سخن حصہ دوم، بار دوم ص ۱۲

اے نغمۂ بہار جو ہوتا ہے گوش خورد — جوش جنوں ہوا ہے زیادہ لبنت میں

کیا کسی مہوش کا نظارہ اس کو بھی ہے انتظار — دیدۂ عاشق کی صورت ہے جو بیدار آئینہ

درد و غم فراق سے شب کو ہوئی جو بے کلی — دل کی کشش کشاں کشاں اس کی گلی میں لے چلی
روتے ہیں عمر نکتے ہیں زندگی اک عذاب ہے — جب نہ ملے وہ جانِ جاں کیوں نہ ہو دل کو بے کلی
ہجر میں تیرے گلبدن وقتِ الم ہے جان و تن — بسترِ خار سے فزوں مجھکو ہے فرشِ مخملی

---

(۱۰) ساغر : محمد سعید نام، ساغر تخلص۔ لالہ سری رام ساغر کے متعلق لکھتے ہیں "ساغر جناب محمد سعید خانصاحب، آپ قوم کے پٹھان اور داناپور کے رہنے والے تھے فنِ سخن میں مولوی عبدالغفور نساخ کے شاگرد تھے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ عین عالم شباب میں انتقال کیا۔"[۱] "تذکرہ شعرائے بہار" میں ان کا حال مختصراً یوں درج ہے۔

"ساغر : محمد سعید باشندۂ داناپور" نسیم داناپوری کا مرتب کردہ مشاعرہ "بزم داناپور" میں ساغر کے متعلق لکھا ہے۔ "جناب محمد سعید خاں صاحب ساغر خلف محمد خاں صاحب داناپوری شاگرد نسیم داناپوری"[۲] اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ساغر ۱۸۹۶ء تک بقید حیات تھے۔ ان کا کلام صاف اور عاشقانہ ہوتا ہے۔ زبان و بیان پر انھیں اچھی قدرت حاصل تھی اور اشعار میں سادگی پائی جاتی ہے۔ نساخ نے ان کا ذکر اپنے تلامذہ میں نہیں کیا ہے۔ لالہ سری رام کی اطلاع کے مطابق انھیں تلامذۂ نساخ میں شامل کیا گیا ہے ؎

یاد ہر دم تری اے جانِ جہاں رکھتے ہیں — نام ہر وقت ترا ورد زباں رکھتے ہیں

۱۔ خمخانۂ جاوید جلد چہارم ص۲۔ ۲۔ مشاعرہ بزم داناپور ۱۸۹۶ء خدا بخش اورینٹل لائبریری بانکی پور ۱۸۹۶ء ۱۰ ص ۹۷

Marfat.com

ضعف سے اب نہیں اٹھتے تر سنگِ در ہم سے — وہ ستم جھیلیں جو کچھ تاب و تواں رکھتے ہیں
کوچۂ عشق کے کھوئے ہوئے ملتے ہیں کہیں — نہ پتہ رکھتے ہیں کچھ اور نہ نشاں رکھتے ہیں
نہیں ملتا ہے پتہ ساغرِ گم گشتہ کا — بے نشاں لوگ کہاں نام و نشاں رکھتے ہیں

منہ ہے سبب سفید نہیں آج ماہ کا — رخ سے اٹھا نقاب کسی کج کلاہ کا

---

(۱۱) شاداںؔ :- میاں رحمٰن بخش نام اور تخلص شاداںؔ تھا۔ ان کے والد کا نام منشی فیض بخش تھا سوداگری کا پیشہ تھا شاداںؔ کا وطن فرید پور تھا لیکن پیدائش کلکتہ میں ہوئی تھی مستقل سکونت بھی کلکتہ ہی میں تھی۔ صاحب تذکرہ بزم سخن لکھتے ہیں کہ " از نیرنگئ زمانہ بزرگان او بہ کلکتہ اقامت گزیدند۔[۱] فری چرچ اسکول کلکتہ میں مدرس تھے بسالِ وفات یا پیدائش معلوم نہ ہوسکا لیکن ارمغان مطبوعہ ۱۲۹۲ھ میں ان سے ایک قطعۂ تاریخ یادگار ہے نیز کنز تواریخ مطبوعہ ۱۲۹۴ھ میں بھی ان کی وفات کے متعلق کچھ درج نہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۲۹۴ھ تک حیات تھے۔ نساخؔ کے قول کے مطابق بہت اچھی طبیعت پائی ہے[۲] ان کے کلام کا نمونہ سخن شعرا میں بہت مختصر ہے اس کے علاوہ ان کا کلام اور کہیں نہیں ملتا ہے

کھاؤں گا تلوار کا پھل جب تمہارے ہاتھ سے۔ تب مرا نخلِ تمنا بارور ہو جائے گا

جو کہتا ہوں نہ مل اغیار سے فرماتے ہیں ہنس کر۔ بھلا کہیے تو ہم سے آپ کیا مختار بیٹھے ہیں

ذکرِ وفا پہ دیتے ہیں کیوں آپ گالیاں — گر جی نہ چاہے آپ کا اچھا نہ کیجیے

---

[۱] تذکرہ بزم سخن صہ ۴۶
[۲] ارمغان مطبوعہ نظامی پریس کانپور صہ ۱۱۹
[۳] سخن شعراء صہ ۲۳۶

Marfat.com

(۱۲) شائق :- سرفراز علی خاں نام تھا۔ شائق تخلص۔ بانکا ضلع بھاگلپور میں ڈپٹی کلکٹر و ڈپٹی مجسٹریٹ کے آفس میں ناظر تھے۔ نساخ جب بھاگلپور میں تعینات تھے تو اُن سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ اُن سے صرف ایک شعر یادگار ہے۔

موت بھی سر پٹکتی ہے اس کی بالیں پر کھڑی　　حال ابتر ہے تمہارے عاشقِ دلگیر کا

---

(۱۳) ضیا :- وارث علی نام تھا۔ تخلص ضیا۔ مانک گنج ضلع ڈھاکہ کے باشندے تھے۔ ڈھاکہ میں معلمی کرتے تھے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر موزوں کرتے تھے۔ تذکرۃ المعاصرین میں نساخ ضیا کے متعلق فرماتے ہیں :" طبعش بافنِ شعر مناسبت تمام دارد، بسیار پرگو است۔ اشعار ریختہ اش از قصیدہ و غزل و مثنوی وغیرہ زائد از بست و پنج ہزار است بہ جمیع اصناف سخن قادر است[۱] "

تذکرۃ المعاصرین کی ترتیب کے وقت ان کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی اور زندہ تھے۔ ضیا صاحبِ دیوان تھے لیکن آج اُن کا دیوان اور کلام ناپید ہے۔ سخنِ شعراء میں جو نمونۂ کلام ہے وہی اُن سے یادگار ہے۔

بات میری بھی نہیں سنتا ہے صحبت کا اثر　　دل مرا عشقِ بتاں میں سخت بدخو ہوگیا
شکر اس قاتل کا کرتا ہے اشارے سے ادا　　ہر دہانِ زخم اک چشمِ سخن گو ہوگیا
لکھتے ہیں آج وصف دو ابروئے یار ہم　　حاسد کے سر پہ کھینچتے ہیں ذوالفقار ہم

فارسی

در زخمِ قامتِ چوں تیر کسے　　قدِ من ہمچو کمانے شدہ است
دہنِ او بہ صفحۂ رخسار　　نقطۂ انتخاب را ماند

---

(۱۴) طالب :- الائچی رام نام تھا۔ تخلص طالب۔ باپ کا نام سوبھی رام تھا۔

---

[۱] تذکرۃ المعاصرین ص ۱۰۹

Marfat.com

قوم کے برہمن تھے۔ وطن اُن کا جلال آباد ضلع امرتسر تھا۔ ۱۸۶۱ء[1] میں بارلیسال آئے اور نسّاخ کے شاگرد ہوئے۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں شعر موزوں کرتے تھے۔ نسّاخ کے قول کے مطابق "شاعرِ ہوشمند است و شعرش دل پسند"۔

طالب تذکرۃ المعاصرین اور تذکرہ شعرائے ہنود مولفہ منشی دیبی پرشاد بشاش مطبوعہ رضوی پریس دہلی ۱۸۸۵ء کی ترتیب کے وقت بقیدِ حیات تھے۔ لالہ سری رام نے انھیں "ذکی الطبع اور ذہین" لکھا ہے۔ صاحب تذکرہ بزم سخن کے خیال میں "شگفتہ طبع" تھے۔ ان کا کلام اب ناپید ہے۔

مجھ پر وہ ظلم یار نہ اغیار نے کیا　　جو کچھ کہ بخت و چرخ ستمگار نے کیا
آیا نہ رحم پر دلِ صیاد دام میں　　نالہ ہزار مرغِ گرفتار نے کیا

ذرا ادھر کو بھی تشریف لاؤ گے کہ نہیں　　مرا بھی خانۂ ویراں بساؤ گے کہ نہیں
سخی سے سوم بھلا ہے کہ دے جواب شتاب　　اجی تم اتنا تو فرماؤ آؤ گے کہ نہیں

بے گناہوں کو قتل کرتے ہو　　روزِ محشر کا تم کو ڈر ہی نہیں
ہم تو مرتے ہیں ایک مدت سے　　واہ جی تم کو کچھ خبر ہی نہیں

---

[1] تذکرۃ المعاصرین میں بارلیسال میں اُن کی آمد کے متعلق نسّاخ نے لکھا ہے۔ "در ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۵ء یکہزار و صد و شصت و یک ہجری بہ ہنگام بودنم در ضلع باقرگنج معروف بہ بارلیسال وارد آنجا شدہ بود۔" صد ۱۹۲ اور تذکرہ سخن شعرا میں لکھتے ہیں۔ "کچھ دنوں ۱۸۶۱ء اٹھارہ سو اکسٹھ عیسوی میں باقرگنج عرف بارلیسال میں وارد ہو کر راقم سے اصلاح لی تھی۔" صد ۳۰۰۔ نسّاخ نے اکتوبر ۱۸۶۰ء میں بارلیسال میں ڈپٹی مجسٹریٹی کا چارج سنبھالا تھا صد ۶۹ خود نوشت سوانح عمری۔ قرین قیاس ہے کہ ۱۸۶۱ء کا سن صحیح نہیں ہے یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

فارسی

سازو سامانِ دردِ نغمۂ ماست ... می تراود غم از ترانۂ ماست
دلکہ سرگرم آشنائی ہاست ... بغلط محوِ بے وفائی ہاست

مرا چوں یادِ ترکِ چشم مست یار می آید ... زکنج سینہ بوئے خانۂ خمار می آید

---

(۱۵) علی :- حیدر علی نام تھا۔ تخلص علی۔ حکیم میر قربان علی کے صاحبزادے تھے ڈھاکہ کے باشندے تھے۔ انھوں نے ایک چھوٹا سا رسالہ موشنات سماعی کے متعلق لکھا تھا۔ بہت ذہین تھے۔ اردو میں مضبوط شعر کہتے تھے[۱]۔ ان کا کلام بھی اب نایاب ہے۔ سخن شعرا میں ان کے تین اشعار نمونے کے طور پر دیئے گئے ہیں اور یہی ان سے یادگار ہیں ؎

دم توڑتے ہیں اپنا شبِ ہجر میں ہم دم ... رہ رہ کے جو دھیان آتا ہے اُس عہد شکن کا
کہہ لیتے ہیں تکلیف بھی غربت کی گوارا ... یاد آتا ہے جو ظلم ہمیں اہلِ وطن کا
کیونکر نہ علی طفل کو ہو پیاس میں تسکین ... شیریں ہے عسل سے بھی لعاب اس کے دہن کا

---

(۱۶) علی احمد :- محمد علی احمد خاں نام تھا۔ علی احمد تخلص۔ مولوی غوث علی خاں زمیندار کے فرزند اور ضلع سلہٹ کے باشندہ تھے۔ ہاتھی کی تجارت کرتے تھے۔ نساخ کے دوستوں میں بھی تھے۔ تفنن طبع کے طور پر شعر موزوں کرتے تھے اور نساخ سے اصلاح لیتے تھے۔ محمود آزاد نے ان کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے[۲]:

بے تامل سالِ فوت آزاد گفت ... اے دریغا آہ و واویلا و آہ ۱۲۹۶ھ

---

[۱] مشرقی بنگال میں اردو ص ۱۵۴ ۔ [۲] دیوان آزاد ص ۹۶

Marfat.com

اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سالِ وفات ۱۲۹۶ھ ہے۔ تذکرہ سخن شعرا میں نساخ نے ان کے تین شعر دیئے ہیں۔

پھر دل ہوتا نہیں زانو سے جدا سر اپنا
دھیان آتا ہے جو اے جان ترے زانو کا

چین آتا نہیں جو تجھ کو علی احمد آج
یادِ مژگاں ہے کہ کانٹا ہے ترے پہلو کا

ہووے جب تک کہ نہ برباد غبارِ عاشق
دامن پاک صنم تک ہے رسائی مشکل

---

(۱۷) فہمی :۔ شیخ دیانت حسین نام اور فہمی تخلص۔ شیخ ہدایت حسین کے صاحبزادے اور بہار کے باشندہ تھے۔ جس وقت نساخ مونگیر میں تھے تو یہ ضلع مونگیر میں اردو فارسی کے مدرس تھے۔[۱] پھر سب انسپکٹر مدارس جمول و پورنیہ بھی ہوئے۔ اُن کے شعر کہنے کا واقعہ نساخ نے اپنی خود نوشت سوانحعمری میں بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "مونگیر کے رہنے کے ہنگام میں منشی دیانت حسین بہاری سب انسپکٹر اسکول پورنیہ کہ ان دنوں مونگیر کے نارمل اسکول کے مدرس تھے اور میرے مکان میں رہتے تھے اور میرا دیوان دوم موسوم بہ اشعار نساخ و تذکرہ سخن شعرا انہوں نے مجھ کو صاف کر دیا تھا۔ ان کتابوں کو صاف کرنے کے حال میں انہوں نے شعر کہنا شروع کیا اور میرے شاگرد ہوئے اور فہمی تخلص کیا۔ ان کی طبیعت بہت اچھی ہے اور نہایت نیک بخت آدمی ہیں اور اردو و فارسی میں اچھا شعر کہتے ہیں۔"[۲]

نساخ کا تبادلہ ۲ مئی ۱۸۶۸ء کو مونگیر ہوا تھا اور پھر نومبر ۱۸۷۱ء میں یہ سلہٹ تبدیل ہو گئے تھے۔ قیاس ہے کہ فہمی مئی ۱۸۶۸ء اور نومبر ۱۸۷۱ء کے درمیان ان کے شاگرد ہوئے ہوں گے۔ ان کا کلام نایاب ہے۔ نساخ نے ان کا ذکر اپنے تذکرہ سخن شعرا میں بھی کیا ہے اور ۲۶ اشعار نمونے کے طور پر درج کئے ہیں۔ تذکرہ شعرائے بہار

---

[۱] تذکرہ سخن شعرا ص ۳۷۳۔ [۲] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۶۰

Marfat.com

میں ان کے صرف ۱۲ ۔ اشعار موجود ہیں ۔

ستم سے کم نہیں الطافِ یار اے فہمی　　ہے برقِ جانِ حزیں طور مسکرانے کا

آئینے کو نہ مقابل رکھیں　　پھر دل حیران رہا کیجیے گا
تا بکے نالۂ و افغاں فہمی　　کیا کہیں حشر بپا کیجیے گا

نہ وہ میں ہوں نہ وہ زمانہ رہا　　دل لگانے کا اب مزہ نہ رہا
مدعی سے بگڑ گئی ورنہ　　دل میں کیوں کچھ بھی مدعا نہ رہا
کی یہ اشک وحیا نے پردہ دری　　راز میرا ترا چھپا نہ رہا

چشمانِ نیم باز ہیں اے مستِ خوابِ ناز
گر خواب میں نہیں ہیں تو ہشیار بھی نہیں

تمام عمر تو کسبِ کمال میں کاٹی　　کیا کمال جو حاصل تو دل لگانے میں

بے فائدہ گر عرش پہ پہنچے بھی تو حاصل　　اے نالو ذرا کان تک اس یار کے پہنچو

وہ بگڑی ہے ہوائے شہر الفت　　جسے دیکھو وہ غم میں مبتلا ہے
وہ شکوہ اپنا میرے منہ سے سن کر　　لگے کہنے کہ حال کہیئے بجا ہے

اللہ یہ اپنی بیکسی ہے　　رونے کو وہ سمجھے ہیں ہنسی ہے
چھرے کی بلائیں لے رہا ہے　　کاکل تری میری مدعی ہے
سر پر ہے کھڑی قضا بھی وہ بھی　　جان ایک عذاب میں پڑی ہے

Marfat.com

مرتا ہے دراز کاکلوں پر　　　فہمی کی حیات بڑھ گئی ہے

آپ کے غم میں مرگیا ہوں میں　　　اور کس طرح سے نباہوں میں
عشق میں عقل و فہم کو کھو کر　　　فہمی اب نام کر رہا ہوں میں

---

(۱۸) **قوس** :۔ مرزا محبوب علی نام اور تخلص قوس تھا۔ لیکن ۱۸۶۳ء تک شمس تخلص کرتے تھے۔ دفترِ بے مثال مطبوعہ ۱۸۶۲ء[1] میں ان کا ایک قطعۂ تاریخ موجود ہے اور اس میں ان کا تخلص شمس لکھا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بعد میں اپنا تخلص شمس ترک کر کے قوس رکھ لیا۔ مرزا ہمایوں بخت ولد مرزا زین العابدین کے صاحبزادے تھے۔ وطن ان کا دہلی تھا۔ جائے پیدائش کانپور اور سکونت کلکتہ تھی۔ قوس بقول نساخ "صاحب دیوان ہیں اور شعر اچھا کہتے ہیں"[2] کلام پر لکھنوی رنگ غالب ہے۔ ان کے کلام کا نمونہ تذکرہ سخن شعرا اور قطعہ منتخب میں موجود ہے۔"

جان کھا جاتا ہے غم، آساں سمجھتے تھے اسے
دل لگانا قوس کیا منہ کا نوالا ہو گیا

خدا دیتا ہے بعد از رنج پھر راحت ضرور اے دل
وصال اپنا ہوا صدمہ سہا جب دردِ ہجراں کا

جان دی ہے عشق میں اس گل کے میں نے ہم صفیر
پھول لا کر کیوں نہ تربت پر چڑھائے عندلیب
تمہارے حسن نے سب کو ہی گمراہ کر ڈالا　　　یہودی کو مجوسی کو نصاریٰ کو مسلماں کو

---

[1] ص ۱۲۹　[2] سخن شعرا ص ۳۹۱

Marfat.com

جب نزع میں نہ آئے تو مرقد پہ آچکے
وہ شمع و گل مزار پہ میرے چڑھا چکے

ہوئے پامال لاکھوں اس ادا کے — چلے جو ناز سے دامن اٹھا کے

میکشی کا ہے اشارہ جلد لا ساقی شراب — جانب قبلہ سے اٹھی ہے گھٹا برسات کی

چلتا ہے رک رک کے کن اٹکھیلیوں کی چال سے
خنجر قاتل میں بھی رفتار معشوقانہ ہے

لاش پر آئے منہ چھپائے ہوئے — شرم اب تک بھی مہرباں نہ گئی

قطعہ

اے قوس ہوا وصل کی شب طرفہ تماشا — منہ اُس نے کیا داغ جگر کے جو مقابل
کیا گرم کہی بات ظرافت سے یہ میں نے — سورج کو نہ دکھلاؤ چراغ اے مہ کامل

---

(۱۹) کیواں :۔ سید فتح علی نام اور وحیدالدین عرفیت تھی۔ نساخ لکھتے ہیں "کیواں تخلص مولوی سید فتح علی عرف وحیدالدین الہ آبادی الاصل ساکن بیت و چہار پرگنہ شاگرد راقم و مولوی عصمت اللہ انسخ"۔ ان سے صرف ایک شعر سخن شعراء میں یادگار ہے ؎

کہنے لگے وہ لاشہ کیواں کو دیکھ کر — ارمان ظلم ہائے مرے دل میں رہ گیا

---

(۲۰) محرور :۔ خواجہ نبی بخش نام اور تخلص محرور تھا۔ ان کی شاگردی کا ذکر

Marfat.com

خود نسّاخ نے اپنی خود نوشت میں اس طرح کیا ہے ..... ان دنوں غفور خانساماں نامی ایک شخص اپنے باغ میں نہایت دھوم دھام سے مشاعرہ کرتا تھا۔ ایک دن میں مشاعرے میں گیا تھا۔ مشاعرہ شروع ہوا نہ تھا۔ ایسے وقت خواجہ نبی بخش صاحب کشمیری متخلص بہ محروم ایک غزل لے کر میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ میں اصلاح کر دوں۔ میں بہت گھبرایا کہ میں تو خود پیرِ درماندہ کے حال میں ہوں۔ اپنی غزل تو درست کر ہی نہیں سکتا تو ان کی غزل کیونکر درست کروں گا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا ..... منتظم مشاعرہ شیخ محمد باقر متخلص بہ فنا ..... خواجہ مذکور کو ساتھ لے کر میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کو ایک شاگرد ملتا ہے، کیوں چھوڑتے ہیں۔ یہ بات سن کے بہ سبب کم سنی کے مجھ کو خیال ہوا کہ میں بھی استادوں میں گنا جاؤں گا۔ اس کی بڑی خوشی ہوئی اور خواجہ صاحب کو میں نے شاگرد کیا۔[1]

اپنے تذکرہ سخن شعرا میں نسّاخ نے ان کے متعلق لکھا ہے "محروم تخلص خواجہ نبی بخش کشمیری کلکتہ میں بہ شغل تجارت رہتے تھے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ کلام راقم الحروف کو دکھلاتے تھے ۱۲۸۱ھ میں عین جوانی میں انتقال کیا۔ ان کے کلام کا نمونہ قطعہ منتخب اور تذکرہ سخن شعرا میں موجود ہے۔"

وصلت میں اضطرابِ جگر ہے بڑھا ہوا — درماں سے اور درد ہمارا سوا ہوا
جانکاہیِ فراق میں بس ہو گیا وصال — آخر کو درد ہی مرے دل کا دوا ہوا
حیران ہوں کہ آگئے حیرت میں کس لیے — آئینہ دیکھ دیکھ کے یہ تم کو کیا ہوا

اے مہرِ برجِ لطف و کرم تیرے فیض سے — دیدہ مکانِ حسن ہے اور دل سرائے عشق
محروم کو پہنچتے نہیں قیس و کوہکن — پیغمبرانِ عشق تھے وہ، یہ خدائے عشق

---

[1] خود نوشت سوانح عمری نسّاخ ص ۱۲

Marfat.com

سخت آہن سے ہے تمہارا دل — موم سے نرم ہے ہمارا دل
اب تڑپتا ہے پارہ پارہ دل — مثلِ سیماب ہے ہمارا دل

قطعہ

بے فائدہ ہیں گریہ و زاری فراق میں — محرور ہیں یہ نالۂ و شور و فغاں عبث
اس سنگدل پہ خاک بھی کرتے نہیں اثر — رو رو کے دے رہا ہے تو کیوں اپنی جاں عبث

(۲۱) **مخلص** :- محمد حسین نام اور تخلص مخلص تھا، قوم کے پٹھان تھے۔ نساخ نے اپنے تذکرۂ سخن شعرا میں مخلص کے متعلق لکھتے ہیں: "مخلص تخلص، منشی محمد حسین خاں ولد امانت خاں بن قطب خاں باشندہ بھاگلپور شاگرد راقم الحروف صاحب دیوان ہیں۔"[۱]

سید مقیت الحسن صاحب لکھتے ہیں: "بھاگلپور کا ایک محلہ ہے۔ حبیب پور جو کبھی عالی گہر شرفا اور جلیل القدر رؤسا کا مرکز تھا۔ گرد و نواح کی شعری و ادبی محفلیں جن کے دم سے قائم تھیں، مخلص یہیں کے باشندہ تھے۔ پورا نام محمد حسین خاں تھا۔ مخلص تخلص کرتے تھے۔ والد کا نام امانت اور دادا کا قطب خاں تھا۔ مخلص نے جس ماحول میں پرورش پائی، طبیعت میں شعر و سخن کا ذوق پیدا ہو جانا گویا ایک فطری بات تھی۔ چنانچہ جب اس وادی میں قدم رکھا اور شعر اچھے کہنے لگے تو یہ فکر ہوئی کہ کسی کہنہ مشق اور واقفِ اسرارِ سخن سے اصلاح بھی لینی چاہیے تاکہ اس میں مزید قدرت اور صلاحیت پیدا ہو چنانچہ نظرِ انتخاب نساخ پر پڑی اور واقعہ یہ ہے کہ خوب پڑی۔

پورب کے اُفقِ شاعری پر اس وقت نساخ آفتاب کی طرح چمک رہے تھے ... مخلص نے ان سے کسبِ فیض کیا اور خوب مشق بہم پہنچائی ــ نساخ کی

۱؎ تذکرۂ سخن شعرا، صـ ۴۲۴

Marfat.com

پوسٹنگ اس وقت بھاگلپور (ضلع بانکا) ہی میں تھی۔[1]

نساخ پہلی بار ماہ اگست ۱۸۶۶ء (۱۲۸۳ھ) میں بانکا میں ڈپٹی مجسٹریٹ ہوکر گئے تھے اور یہاں ان کا قیام مارچ ۱۸۶۹ء (ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ) تک رہا تھا۔ دوسری بار ۱۲ اپریل ۱۸۷۰ء (۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۷ھ) میں ان کا تبادلہ پھر بھاگلپور ہوا لیکن مدت قیام بہت مختصر رہی۔ ۲ مئی ۱۸۷۰ء (۲۹ ماہ محرم ۱۲۸۷ھ) کو یہ مونگیر تبدیل ہوکر چلے گئے۔[2] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخلص نے ۱۸۶۶ء تا ۱۸۶۹ء کے درمیان کسی وقت ان سے تلمذ حاصل کیا۔ نساخ کے تیسرے دیوان "ارمغان مطبوعہ" ۱۲۹۶ھ کے قبل کی کسی تصنیف میں مخلص کا کوئی تاریخی قطعہ موجود نہیں ہے۔ نساخ نے ان کا تذکرہ اپنی خود نوشت سوانح حیات میں بھی نہیں کیا ہے البتہ ان کے تذکرے میں ان کا ذکر موجود ہے۔ مخلص کا جو دیوان موجود ہے اس میں تاریخ ۸ جنوری ۱۸۶۹ء لکھی ہوئی ہے۔ اس سے اتنا تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۶۹ء کے قبل ہی مخلص نے نساخ سے شرف تلمذ حاصل کیا ہوگا ورنہ وہ اس قلیل مدت میں صاحب دیوان کیونکر ہوسکتے تھے۔ مخلص کا ایک مختصر سا دیوان بنگال ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری میں مخطوطے کی شکل میں موجود ہے۔[3] اور یہ مخطوطہ میری نظر سے بھی گزرا ہے۔ اس کے سرورق پر یہ لکھا ہوا ہے۔

"دیوان مختصر محمد حسین متخلص بہ مخلص ساکن محلہ حبیب پور (بھاگلپور) ولد امانت خاں ۸ جنوری ۱۸۶۹ء۔ اس دیوان کا حجم ۴۶ صفحہ ہے۔ غزلیں ردیف وار ہیں۔ تقطیع ۸×۶ ہے۔ دیوان کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوئی ہے پہلی غزل نعتیہ ہے جس کا مطلع یہ ہے:

سر دیوان پہ لکھا وصف اس نور مجسم کا　　الٰہی دے مرے مطلع کو رتبہ اسم اعظم کا

---

[1] ماہنامہ صنم پٹنہ (بہار نمبر جنوری تا اپریل ۱۹۵۹ء) ص ۱۸۵

[2] خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۱۱۹، ۱۵۷

[3] نمبر III ۹۹۹ (مخطوط)

Marfat.com

اس دیوان میں غزلوں کے علاوہ اور کوئی دوسری صنف سخن نہیں ہے۔ غزلوں کی تعداد ۹۱ ہے جس میں فارسی کی ردیف "د" میں صرف ایک غزل موجود ہے جس کا مطلع یہ ہے:

ترا خورشید تاباں آفریدند مرا چوں ذرہ حیراں آفریدند

سید مقیت الحسن صاحب کے بیان کے مطابق "مخلص کا مکمل دیوان ناپید ہے"[1]
مخلص کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے مقیت الحسن صاحب لکھتے ہیں "مخلص کے کلام میں وہ سب کچھ ہے جو ایک اچھے شاعر کے کلام میں ہوتا ہے یعنی زبان کا لحاظ الفاظ کی بندش، تراکیب کی چستی، مضامین کی قدرت، تخیل کی بلندی، تشبیہات کی نزاکت، استعاروں کی لطافت، بیان کی سادگی اور طرزِ ادا"[2]

مخلص کا اپنے کلام کے متعلق دعویٰ ہے کہ:

صاف کہتا ہوں طبیعت نہیں دشوار پسند صاف ہر شعر ہوا کرتا ہے مخلص اپنا

حقیقت یہ ہے کہ ان کا کلام صاف منجھا ہوا اور پر تاثیر ہوتا ہے۔ ان کے کلام میں شعریت بھی ہے لیکن کہیں کہیں لکھنوی رنگ بھی جھلکتا ہے جو شاید ماحول یا دورِ شاعری کے اثر سے ہے۔

نساخ نے اپنے تذکرے (سخن شعراء) میں ان کے گیارہ اشعار، تذکرۂ نادر میں ایک غزل کے پانچ اشعار، تاریخ شعرائے بہار میں تین اشعار بطور نمونہ درج کیے گئے ہیں۔

ذیل میں ان کے غیر مطبوعہ دیوان سے ان کے کلام کا نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

آج اس کی گلی میں جانا ہے ہر طرح بخت آزمانا ہے
ڈر ہے سر پہ نہ میرے ٹوٹ پڑے گنبدِ نیلگوں پہ آنا ہے
ہیں یہ نیرنگیاں زمانے کی کوئی ناداں ہے کوئی دانا ہے
توڑنا دل کسی کا اے مخلص خانۂ کعبہ کو گرانا ہے

---

[1] ماہنامہ ندیم پٹنہ (بہار نمبر جنوری تا اپریل ۱۹۵۹ء) ص ۱۸۶ [2] ایضاً ص ۱۸۵

Marfat.com

فراق یار میں کس کو بھلا خوش آئے بہار
وصال یار جو ہو تو خزاں دکھائے بہار
بہار آئے، نہ آئے جو وہ گلِ خنداں
بہار سے مجھے کیا لاکھ بار آئے بہار
بھلا یہ رنگ یہ رونق کہاں سے لائے بہار
رخِ نگار سے کیا نسبت اے گلِ خنداں
ہزار دل بلبل و گل اس پہ ہیں فدا مخلص
ہمارے گل کو جو دیکھے تو خار کھائے بہار

بیٹھے ہیں بے حجاب وہ بزمِ شراب میں
وہ دن گئے کہ تھا رخِ روشن نقاب میں
کب یادِ لعل لب میں میں روتا نہیں لہو
کب لختِ دل نہیں مرے چشمِ پُر آب میں
سامانِ عیش گو کہ مہیا ہیں سب کے کشتو
بے یار کیفیت نہیں دورِ شراب میں
درد و غمِ فراق میں ہوتے ہیں یاں بسر
کٹتی ہے ان کی نغمۂ چنگ و رباب میں
وہ رشکِ مہر سیر کو نکلا ہے بے حجاب
خورشید جلوہ گر ہے شبِ ماہتاب میں
مریخ برجِ قوس میں مخلص ہے جلوہ گر
قاتل کا کب ہے پائے نگاریں نقاب میں

کیوں نقابِ رخ اٹھا کر کرتے ہو اندھیر تم
مہر جائے گا جدھر کو سر ٹپکتا جائے گا
یوں ہی تم رکھو گے مخلص کو اگر محرومِ دید
مرتے مرتے بھی تمہاری راہ تکتا جائے گا

---

(۴۲) مخمور :- واحد علی نام اور مخمور تخلص تھا۔ مولوی عبدالعلی رئیس نامی زمیندار ڈھاکہ کے بڑے بیٹے تھے۔ مخمور اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر موزوں کرتے تھے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ عین عالمِ شباب میں ان کا انتقال ہوا[1] انساح

---

[1] تذکرہ سخن شعراء، ص ۴۲۵

Marfat.com

نے ذیل کا قطعۂ تاریخ ان کی وفات پر کہا تھا جس سے سالِ وفات ۱۲۷۹ھ نکلتا ہے[1]۔

آج نسّاخ مولوی مخمور — گلشن عدن کے مقیم ہوئے
مصرعِ سالِ نقل یہ لکھا — داخلِ جنّتِ نعیم ہوئے
۱۲۷۹ھ

نسّاخ نے اُن کے کلام کا نمونہ اپنے تذکرہ سخنِ شعراء میں دیا ہے جو ۱۲۔ اشعار پہ مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ ایک قطعہ "قطعہ منتخب" میں موجود ہے۔ نیز ایک قطعہ تاریخی دفترِ بے مثال میں بھی ہے۔ اس کے سوا اُن کا کلام اب نہیں ملتا۔ کلام میں لکھنؤ کا رنگ غالب ہے :۔

وہ ناتوان وزار میں اک بار ہو گیا — دامن ہمارا دامنِ کہسار ہو گیا
چومی بغیر اذن جو زلفِ سیاہ یار[2] — واللہ بال بال گنہگار ہو گیا
ناوکِ نالہ جو گزرا تیر سے — جا کے میزاں میں ترازو ہو گیا
خواب میں پہنچا جو واں دستِ سوال — نیلا پیلا اس کا زانو ہو گیا
جبکہ دلبر سے ہوا خالی کنار — کاہشِ جاں دردِ پہلو ہو گیا

ہاتھ میں اُس کے کمان و تیر ہے — چرخ پر لرزاں کمان و تیر ہے
سنگِ مرقد لعل سے رنگیں ہوا — کیا حنائی پاؤں کی تاثیر ہے
یادِ چشمِ مست سے زنداں میں آج — چشمِ ساغر حلقۂ زنجیر ہے

مثلِ اختر نہ جھپکی اپنی آنکھ — آج اُس مہ کی انتظاری ہے

دن بھر آہ و زاری ہے — راتوں کو بیداری ہے

---

[1] گنج تواریخ ص ۴۴

[2] نوٹ : یہ شعر محلِ نظر ایک مصرع میں ہیں دوسرے میں بال!

Marfat.com

ہے مونث وہ جسے ہوتی ہے دنیا کی طلب — اور مخنث وہ ہے جو رکھتا ہے عقبیٰ سے غرض
ترک کر مخمور دنیا کو اٹھا عقبیٰ سے ہاتھ — تو اگر ہے مرد تو رکھ اپنے مولا سے غرض

---

(۲۴) مسرور :- سید محمد علی نام اور تخلص مسرور تھا۔ سید علی طباطبائی کے بیٹے اور میر شیر علی افسوس مصنف باغ اردو (ترجمہ گلستان)، آرائش محفل اور دیوان ریختہ کے نواسے تھے۔ سیر و سیاحت کے شوقین تھے۔ چنانچہ ایران، پنجاب، ہندوستان کے دیگر علاقہ جات اور رنگون کی سیاحت کر چکے تھے۔ کلکتہ کے باشندے تھے۔ عین عالم شباب میں ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ کو اس دنیائے فانی سے عالم بقا کو سدھارے۔ بقول نساخ "عاشقانہ شعر اچھا کہتے تھے"۔

مشکل ہماری کیسی آسان ہجر میں کی — احسان مانتے ہیں ہم مرگ ناگہاں کا
شکوہ اگر مجھے ہے تو بخت اور اجل سے — شاکی نہیں ہوں ورنہ یار و میں آسماں کا

دل کو ہے میرے پان کی تحریر کا خیال — شنجرف کا ہے خط، ورق آفتاب میں
مضمون میرے شعر کا کیا سمجھیں کور دل — ہوتا ہے نور بھی کہیں چشم رکاب میں
مسرور کو بچائیے دوزخ کی آگ سے — یہ عرض ہے جناب رسالتمآب میں

کان تک اس کے پہنچتی مری فریاد نہیں — بھول جانے کے سوا کچھ بھی اسے یاد نہیں
ظلم کرتا ہے، جفا کرتا ہے، رلواتا ہے — کون سی طرز ستم ہے جو اسے یاد نہیں

قطعہ

راہ میں پا کے جو اس سایت سے کہوں — میرے گھر بھی تو کبھی آئیے آپ
کہے منہ پھیر کے اک شوخی سے — پہلے منہ اپنا تو بنوا لیئے آپ

Marfat.com

(٢٤) **مسلسل** :- شیخ وزیر علی نام اور مسلسل تخلص تھا۔ شیخ زائر علی عرف رمضان علی کے بیٹے تھے۔ ان کے دادا شیخ فاروق علی عدالتِ دیوانی مونگیر میں وکیل تھے۔ مسلسل مونگیر کے باشندے تھے۔ نساخ جب مونگیر میں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے تو ان سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ نساخ کا قیام مونگیر میں مئی ۱۸۷۰ء تا نومبر ۱۸۷۱ء رہا تھا۔ نساخ کی رائے میں مسلسل نے ......:-

"طبیعت اچھی پائی ہے۔ شعر اچھا کہتے ہیں۔"[1] لیکن کلام میں ان کے دبستان لکھنؤ کا رنگ موجود ہے۔

سی پارۂ دل نہیں تری زلفِ سیاہ میں ہے رحلِ آبنوس پہ قرآں دھرا ہوا
لکھتا ہے حضرتِ دلِ مرحوم کا جو حال ہر لفظ میری بیت کا ماتم سرا ہوا

دیکھ اپنا تو قفس کو مرے شاخِ گل پہ
فصلِ گل رہ گئی صیاد جو پر زنے تک
آمد و شد کی مسلسل جو کوئی راہ نہیں
سر کو ٹکرائیے دیوار سے در ہونے تک

جب میں نے کہا وصل کا وعدہ نہیں کرتے جھنجھلا کے خفا ہو کے وہ بولا نہیں کرتے
کیا جانیے کیا دل میں ہے اب اُن کے سمایا وہ ناز، وہ غمزہ، وہ اشارا نہیں کرتے
ان سے بھی کبھی ذکر نہیں آتا ہے اس کا ہمرازِ شبِ وصل کو رسوا نہیں کرتے

آنکھوں پہ سرمہ لگائیں اور گلوریاں کھائیں آپ
عاشقوں کے قتل کی تدبیر یوں فرمائیں آپ

---

[1] سخن شعرا ص ۴۳۲

بوسہ بے مانگے عدد کو دیں نہ یہ نیرنگِ عشق　　ایک بوسہ کی طلب پر مجھ پہ یوں جھنجلائیں آپ
خیر تو ہے مجھ سے سودائی کو سمجھانے لگے　　حضرت ناصح سمجھ کر بات تو فرمائیں آپ

اللہ رے کوچہ گردیٔ جاناں کا حوصلہ　　جب پاؤں تھک گئے تو پھرا سر تمام رات

---

(۲۵) مشہور :۔ میاں محمد حسین نام اور تخلص مشہور تھا۔ کلکتہ کے باشندے تھے۔ ان کے متعلق زیادہ معلوم نہ ہو سکا۔ سخن شعرا میں بھی ان کا حال مختصر ہی لکھا ہوا ہے اور کلام کا نمونہ بھی صرف دو شعر ہیں۔ ایک قطعہ تاریخ دفتر بے مثال میں بھی موجود ہے۔

ہوئی ہے پرتو افگن کاکلِ خمدار پانی میں
تعجب کیا جو ہو ہر موج شکلِ مار پانی میں
اگر یونہی رہے زوروں پہ موجِ چشمِ طوفاں زا
حباب آسا ہے گا گنبدِ دوار پانی میں

---

۲۶ ملکہ :۔ انی (ANNE) نام اور تخلص ملکہ تھا۔ بلاکیر (BLOCHER) صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس، کلکتہ کی صاحبزادی تھی۔ بقول ناسخ[۲] "یہ انگریز قوم کی لڑکی خوش خرام، سیم تن، نازک بدن تھی اور علم موسیقی میں اچھا دخل رکھتی تھی۔ ستار خوب بجاتی تھی"۔

رام بابو سکسینہ اور عبدالباری آسی کے بیان کے مطابق[۳] "ولایت میں پیدا ہوئی لیکن شاید تربیت و تعلیم ہندوستانی تھی۔ کلکتہ میں قیام تھا۔"

---

۱ سخن شعرا ص ۵۰۹　۲ تذکرہ نسوانِ ہند کے مولف رفیع الدین بلخی ص ۲۰۴، ۲۰۳ نے بھی یہی باتیں لکھی ہیں۔　۳ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اردو فارسی انگریزی مولفہ رام بابو ص ۲۹۴
تذکرۃ الخواتین مولفہ عبدالباری آسی ص ۵۶-۱۵۵

Marfat.com

سید منظر الحق صاحب فرماتے ہیں :۔

" اردو زبان کی زبردست مداح تھی اور اس کی شیرینی کی دلدادہ موٴلف تذکرہ[۱] یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اردو کے بیان کے مطابق " اردو پر انہیں اچھا عبور تھا اور اس زبان کو بڑی روانی سے بولتی تھیں اور اس میں شعر بھی کہتی تھیں[۲] " نساخ ، رام بابو سکسینہ ، رفیع الدین بلخی ، خواجہ یوسف الدین اور عبدالباری آسی اس پر متفق ہیں کہ " ملکہ مشرف بہ اسلام ہو گئی تھی " رفیع الدین بلخی موٴلف تذکرہ النسوان ہند لکھتے ہیں کہ :

۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۴ء سے کچھ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئی " سال وفات کسی نے بھی نہیں لکھا ہے ۔ ملکہ کے صرف چار شعر تمام تذکروں میں پائے جاتے ہیں اور یہ بھی سخن شعراء سے لئے گئے ہیں ۔

میں نے نالہ جو کسی رات سر شام کیا ۔ ہو گئی نیند بھی ہمسائے کی تا صبح حرام
اس صنم کو ملکہ ہی نے مگر رام کیا ۔ آہ و زاری نہیں سنتے بخدا راتوں کو

ہجر میں دل کو بے قراری ہے ۔ جوش فریاد آہ و زاری ہے
آنکھیں پتھرا کے ہو گئی ہیں سفید ۔ کسی بت کی جو انتظاری ہے

---

(۲۷) منخور : منشی اسد اللہ نام عرف علی جان اور تخلص منخور تھا ۔ والد کا نام حیدر علی تھا[۳] جو شاعر بھی تھے اور حیدر تخلص کرتے تھے ۔ نساخ[۴] کے بیان کے مطابق

---

۱ اہل مغرب کی اردو سے دلچسپی ماہنامہ ندیم گیا ۔ ماہ نومبر ۱۹۳۳ء ص ۵۵ ۲ یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اردو ص ۱۲۵

۳ حیدر علی حیدر منشی غلام نبی مرحوم کے بیٹے اور سند خاں دہلوی کے پوتے تھے ۔ حیدر بڑے ظریف تھے ۔ سخن شعراء میں ان کے پانچ اشعار بطور نمونہ موجود ہیں ۔ تذکرہ بزم سخن میں ایک شعر درج ہے

۴ سخن شعراء ص ۴۵۹

"منخور کے آباؤ اجداد کا وطن قدیم دلی تھا" مگر ولندیزیوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے ہوئے کہ ترک وطن کرکے چنچڑہ ضلع ہگلی کی سکونت اختیار کرنی پڑی اور یہی ان کا قدیمی وطن ہوگیا۔ چنانچہ منخور یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لیے چنچڑہ میں اس کا انتظام کافی نہ دیکھ کر ان کو کلکتہ تعلیم کے لیے بھیجدیا اور یہیں انہوں نے تعلیم پائی۔ منخور کو ابتدائے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثنائے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری کی طرف جھک گئے اور نساخ کو جو کلکتہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے اپنا کلام دکھانا شروع کیا[1]" نساخ مارچ ۱۸۶۲ء میں ہبرا[2] میں تبدیل ہوکر آئے تھے لیکن ان کا قیام کلکتہ ہی میں تھا اور جنوری ۱۸۶۴ء میں تبدیل ہوکر راجشاہی[3] چلے گئے تھے۔ نساخ کے دیوان "دفتر بے مثال مطبوعہ ۱۸۶۳ء میں منخور کا ایک قطعہ تاریخ بھی موجود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۶۳ء کے لگ بھگ ان کے شاگرد ہوئے۔ منخور عاشقانہ اور متین کلام کے علاوہ ریختی بھی کہتے تھے۔ ریختی میں دوگانا تخلص کرتے تھے۔ منخور کے علاوہ انہوں نے مشکور اور اخلاص تخلص بھی اختیار کیا تھا۔ تجارب[5] صحیحہ جلد اول مصنفہ مولانا مولوی معین الدین احمد میں منخور کا ایک قطعہ تاریخ موجود ہے جس میں اُن کے قبل کے تخلص کا ذکر موجود ہے۔ مصنف مذکور لکھتے ہیں :-

"جناب منشی اسد اللہ عرف منشی علی جان صاحب اخلاص تخلص کہ سابق منخور و مشکور ہم تخلص می کردند[6]" خود نساخ تذکرۃ المعاصرین میں لکھتے ہیں کہ :-

"در اوائل منخور تخلص می کرد[7]" قصائد منتخبہ میں نساخ پر جو قصیدہ عبدالعزیز

۱؎ تذکرہ خندہ گل ص ۲۰۹ ۔ ۲؎، ۳؎ خودنوشت سوانح عمری نساخ ص ۹۱ — ۱۰۱

۴؎ قطعہ منتخب ص ۱۳ خندہ گل ص ۲۰۹ ۔ ۵؎ تجارب صحیحہ مطبع علیم الاخبار کلکتہ مطبوعہ ۱۳۰۴ھ

۶؎ تجارب صحیحہ ص ۳۴۵

۷؎ تذکرۃ المعاصرین ص ۱۱

Marfat.com

خواجہ شاگرد ناسخ کا ہے اس میں مشکور تخلص ذکر ہے۔ منحور عدالت ہائیکورٹ کلکتہ میں محرر بزرگ تھے اور تذکرۃ المعاصرین کی تدوین و طباعت کے وقت بقید حیات تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال سے زیادہ تھی۔ تذکرہ مذکور میں ۱۸۹۱ء کے واقعات بھی کسی مصحح نے حاشیے میں درج کئے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ منحور ۱۸۹۱ء تک بقید حیات تھے ورنہ حاشیے میں ان کی وفات کا ذکر ضرور موجود ہوتا۔ بہر حال منحور اردو فارسی دونوں زبانوں پر قدرت رکھتے تھے اور شعر بھی موزوں کرتے تھے۔ ناسخ ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ :۔ "طبع ارجمند دارد" عبدالباری آسی لکھتے ہیں کہ "نہایت پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہو گیا"[1]

منحور کی شاعری میں سادگی بھی ہے سرمستی و سرخوشی بھی ہے۔ مئے پرستی کا ذکر اور بادہ پرستی کی خواہش کا اظہار بھی ہے۔ شوخی و بیباکی، حسن و عشق اور لکھنوی انداز کے غمزے اور کرشمے بھی پائے جاتے ہیں۔ دیوان کے علاوہ منحور نے ایک رسالہ دافع الہذیان بھی مولوی مشیت اللہ سالی منصف راجشاہی کے اعتراضات کے جواب میں لکھا تھا۔ ناسخ نے اس کا یہ قطعہ تاریخ[2] لکھا تھا۔

لکھا منحور نے عجب نسخہ | کہ ہے بے شبہ دافع خفقاں
میں نے تاریخ کا کہا مصرع | ہے یہ نیرنگ دافع ہذیاں

۱۲۸۱ھ

قاطع اللسان میں مولوی مشیت اللہ نے ناسخ کی ایک فارسی غزل جس کا مطلع ہے:

خطت را مشک بیزاں آفریدند | دلم را زخم خنداں آفریدند

پر اعتراض کیا تھا۔ دافع الہذیان انہیں اعتراضات کے جواب میں فارسی میں لکھی گئی تھی۔ مشیت اللہ نے یہ اعتراض ۱۲۸۰ھ میں کیا تھا۔ ناسخ خزان میں لکھتے ہیں :۔

---

[1] خندۂ گل ص ۲۰۹

[2] گنج تواریخ ص ۴۶

Marfat.com

عالی صاحب بنگالی نے ۱۲۸۱ھ میں تھوڑی سی ہذیاں سرائی کی تھی اور حضرت نسّاخ خان بہادر کی ایک غزل فارسی پر کچھ پوچ مہمل اعتراضات کرکے اپنے زعم میں بامِ عرشِ سخن پر کمند لگائی تھی۔ اس کا جواب کافی دافع الہذیاں میں لکھا گیا تھا[1]۔ آج اعتراضاتِ عالی اور دافع الہذیان دونوں ناپید ہیں۔ عالی نے دافع الہذیاں کے جواب میں قاطع اللسان لکھا جس کی تاریخ ایک قطعہ میں نسّاخ نے یہ لکھی تھی:۔

عالی کا جو قاطع اللسان ہے | اس کو وہ سمجھتے ہیں اشارات
پوچھا جو خرد سے سالِ تالیف | بے ساختہ کہہ دیا خرافات

۱۲۸۲ھ

اس رسالے میں عالی نے اپنے نام سے نہیں بلکہ ایک فرضی شخص مقبول کے نام سے لکھا تھا جس کی نشاندہی انسخ نے "خرزن" میں کی ہے ملاحظہ ہو:۔

"اگرچہ عالی صاحب نے قاطع اللسان میں اپنا نام نہ لکھ کر ایک خرپاچیہ مقبول متخلص بہ مقتول کا نام لکھ دیا ہے لیکن بہت سے فقراء خرقہ پوش جو اپنے کو عالی صاحب کے قرابت دار کہتے تھے راجشاہی میں شاید گدائی کے لیے وارد ہوئے تھے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ قاطع اللسان خود خدمتِ عالی کا لکھا ہوا ہے[2]۔ یہ رسالہ بھی اب کہیں نہیں ملتا۔ اس کا بھی پتہ "گنج تواریخ" اور "خرزن" سے چلتا ہے لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منحوراس دور اور ماحول کے مطابق فنِ شاعری پر کافی عبور رکھتے تھے اور اپنے ماحول کے موافق فنِ نقد کے اصول سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

ہیں اپنی ہی زلف و رخ پہ مائل خیال ان کو ہو کیا کسی کا
بس ان دنوں سر چڑھا ہے شانہ نصیب جاگا ہے آرسی کا

---

[1] خرزن مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ عدد ۴۶۵ ص ۱

[2] خرزن (مخطوطہ) ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ عدد ۴۶۵ ص ۱

Marfat.com

ہر قدم پہ ترے ہوتے ہیں ہزاروں پامال کیسی شوخی سے ہیں پڑتے دمِ رفتار قدم

مجھ سے پڑھوائے وہ خطِ غیر کا اے وائے نصیب
یہ بھی تھا اپنے مقدّر کا نوشتہ کوئی

بیٹھو بیٹھو اجی بس نام نہ لو جانے کا آج سنتا ہے کہاں وعدۂ فردا کوئی

جام سے پیتے ہی زاہد کیوں نہ بہکے میکشو مست کر دیتی ہے کم ظرفوں کو چلو بھر شراب

فصلِ گل میں بادۂ گلرنگ سے انکار کیا زاہدا توبہ سے توبہ کر تجھے کچھ ہوش ہے

بتوں سے کر نہیں سکتا کبھی گلہ دل کا عجب طرح کا ہے نازک معاملہ دل کا

خالی نہیں ہے عشق سے دنیا میں کوئی شے لازم ہے آدمی کو کسی سے لگائے دل

جنوں شور افزا ہوا چاہتا ہے پھر اک حشر برپا ہوا چاہتا ہے

ضبط سے کچھ نہ بن پڑا، صبر ذرا نہ ہو سکا
پھر مجھے جانِ مضطرب اس کی گلی میں لے چلی

ہوا وہ بت نہ ہر گز رام اپنا خدا سے میں نے کیا کیا التجا کی

آلائشِ جہاں سے رہیں پاک سر بلند آلودہ ہو نہ گرد سے دامن سحاب کا

Marfat.com

پیشِ حق ہو نہ کسی طور سے باطل کو فروغ　　　لاکھ پوجے کوئی پربت بھی خدا ہوتا ہے

قطعہ

چشمِ بیمار تری جب سے کہ آئی ہے نظر　　　بے خور و خواب ہیں اور مضطرب و زار ہیں ہم
اک نظر لطف کی لازم ہے ادھر بھی پیارے　　　اے مسیحا ترے بیمار کے بیمار ہیں ہم

فارسی

بہ ہر دم می کند در کارِ من نیرنگ سازیہا
بہ بینم تا بکے گردوں کند ایں حقہ بازیہا
چہ گویم قصۂ طولانیِ شبہائے ہجراں را
مگر آموختت از زلفِ سیاہ تو درازیہا
نہ دادے کوہکن بیہودہ ہرگز جانِ شیریں را
گرفتے یاد گر از من طریقِ عشق بازیہا

منظور :۔ آفرین الدین خاں نام اور تخلص منظور تھا۔ ان کے والد منشی تحسین الدین خاں ضلع راجشاہی کے داروغہ تھے اور شاعر بھی تھے۔ تحسین تخلص کرتے تھے۔ منظور موضع جوت پرتاب ضلع مالدہ کے باشندہ تھے۔ خیال یہ ہے کہ منظور نے نسّاخ کو جب وہ راجشاہی میں ڈپٹی مجسٹریٹ تھے تو اپنا کلام دکھانا شروع کیا ہوگا کیونکہ دفترِ بے مثال مطبوعہ ۱۲۸۵ھ میں ان کا کوئی قطعہ تاریخ موجود نہیں۔ نسّاخ کے خیال کے مطابق : "طبیعت اُن کی فنِ شعر سے نہایت مناسبت رکھتی ہے۔" چھ اشعار اور ایک قطعہ ان سے یادگار ہے مزید معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

اڑائے خط کے پرزے کھول کر دیکھا جو نام اپنا
ہزاروں گالیاں قاصد کو دیں سُن کر پیام اپنا

Marfat.com

خدا جانے کیا ہے قتل کس کو آج کافر نے ‌ ‌ ‌ کہ گھبرایا ہوا مقتل سے آیا غرق خوں ہو کر

سکۂ داغ جنوں سے دل تو مالا مال ہے ‌ ‌ ‌ درہم شمس و قمر آگے مرے کیا مال ہے
آہوئے چشم بتاں کو جو پھنسا لیتا ہے صاف ‌ ‌ ‌ جوہر آئینہ اے منظور طرفہ جال ہے

غم ہجر بتاں کا اب تو صدمہ اٹھ نہیں سکتا ‌ ‌ ‌ الٰہی باز آیا اس طرح کی زندگانی سے

مواج:۔ منشی عبدالرحمٰن نام اور مواج تخلص تھا۔ دفتر بے مثال مطبوعہ مظہر العجائب پریس ۱۲۸۰ھ میں منشی عبدالرحمٰن کا ایک قطعہ تاریخ موجود ہے اس میں ان کا تخلص رنجور درج ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ ابتدا میں یہ رنجور تخلص کرتے تھے اسی دیوان کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ نول کشور پریس ۱۲۹۱ھ میں ان کا تخلص مواج ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۸۰ھ کے بعد انہوں نے اپنا تخلص رنجور سے مواج تبدیل کر لیا۔ مواج کے والد کا نام غلام حسین مرحوم تھا۔ مواج کلکتہ کے باشندے تھے اور صدر دیوانی ہائی کورٹ کے نائب محافظ تھے نساخ کے قول کے مطابق:۔

شعر اچھا کہتے تھے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

ہشیار ہو، غفلت میں نہ یوں عمر کو کاٹو ‌ ‌ ‌ چارہ کرو مواج کچھ اس بے خبری کا

خاک ہو عیسیٰ مریم سے مرے دل کا علاج ‌ ‌ ‌ یہ مرض وہ ہے کہ جس کا نہیں درماں پیدا

سو ٹکڑے اگر دل ہے تو سینہ مرا صد چاک ‌ ‌ ‌ احوال نہ کچھ پوچھیے مجھ خستہ جگر کا

بھیجوں خبر میں یار کو ٹیلیگراف میں ‌ ‌ ‌ معلوم تا کہ ہو اسے حال اضطراب کا

Marfat.com

اپنے داغِ دلِ سوزاں سے جو دیتا تشبیہ ماہ میں گرمیٔ خورشید قیامت ہوتی

کیا ہوئی اس سے خطا اور کوا ہی تقصیر پہ تم گراں خاطر ہوئے جو عاشقِ دلگیر سے

رہتا ہے تصور جو تری جلوہ گری کا ہے موجِ ہوا پر بھی گماں بالِ پری کا

نوؔر :۔ صمصام حیدر نام اور نوؔر تخلص تھا۔ منشی حسن علی کے صاحبزادے اور منشی اسد اللہ مغفور جن کا ذکر قبل کیا جا چکا ہے کے چچا زاد بھائی تھے۔ ہوگلی کے باشندے تھے مگر مٹیا گنج میں سکونت تھی۔ آغازِ جوانی میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کا ایک قطعہ تاریخ دفترِ بے مثال مطبوعہ ۱۲۸۰ھ اور مطبوعہ ۱۲۹۱ھ میں موجود ہے لیکن قطعہ منتخب مطبوعہ ۱۲۹۱ھ میں نوؔر کے نام کے آخر میں مرحوم لکھا ہوا ہے اور سخن شعرا میں بھی انھیں مرحوم ہی لکھا گیا ہے۔ قیاس ہے کہ ان کا انتقال ۱۲۸۰ھ کے بعد ہوا ہوگا۔ ان سے تین شعر، ایک قطعہ اور ایک قطعہ تاریخ یادگار ہے۔ نساؔخ کے قول کے مطابق "ان کی طبیعت کو شعر گوئی سے نہایت مناسبت تھی"۔

نمونۂ کلام :۔

جو اعدا دیکھتے ہیں اس پری کو میرے پہلو میں
تو کیا کیا رنگ حربا کی طرح ہر دم بدلتے ہیں
رواں ہیں اشک میگوں فرقتِ ساقی میں کب ہمدم
جگر اور دل لہو ہو کر ان آنکھوں سے نکلتے ہیں
نہ پہنچے ہاتھ اپنے وصل میں بھی پائے نازک تک
اسی حسرت میں مدت سے کفِ افسوس ملتے ہیں

قطعہ

Marfat.com

قاتلِ عاشق جو ہے تیغِ نگاہ — آپ کو ہے چشمِ فتاں پر گھمنڈ
کیوں نہ ہو زیبا ہے اسے شیر زن — تیغ زن کو تیغِ براں پر گھمنڈ

نیساں :- مولوی سید رضی الدین نام اور تخلص نیساں تھا۔ وطن ان کا آرا تھا لیکن سکونت ۲۴ پرگنہ میں تھی۔ مولوی عصمت اللہ الشیخ سے بھی انہیں تلمذ حاصل تھا۔ نساخ لکھتے ہیں :-

" شاگرد مصنف و مولوی عصمت اللہ الشیخ "

ان کے متعلق زیادہ معلومات دستیاب نہ ہو سکیں۔ سخنِ شعرا میں بھی ان کا ذکر موجود نہیں۔ مرغوب دل میں ان کا ایک قطعہ تاریخ فارسی میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نمونہ کلام ان کا نہ مل سکا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ نیساں صرف فارسی میں کلام موزوں کرتے تھے یا اردو میں بھی۔ بطور نمونہ وہ قطعہ تاریخ پیش کیا جاتا ہے:

شد جمع رباعیاتِ نساخ — در ساعت فرخ و ہمایوں
ہستی چو بہ فکر سالِ فصلی — نیساں بہ گو "عروس مضموں"
سنہ ۱۲۸۳ فصلی

وافر :- سید احمد حسین[1] نام اور تخلص وافر تھا۔ ڈھاکہ شہر کے باشندے تھے۔ مدرسہ محسنیہ ڈھاکہ میں انگریزی اور فارسی کے مدرس تھے۔ وافر منشی رحمٰن علی طیش مصنف تواریخ ڈھاکہ کے بیان کے مطابق: "انگریزی میں بھی کلام موزوں کرتے تھے"[2] اقبال عظیم کے خیال کے مطابق:

۱؎ عشرت رحمانی صاحب نے اپنی کتاب اردو ڈراما تاریخ تنقید ص ۱۴۵ میں وافر کا نام ماسٹر احمد حسن لکھا ہے لیکن وافر نے اپنا نام ہر جگہ احمد حسین لکھا ہے۔ خود نساخ نے اپنی سوانح عمری میں بھی ان کا نام احمد حسین ہی لکھا ہے (خود نوشت سوانح عمری نساخ ص ۲۰۳)

۲؎ تواریخ ڈھاکہ ص ۳۴۳

Marfat.com

واقؔر بنگلہ، فارسی، اردو اور ہندی ہر زبان میں شعر کہتے تھے۔ اردو فارسی میں نساخؔ سے انہیں شرفِ تلمذ تھا[۱]۔ " نساخؔ جب ڈھاکہ میں ۵ اپریل ۱۸۸۰ء تا مارچ ۱۸۸۲ء تھے تو واقؔر ان کے شاگرد ہوئے۔ چنانچہ نساخؔ لکھتے ہیں:-

" ڈھاکہ میں منشی احمد حسین صاحب انگریزی ماسٹر مدرسۂ ڈھاکہ متخلص بہ واقؔر میرے شاگرد ہوئے[۲]" طیشؔ کے بیان کے مطابق:-

" حالتِ جنوں میں رحلت کی "

اقبال عظیم صاحب نے ان کا سالِ وفات ۱۹۴۰ء لکھا ہے۔ بظاہر یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ مولوی رحمٰن علی طیشؔ لکھتے ہیں:

" تین چار سال کا زمانہ ہوا کہ حالتِ جنوں میں رحلت کی[۳]" تواریخ ڈھاکہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی اور مولوی رحمٰن علی طیشؔ کا انتقال بقول ان کے بیٹے ڈاکٹر احمد علی "۵ جولائی ۱۹۰۴ء کو ہوا[۴]"۔ اس لحاظ سے واقؔر کا سنِ انتقال ۱۹۰۴ء یا اسی کے لگ بھگ ہو سکتا ہے۔ ۱۹۴۰ء کسی طرح ممکن نہیں۔ واقؔر سے ایک ڈرامہ بھی یادگار ہے۔ اقبال عظیم صاحب نے اس کا سالِ طباعت حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم کے حوالے سے ۱۸۶۰ء لکھا ہے اور اس ڈرامے کا نام "بہارِ بلبل" لکھا ہے اور عشرت رحمانی صاحب نے اسی ڈرامے کا نام اپنی کتاب اردو ڈراما، تاریخ و تنقید میں "بلبلِ بیمار" لکھا ہے۔ نام کے سلسلے میں دونوں بزرگوں سے سہو ہوا ہے۔ اس ڈراما کا نام "بیمار بلبل" ہے اور یہ ڈراما ڈھاکہ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے اور میری نظر سے گزرا ہے۔ اس میں ۴۴[۵] صفحات ہیں۔ ڈراما صفحہ ۴۱ پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد مصنف کی ۵ غزلیں اور ان کے شاگردوں کے قطعات تاریخ درج ہیں۔

---

۱ مشرقی بنگال میں اردو ص۱۰۱۔ ۲ خود نوشت سوانح عمری نساخؔ ص۲۰۲ ۳ تواریخ ڈھاکہ ص۳۴۳
۴ ایضاً۔ ۵ سید اقبال عظیم صاحب لکھتے ہیں "اس کا حجم صرف ۴۰ صفحات ہے۔"

Marfat.com

یہ ڈراما ۱۸۸۰ء مطابق ماہ ساون ۱۲۸۷ھ بنگلہ میں مطبع محمدی ڈھاکہ میں طبع ہوا۔ اس ڈرامے کے متعلق عشرت رحمانی صاحب لکھتے ہیں:

"پہلی بار نظم کے ساتھ مکالموں میں سلیس و شستہ نثر کو شامل کیا گیا اور اس کے گانوں کا انداز بھی بدلا ہوا تھا۔[1] وافر کا خود خیال ہے:-

"اردو زبان میں آج تک اس طرز کی کتاب چھپی نہیں ہے۔ یہ ہوبہو انگریزی طرز پر لکھی گئی ہے۔[2]" نصف صفحہ پر "بیمار بلبل" کا غلط نامہ مشتمل ہے۔ اس ڈرامے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وافر کے کئی شاگرد تھے مثلاً سید محمود حسین سیفت، طالب حسین طرفہ، عبدالعزیز نصار اور عبدالغنی ظرافت۔ عشرت رحمانی کا خیال ہے کہ "یہ اردو ڈراما نویسی کے اس دور میں ایک نیا موڑ تھا اور ڈھاکہ کی ڈرامائی تاریخ کی تبدیلی و ایجاد پسندی کا نیا باب تسلیم کیا جاتا ہے۔[3]" حکیم حبیب الرحمن مرحوم اپنی کتاب ڈھاکہ پچاس برس پہلے صد ۱۴۶ میں لکھتے ہیں:-

"یہ پہلا ناٹک ہے جس میں کسی قدر ڈراما کی شان ہے ورنہ سب کے سب اوپرا تھے۔"

وافر کا کلام "بیمار بلبل" کے علاوہ عام طور پر نہیں پایا جاتا۔ تواریخ ڈھاکہ کے مصنف نے نواب احسن اللہ کی شان میں وافر کے کہے ہوئے قصیدے کے چند اشعار اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔ اس نمونۂ کلام کے علاوہ وافر کا ایک اور قصیدہ اردو اور ایک انگریزی نظم بھی جو انہوں نے اپنے استاد نساخ کی شان میں کہی تھی۔ "قصائد منتخبہ" مرتبہ حافظ محمد عبدالحمید ۱۸۸۰ء میں موجود ہے ان کے انگریزی کلام کا نمونہ بھی عام طور پر نہیں ملتا۔ اسے نوادر میں شمار کیا جاتا ہے۔ قصائد منتخبہ اور سفینۂ منتخب میں[4] دو قطعات تاریخ وافر کے پائے جاتے ہیں جو فارسی

---

[1] اردو ڈراما، تاریخ و تنقید صد ۱۴۹ ۔ [2] "بیمار بلبل" صد ۲

[3] اردو ڈراما، تاریخ و تنقید صد ۴۹-۱۴۸

[4] صد ۳۰

Marfat.com

میں ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ واقف اردو کے علاوہ فارسی پر بھی پوری قدرت رکھتے تھے۔ ان کے قصیدوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ واقف کو شاعری پر پوری پوری قدرت حاصل تھی۔ قصیدوں میں شکوہِ الفاظ، بندش کی چستی، خیالات کی بلند پروازی اور تراکیب کا عمدہ استعمال واقف کی شاعری کے اجزا ہیں۔ لیکن ان کی غزلوں میں دبستانِ لکھنؤ کی جھلک موجود ہے۔

نمونۂ کلام :-

رہتی ہے فکر شانۂ گیسو کی رات دن — دامن ہے چاک چاک ہمارے خیال کا
اے جانِ جاں رہوں نہ مکدر میں کس لیے — دل کو مرے خیال ہے تیرے ملال کا
جو کچھ کہیں کہا کرو واقف بجا درست — حجت کا یاں نہ دخل نہ کچھ قیل و قال کا

ہوں تو دیوانہ پہ رہتا ہوں پری خانوں میں
ایک ہشیار رہوں میں بھی ترے دیوانوں میں
یاد میں مغبچوں کے جھومتے پھرتے ہیں مدام
ان دنوں ہم کبھی گنے جاتے ہیں مستانوں میں
دیکھیے جس کو وہ ہے دار و رسن کا خواہاں
غل انا الحق کا مچا ہے ترے دیوانوں میں
سانپ سا دل پہ مرے لوٹ گیا اے ظالم
زلف لیٹی ہوئی دیکھی جو ترے شانوں میں
کعبۂ دل میں رکھیں کیوں نہ ہم اپنے بت کو
برہمن رکھتے ہیں اصنام کو بت خانوں میں

نساخ نے اپنے تذکرۃ المعاصرین میں اپنے ایک شاگرد مولوی اصغر علی کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

Marfat.com

اصغر تخلص مولوی اسغر مرحوم ابن مولوی محمد اکبر شاہ مدرس اول مدرسہ محسنیہ ہوگلی است۔ وطنش ولایت کابل مولدش ہوگلی است۔ بہ ہنگام بودنم در ہوگلی شعرے چند از نظم گزرانیدہ بود۔ در عین شباب از دار فنا بدار بقا شتافت ص۱۳۱
دو شعر نمونہ کلام جو فارسی میں ہے دیا گیا ہے۔ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں ان کے متعلق نساخ لکھتے ہیں:۔

"ہوگلی میں مولوی محمد اصغر صاحب ابن مولوی اکبر شاہ صاحب مرحوم فن شعر میں میرے شاگرد ہوئے۔ ان کا تخلص اور شعر یاد نہیں ص۱" یہ وہ زمانہ ہے جب وہ ہوگلی میں پڑھنے کے لئے داخل ہوئے تھے اور خود طالب علم تھے۔ ان کے علاوہ نساخ نے منشی عبدالغفور متخلص بہ زائر کو بھی اپنا شاگرد لکھا ہے۔[۱] لیکن زائر کا حال کہیں نہ مل سکا نیز آغا احمد علی مرحوم مدرس فارسی مدرسہ عالیہ کلکتہ خلف آغا شجاعت علی باشندہ ڈھاکہ مصنف مؤید برہان کے متعلق بھی نساخ لکھتے ہیں:

"چند شعر فارسی وارد داز نظم ...... گزرانیدہ بود"[۲]

وفا راشدی صاحب نے منشی دلیل الدین احمد داد مولوی محمد فیض بخش کو نساخ کا شاگرد لکھا ہے۔ ان کا ماخذ خمخانۂ جاوید ہے۔ وفا صاحب لکھتے ہیں:

"شیر ورع شروع میں نساخ سے اکتساب فن کیا پھر ان کے بیٹے شمس سے استفادہ اصلاح لی"[۳] وفا صاحب خمخانۂ جاوید کی عبارت سے دھوکا کھا گئے ہیں۔

لالہ سری رام لکھتے ہیں:۔[۴]

منشی دلیل الدین احمد آپ کے والد مولوی محمد فیض بخش صاحب تعلیم کی ضرورت سے اپنے وطن جہانگیر نگر ڈھاکا کو چھوڑ کر عنفوان شباب ہی میں کلکتہ چلے آئے تھے۔

---

۱ خود نوشت سوانح عمری ص۲۰۳۔ ۲ تذکرۃ المعاصرین ص۱
۳ بنگال میں اردو ص۲۰۰۔ ۴ خمخانۂ جاوید جلد دوم ص۲۲۴

Marfat.com

چنانچہ کچھ دنوں ہگلی کالج میں پروفیسر رہنے کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ میں مدرس رہے۔
آپ (یعنی دلیل الدین احمد) ۱۸۷۸ء میں کلکتہ میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم پائی۔
بندہ ۱۸۹۵ء میں مولینا ابوالقاسم محمد شمس صاحب فرزند نساخ مرحوم کو کچھ غزلیں بغرض اصلاح دکھائیں۔ وہ یعنی (شمس) چونکہ آپ کے والد کے شاگرد بھی تھے اس لیے اُن کی آپ پر خاص توجہ رہی.... "

غور طلب ٹکڑا یہ ہے :۔

" وہ چونکہ آپ کے والد کے شاگرد بھی تھے اس لیے ان کی آپ پر خاص توجہ رہی "
مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ شمس چونکہ دلیل الدین احمد کے والد مولوی محمد فیض بخش کے شاگرد تھے اس لیے شمس دلیل الدین احمد کا خاص خیال رکھتے تھے۔
اسی طرح سید اقبال عظیم صاحب نے شمس کو بھی نساخ کا شاگرد لکھا ہے۔
وہ لکھتے ہیں :۔

" ان کے (نساخ) تلامذہ میں علامہ رضا علی وحشت کے استاد یعنی نساخ کے صاحبزادے جناب شمس کلکتوی اور عصمت اللہ النسخ خاص طور پر قابل ذکر ہیں[1]"
"لیکن حقیقت یہ ہے کہ شمس نے اپنے باپ کو کبھی بھی اپنا کلام نہیں دکھایا مولوی سید لطف الرحمن صاحب شمس کے متعلق لکھتے ہیں :۔

" ان کے والد حضرت نساخ اپنے وقت کے کامل الفن شاعر تھے۔ کلکتہ کے اکثر شعرا ان سے کسب فیض کرتے تھے۔ اس لیے شمس کو اکتساب فن کے لیے کسی غیر کے پاس جانے کی ضرورت نہ تھی لیکن انہوں نے اپنے والد سے کبھی مشورہ سخن نہ کیا[2]"
لالہ سری رام صاحب خمخانہ جاوید کی رائے میں شمس :

" کچھ دنوں اپنے قابل باپ کے شاگرد رشید حضرت النسخ مرحوم سے مشورہ سخن کرتے رہے۔ اس کے بعد اپنے والد کی تحریک سے فصیح الملک مرزا داغ سے تلمذ اختیار کیا[3]"

---

[1] مشرقی بنگال میں اردو (عبدالغفور نساخ) ص۵۵ ۔ [2] نساخ سے وحشت تک ص۱۱
[3] خمخانہ جاوید (پنجم) ص۳۲

Marfat.com

خود اقبال عظیم صاحب نے بھی دوسری جگہ شمس کے متعلق اس طرح لکھا ہے:
"پہلے مولوی سید عصمت اللہ انسخ تلمیذ نساخ سے مشورہ سخن کیا اور پھر داغ دہلوی کے رنگ سے طبیعت کو مناسبت ہو جانے پر ان سے شرف تلمذ حاصل کیا"[۱] ان کے دونوں بیانوں کا تضاد قابل غور ہے۔

سید مقیت الحسن صاحب نے حکیم اشرف علی مست اور حاجی عبداللہ آشفتہ کو بھی نساخ کا شاگرد لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-
"اس گروہ شاگردان میں خاص طور پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ ایک حکیم اشرف علی مست اور دوسرے حاجی عبداللہ صاحب آشفتہ۔ مست دراصل حافظ اکرام احمد ضیغم کے شاگرد تھے، مگر چونکہ نساخ سے بھی اچھی خاصی عقیدت تھی اس لیے ان کی شاگردی بھی اختیار کی"[۲]

نساخ اپنی خود نوشت سوانحعمری میں حکیم اشرف علی مست کے متعلق لکھتے ہیں:
"میرے آنے کی خبر پا کے حکیم اشرف علی صاحب متخلص بہ مست ..... دو تین پہر کے فاصلے پر رہتے تھے، آئے اور میرے مکان میں فروکش ہوئے اور مہینوں رہ کر چلے گئے ...... یہ میرے استاد جناب حافظ اکرام احمد ضیغم کے شاگرد تھے اور شعر عمدہ کہتے تھے۔ جب تک میں سلہٹ میں رہا یہ برابر آتے جاتے رہے"[۳]
ارمغانی مطبوعہ ۱۳۰۳ھ میں ان کی رحلت پر جو قطعہ تاریخ نساخ کا موجود ہے اس کی سرخی ملاحظہ ہو:
"تاریخ وفات حکیم اشرف علی مرحوم متخلص بہ مست رئیس سلہٹ"[۴]
اب آشفتہ کے متعلق ملاحظہ ہو، تذکرۃ المعاصرین میں ان کے متعلق نساخ صاف طور

---

[۱] مشرقی بنگال میں اردو ص ۶۲۔ [۲] نساخ نے اپنی خود نوشت سوانح حیات کی روشنی میں۔ نگار ماہ مئی ۱۹۵۹ء ص ۱۵۔
[۳] خود نوشت سوانح عمری ص ۱۷۲-۱۷۳۔ [۴] ارمغانی ص ۹۳

پر لکھتے ہیں کہ "یہ ضیغم کے شاگرد تھے، وہ فرماتے ہیں:"

"آشفتہ تخلص حاجی ناظر محمد عبداللہ یکے از روسائے سلہٹ خلف ناظر عبدالحمید مرحوم شاگرد حافظ اکرام احمد ضیغم رامپوری است[1]"

ارمغانی میں ان کی وفات سے متعلق جو نساخ کا قطعۂ تاریخ ہے اس کی سرخی یہ ہے: "تاریخ وفات حاجی ناظر عبداللہ مرحوم متخلص آشفتہ یکے از روسائے سلہٹ[2]"

ان شواہد کی بنیاد پر کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ مست اور آشفتہ نے نساخ سے بھی تلمذ حاصل کیا۔ اگر بطور تبرک بھی ان بزرگوں نے نساخ کی شاگردی اختیار کی ہوتی یا ایک آدھ غزل بھی دکھائی ہوتی تو نساخ ان لوگوں میں نہ تھے کہ اس کے ذکر سے باز آتے یا بھول جاتے۔ اصغر اور احمد کی شاگردی اس کی مثالیں ہیں۔

بابو رام سکسینہ نے اپنی انگریزی کتاب[3] "EUROPEAN AND INDO EUROPEAN POETS OF URDU AND PERSIAN" میں نساخ کی ایک اور شاگرد مس ٹکر (MISS TUCKER) کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:—

"مس ٹکر کلکتہ کی تھیں اور عبدالغفور نساخ مصنف سخن شعراء کی شاگرد تھیں۔ ان سے صرف ایک شعر یادگار ہے۔

میں نے نالہ جو کسی رات سرِ شام کیا ہو گئی نیند بھی ہمسایہ کی تا صبح حرام[4]

---

[1] ص ۳۶ — [2] ص ۸۸

[3] یہ کتاب نولکشور پریس لکھنؤ سے سنہ ۱۹۴۱ء میں چھپی تھی۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ محترمی ڈاکٹر شادانی صاحب کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے اور میری نظر سے یہ کتاب گزر چکی ہے۔

[4] یورپین اینڈ انڈو یورپین پوئٹس آف اردو اینڈ پرشین ص ۲۹۶۔

لیکن یہ شعر دراصل اپنی بلاکیر (ملکہ) شاگرد دلستاخ کا ہے چنانچہ لستاخ نے ملکہ (اپنی بلاکیر) کے ذکر میں یہی شعر نقل کیا ہے اور خود رام بابو سکسینہ نے بھی اسی شعر کو اپنی کتاب میں ملکہ سے ہی منسوب کیا ہے ۔

Marfat.com

حصّہ دوّم

(تصانیف)

Marfat.com

Marfat.com

باب اوّل

(تصانیف)

(الف) دواوین:—

۱۔ دفترِ بے مثال—

"دفترِ بے مثال" نسّاخ کا پہلا دیوان ہے۔ اس کا سالِ ترتیب ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۶۰ء ہے اور سالِ طباعت ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۳ء۔ یہ مظہر العجائب پریس کلکتہ میں طبع ہوا۔ تقطیع ۱۲ × ۹ ہے اور ٹائپ میں ہے۔ ابتدائی دس صفحوں پر مشتمل (۱) مولوی نجم الدّین حسین نادرؔ میمن سنگھی (۲) مولوی عبید اللہ العبیدی میدنی پوری اور (۳) مولوی ریاضت اللہ اوجؔ راقم اخبار دوربین باشندۂ ٹپرہ کی فارسی میں تقریظیں ہیں۔ صفحہ ۲ سے ۱۵۵ تک غزلیں، قطعات اور متفرقات ہیں اور صفحہ ۱۵۶ سے ۱۶۵ تک تاریخی قطعات ارتحالِ رشتہ داران، احباب، سربرآوردہ حضرات و دیگر قطعات اور قطعات تاریخی بسلسلۂ ترتیب دیوانِ مصنّف اور ان کے شاگردوں اور احباب کے ہیں۔ دیوان کے آخر میں مصنّف نے تین صفحوں پر مشتمل فارسی میں اپنے حالاتِ زندگی اختصار کے ساتھ، اسباب شعر گوئی اور ترتیبِ دیوان کے متعلق لکھا ہے۔ اس کا ایک نسخہ اورینٹل پبلک لائبریری خدابخش خاں بانکی پور اور دوسرا نسخہ ڈھاکہ یونیورسٹی میں موجود ہے اس دیوان کے مجموعی صفحات ۱۸۸ ہیں۔

نسّاخ نے دفترِ بے مثال کے اس اڈیشن کا ایک نسخہ مرزا غالب

Marfat.com

کو بھیجا تھا۔ اس کی رسید میں مرزا غالب نے نساخ کو جو خط لکھا
اس میں "دفترِ بے مثال" کی بے حد تعریف کی ہے بلکہ مبالغہ کی انتہا کر دی
ہے۔ نساخ نے مرزا غالب کے اس خط کو سند گردانا اور اسے "دفترِ بے مثال"
کے دوسرے اڈیشن میں بطور مقدمہ شامل کر لیا ہے۔

دیوان کی ترتیب پر نساخ نے خود روشنی ڈالی ہے۔ وہ فرماتے ہیں
"........ از کتبِ متعارفہ عربی و فارسی و بنگلہ و انگریزی و اردو
و ہندی حرفِ آشنا گشتہ دستِ طلبِ معاش دراز کردم لیکن
بجائے نرسید۔ چندے بے شغلی بارِ خاطر ماند۔
دران اوان بہر دل بستگی اکثر دواوینِ اساتذہ پیشِ نظر
می داشتم رفتہ رفتہ لذتے از کلامِ موزوں و معانی بند دست داد و شوقِ
مطالعہ اش استیلا گرفت و بایں رسید کہ از فیضِ سخن ہوائے در سرم پیچید...
الغرض گفتہ گفتہ تا چہار ہزار شعر بہ شمار آمد۔ اکثر اوقات ایمائے ہواخواہاں
مربوط بہ ترتیبِ دیوان می شد۔ لیکن ازاں ہم ترقی کردہ متحرک سلسلۂ چھاپ میشدند۔
انگشتِ قبول بہ قبول می گذاشتیم و عذرِ قلتِ فرصت را عرضہ میدادم بہرگاہ گرانی اوشاں پرداختیم
ازتمامی اشعار قریب سہ ہزار چند شعر منتخب کردہ در ۱۲۷۶ھ دیوانے ترتیب دادم و بہ دفترِ بے مثال نامیدم۔"[۵۱]
اس نسخے کے پروف کی تصحیح نساخ کے ارشد تلامذہ منشی اسد اللہ منحور اور مولوی عصمت اللہ مجبور (تلمیذِ نساخ) نے کی تھی۔
اس اڈیشن کا ایک نسخہ مسٹر۔ بی کاول کی وساطت سے مشہور مستشرق پروفیسر گارساں دتاسی کے پاس فرانس بھیجا گیا
نساخ لکھتے ہیں کہ دتاسی نے..... دیوان پر فرانسیسی زبان میں ریویو لکھا اور میرے پاس راجشاہی میں بھیج دیا"[۵۲]
پروفیسر موصوف نے بھی اس کا تذکرہ اپنے چودھویں لکچر مورخہ دسمبر ۱۸۶۴ء میں اس طرح کیا ہے:
"...... ایک دوسری کتاب "دفترِ بے مثال" مجھے بھیجی گئی۔ اگرچہ اس

---

۵۱ دفترِ بے مثال، مظہر العجائب پریس ۱۲۸۱ھ صفحہ ۸۳-۱۸۲، دفترِ بے مثال، لکھنؤ پریس ۱۲۹۱ھ صفحہ ۶۰
۵۲ خود نوشت سوانح عمری نساخ صفحہ ۱۱۹

Marfat.com

کتاب کا نام ایسا ہے کہ اس سے پہلے پہل آدمی دھوکے میں پڑ جاتا ہے لیکن یہ دراصل کلکتہ کے ایک معزز مسلمان کے اشعار کا انتخاب ہے۔ شاعر کا نام مولوی عبدالغفور ہے اور وہ نسّاخ تخلص کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تخلص بھی انکسار کے خیال سے اسی قدر دور ہے جتنا کہ خود کتاب کا نام۔ یہ کتاب اسی سال طبع ہوئی ہے اور ۱۸۲ صفحات پر مشتمل[1] ہے۔ یہ کتاب ٹائپ میں چھپی ہے۔ نسّاخ کلکتہ کے مشہور و معروف عبداللطیف خاں بہادر کے قریبی رشتہ دار ہیں[2]۔"[3]

اس اڈیشن میں اشعار غزلیات کی مجموعی تعداد تین ہزار پانسو انچاس (۳۵۴۹) ہے۔

نسّاخ نے "دفتر بے مثال" کو نظر ثانی کے بعد دوبارہ منشی نولکشور پریس لکھنؤ سے رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ مطابق اکتوبر ۱۸۷۴ء میں طبع کرایا یہ نسخہ کلیات میں بھی شامل ہے۔ پہلے اڈیشن کے برعکس اس اڈیشن میں تقریظیں دیوان کے آخر میں درج ہیں مگر حالاتِ زندگی، اسباب شعر گوئی اور سبب ترتیب دیوان کے شروع میں ہیں۔ مولوی ریاضت اللہ اوج راقم اخبار "دوربین" کی تقریظ اس اڈیشن میں شامل نہیں کی گئی ہے۔ اس کی جگہ مولوی نصیرالدین حیدر متخلص بہ سامی کی تقریظ درج ہے۔

"دفتر بے مثال" کی رسید میں مرزا غالب نے نسّاخ کو جو خط لکھا تھا اُسے بھی تقریظ ہی سمجھنا چاہیئے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے نسّاخ نے

---

[1] یہ دیوان مع تقاریظ و ذاتی حالات وغیرہ کے ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

[2] نسّاخ عبداللطیف خان بہادر کے حقیقی بھائی تھے۔

[3] خطبات گارساں دتاسی مترجمہ و مطبوعہ انجمن ترقی اردو حیدرآباد (دکن)، صفحہ ۲۶-۲۷۔

Marfat.com

اس خط کو "دفترِ بے مثال" کے آغاز میں سب سے پہلے شائع کیا ہے۔

اس اڈیشن میں اشعار کی مجموعی تعداد تین ہزار ستتر ہے۔ پہلے اڈیشن کے ۴۰۸۔ اشعار اس میں شامل نہیں کیے گئے ہیں۔ اضافہ صرف ایک شعر کا کیا گیا ہے اور وہ شعر یہ ہے:۔

جہاں میں سنگ دل سے ہوتی ہے راحت کسے حاصل
نہ ہووے تشنہ لب سیراب ہرگز آبِ آہن سے

اس اڈیشن میں تاریخی قطعات جو رشتہ دار، احباب اور نامی حضرات کے ارتحال سے متعلق ہیں، موجود نہیں ہیں۔ اس کا حجم ۱۸۰ صفحات ہے چھپائی لیتھو کی ہے۔

مولوی سید لطف الرحمٰن صاحب مصنف "نساخ سے وحشت تک" نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ" اس میں کچھ معمیات بھی ہیں[1]"، یہ صحیح نہیں۔ اس دیوان میں ایک بھی معمّٰی موجود نہیں۔ مولوی صاحب موصوف کا یہ خیال بھی ہے کہ" انہوں نے (نساخ نے) اپنا پہلا دیوان دفترِ بے مثال ..... ناسخ لکھنوی کے دیوان دفترِ پریشاں کے جواب میں کہا[2]"

نساخ نے دوسرے اڈیشن میں پہلے اڈیشن کے بعض اشعار میں ترمیم بھی کی ہے۔ یہ ترمیم تین نوع کی ہے:۔

ا۔ اشعار کا کہیں پہلا، کہیں دوسرا مصرعہ بدل دیا ہے۔ (۲) بعض مصرعوں کے لفظوں میں تغیّر و تبدل کیا ہے یا مصرعوں میں الفاظ کی ترتیب کو بدل دیا ہے اور (۳) اشعار کے بعض الفاظ تبدیل کیے ہیں۔ دوسرے اڈیشن میں جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے ۴۰۸۔ اشعار شامل نہیں کیے گئے ہیں

ا۔ نساخ سے وحشت تک ص۳

۲۔ ایضاً ص۵۶

Marfat.com

ناسخ نے کہیں بھی کوئی ذکر اس بات کا نہیں کیا ہے کہ ان اشعار کو انہوں نے کیوں نظر انداز کیا۔ لیکن ان اشعار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رعایت لفظی، پستیٔ مضامین، تکرار مضامین اور سوقیانہ پن اور ان کی ذاتی ناپسندیدگی کے سوا اور کوئی جواز ان کی عدم شمولیت کے نہیں ہوسکتے اس قسم کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

بیں رم کرکے مارا ہے جوان وحشی خصالوں نے
ہماری گور پر ہوشامیانہ چرمِ آہو کا

اے سلیماں خط جو لکھا میں نے اس بلقیس کو
ہدہدِ شہرِ سبا اپنا کبوتر ہوگیا

خال سے آیا خیالِ کاکلِ پیچاں جو رات
مجھ سیہ کوکب نے پائے معنیٔ اختر میں سانپ

بل کھاتی ہے بارِ کاکل سے
ہے نہایت ہی وہ کمر نازک

بوسے دلواؤ عاشقِ مسکیں کو شاہِ حسن
اندیشہ کچھ نہ کیجئے کارِ ثواب میں

قبا کو چاک کر دیتا ہے ناسخ
کہ مجنوں پھاڑ ڈالے پیرہن کو

Marfat.com

پانی ہوا ابھی نوح کا طوفاں پل میں
دیدۂ تر سے نہیں ہے تجھے لگتا بدلی

(الف) ان اشعار کا نمونہ جن کے پورے پورے مصرع بدل دیئے گئے ہیں۔

پہلا اڈیشن۔

درِ شاداب ہیرا کھائے گر اس کی صفا دیکھے
مصفا صورتِ الماس ہے ہر عضوِ جاناں کا

دوسرا اڈیشن۔

نہ ہو کیوں ٹکڑے ٹکڑے پردۂ چشم تماشائی
مصفا صورتِ الماس ہے ہر عضوِ جاناں کا

پہلا اڈیشن۔

(۲) دفن کرنا اس کو لازم ہے فرنگستان میں
کشتہ ہے نسّاخ اس کے کمر کا تزویر کا

دوسرا اڈیشن۔

دم چرانے کا گماں کیونکر نہ ہووے خلق کو
کشتہ ہے نسّاخ اس کے کمر کا تزویر کا

(۳) پہلا اڈیشن۔

جو اترے غسل کو وہ آفتاب دریا میں
تو سجن کے مچھلیاں ہوویں کباب دریا میں

دوسرا اڈیشن۔

جو اترے غسل کو وہ آفتاب دریا میں
ہر اک حباب ہو جامِ شراب دریا میں

Marfat.com

(۴) پہلا اڈیشن۔

کانٹا ہے چشمِ غیر میں میرا یہ جسم زار
افزوں خلش ہو خشک بھی ہونے پہ خار میں

دوسرا اڈیشن۔

کانٹا ہے چشمِ غیر کا میرا تنِ نزار
مژگاں تری کھٹکتی ہے چشمِ ہزار میں

(۵) پہلا اڈیشن۔

جھانکتا عشّاق کو جو وہ بتِ پُر نور ہے
روزنِ دیوار و دَر گویا چراغِ طور ہے

دوسرا اڈیشن۔

شعلہ پیرا اس قدر حسنِ رُخِ پُر نور ہے
روزنِ دیوار و دَر گویا چراغِ طور ہے

(ب) الفاظ یا ترتیب میں تغیّر و تبدّل :۔

(۱) پہلا اڈیشن۔

راز کھل جائے کسی دم گر دلِ پُر شور کا
ہے یقیں دم بند ہو جائے گا بانگِ صور کا

دوسرا اڈیشن۔

قبلِ محشر کھل گیا رازِ دلِ پُر شور اگر
ہے یقیں دم بند ہو جائے گا بانگِ صوُر کا

(۲) پہلا اڈیشن۔

مستوں پہ اس سے کھلتی ہے کیفیتِ جہاں
جمشید کا ہے جام پیالہ شراب کا

Marfat.com

دوسرا اڈیشن۔

مستوں پہ آشکار ہے کیفیتِ جہاں
جمشید کا ہے جام پیالہ شراب کا

(۳) پہلا اڈیشن۔

دل جلا دیتا ہے حسنِ شعلہ رویاں خلق کا
سوزباں سے ہے یہ تقریرِ شعاعِ آفتاب

دوسرا اڈیشن۔

خلق کے دل کو جلا دیتا ہے حسنِ شعلہ رو
سوزباں سے ہے یہ تقریرِ شعاعِ آفتاب

(۴) پہلا اڈیشن۔

ضعف ایسا ہے فراقِ یار میں
لب پہ آسکتا مرے نالہ نہیں

دوسرا اڈیشن۔

ضعف ایسا ہے فراقِ یار میں
نالہ بھی تو لب پہ آسکتا نہیں

(۵) پہلا اڈیشن۔

یکجا تری نگاہ ٹھہرتی نہیں کہیں
صیاد پھر تا رہتا ہے شوقِ شکار میں

دوسرا اڈیشن۔

دم بھر تری نگاہوں کو ہوتا نہیں قرار
صیاد پھرتے رہتے ہیں شوقِ شکار میں

(ج) الفاظ کی تبدیلی:۔

Marfat.com

(۱) پہلا اڈیشن۔

کیا ملکِ دلِ عشّاق کو غارت نگاہوں سے
ہے تیرا دیدۂ سفّاک افسرِ فوجِ خرگاں کا

دوسرا اڈیشن۔

کیا ملکِ دلِ عشّاق کو غارت اشاروں سے
ہے تیرا دیدۂ سفّاک افسرِ فوجِ مژگاں کا

(۲) پہلا اڈیشن۔

یوسفِ زہرو جبیں آکر ہوا ہم خانہ آج
بُرجِ میزاں سے زیادہ ہے مرا کاشانہ آج

دوسرا اڈیشن۔

وہ بتِ زہرہ جبیں آکر ہوا ہم خانہ آج
بُرجِ میزاں سے زیادہ ہے مرا کاشانہ آج

(۳) پہلا اڈیشن

پریشاں ہو برنگِ نکہتِ گل
پڑا سنبل پہ زلفوں کا اگر پیچ

دوسرا اڈیشن

پریشاں ہو برنگِ نکہتِ گل
پڑے سنبل پہ زلفوں کا اگر پیچ

(۴) پہلا اڈیشن

نظروں سے گرا ہوگیا ہر چشم میں وہ خوار
جس پر کہ پڑے اے دلِ شیدا نظرِ عشق

دوسرا اڈیشن

نظروں سے گرا خوار ہوا چشمِ جہاں میں
جس پر کہ پڑے اے دلِ شیدا نظرِ عشق

Marfat.com

(۵) پہلا اڈیشن

تا کجا ہجراں میں چشم و گوش کو
انتظارِ نامہ و پیغام ہو

دوسرا اڈیشن

تا بکے ہجراں میں چشم و گوش کو
انتظارِ نامہ و پیغام ہو

"دفترِ بے مثال" نساخ کے کلام کا پہلا مجموعہ ہے۔ اس میں جو غزلیں وغیرہ شامل ہیں، وہ ان کی ابتدائی مشق کا نتیجہ ہیں۔ اس کی تکمیل کے وقت نساخ کی عمر چھبیس ستائیس سال کی تھی اور وہ غزل کے چودہ ہزار اشعار کہہ چکے تھے جن میں سے ساڑھے دس ہزار قلم زد کر دیئے گئے۔

کلام پر دبستان لکھنؤ کا اثر ہے اور شاعری بھاگ دوڑ زیادہ تر صنعت کی بازیگری دکھلانے، سنگلاخ زمینوں پر طبع آزمائی کرنے، دو غزلہ، سہ غزلہ کہنے کی دھن، مشکل سے مشکل ردیفوں میں کلام موزوں کرنے کی کوشش اور رعایت لفظی وغیرہ تک تھی۔ بات یہ ہے کہ نساخ نے جب شعر گوئی کا آغاز کیا تو سرزمین بنگالہ میں اسی طرزِ لکھنؤ کا بول بالا تھا۔ واجد علی شاہ کے قیامِ مٹیا برج نے اس طرز شاعری کو عروج دے رکھا تھا۔

نساخ کے استاد اور ان کے استاد کے استاد بھی اسی طرز کے پیرو کار تھے۔ شاعری کی محفلوں میں انہیں شاعروں کو داد بھی زیادہ ملتی تھی جو اس رنگ میں لکھنؤ والوں کے مدِ مقابل ہو سکتے تھے۔ چنانچہ نساخ کے لئے بھی یہ ناگزیر تھا کہ وہ اپنے ماحول سے الگ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بناتے۔ یہ بھی اسی رنگ میں پورے طور پر رنگ گئے اور چونکہ لکھنوی طرزِ کلام کے بانی ناسخ تھے لہٰذا انہوں نے بھی ناسخ کو اپنی ابتدائی شاعری میں رہبر بنایا۔ چنانچہ اس دیوان میں

Marfat.com

ایسے مقطعے ملتے ہیں، جن میں انہوں نے ناسخ کے قول کو بڑی آزادی سے تضمین کیا ہے مثلاً :-

(۱) شعلہ رو کے وصف میں نساخ، ناسخ کی طرح
کام کرتا ہے ہمارا خامہ آتش گیر کا

(۲) نہیں نساخ کو شاہی کی خواہش صورتِ ناسخ
یہ تاج و تخت ہے رد کردہ ابراہیم ادہم کا

(۳) مر گیا نساخ بھی کہہ کہہ کے ناسخ کی طرح
زہر گیسو کا بہت ہے اور تھوڑا سانپ کا

(۴) داغ کے وصف میں نساخ بقول ناسخ
نہیں قرطاس یہ دامن ہے کسی گلچیں کا

(۵) کانپتا ہے مہرا اے نساخ ناسخ کی طرح
کھینچتا ہوں جب میں دل سے آہِ آتش بار کو

یوں تو نساخ نے ظفر، ذوق اور کہیں کہیں مصحفی اور مومن کی زمین میں بھی غزلیں کہی ہیں لیکن اس دیوان کی غزلوں کا جب لکھنوی دبستان کے شعراء کے دواوین سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آتش و آباد کی غزلوں کا عموماً اور ناسخ کی غزلوں کا بالخصوص اتباع کیا ہے۔ ان شعراء کی غزلوں کی نہ صرف زمین ہی میں بلکہ خصوصی قافیوں پر طبع آزمائی کی ہے۔ اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں. پہلی صورت تو یہ کہ نساخ اپنے ماحول سے بہت زیادہ متاثر تھے اور ان کے ذہن پر لاشعوری طور پر دبستانِ لکھنؤ کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور اس دبستان کے ناسخ امام تھے۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ میدانِ شاعری میں ان کے ذہن نے اپنا کوئی خاص میدان متعین نہیں کیا تھا لہٰذا ان کے مخصوص رنگ کے خط و خال اس وقت نہ ابھر سکے اور نساخ اسی رنگِ شاعری کو جو ان کے ماحول میں رچا بسا تھا، اپنے لئے بھی معراج سمجھ بیٹھے۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی اس طرز کلام کی جھلک انہیں

Marfat.com

نظر آئی، اسی طرف چل پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ ابتدائی دور شاعری میں جبکہ شاعر کے کلام میں ناپختگی ہوتی ہے، شاعر کے لیے ہر چمکدار شے جاذب نظر معلوم ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں کسی مقام پر ٹھہر جانا یا اسی وقت کسی مقصد کا متعین کر لینا آسان کام بھی نہیں۔ یہ چیز مسلسل مشق اور شاعری میں پختگی آنے پر ہوتی ہے۔ چنانچہ نساخ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ نساخ لکھنوی دبستان شاعری کے بانی اور امام تھے۔ مٹیا برج میں شعر و شاعری کی جو محفل انتزاع سلطنت اودھ کے بعد جمی، اس میں سکۂ رائج الوقت بھی رنگ ناسخ ہی تھا اور ناسخ کے مخصوص رنگ شاعری کے متعلق نیاز فتحپوری لکھتے ہیں، "لکھنؤ کی شاعری میں آورد و تصنع سب سے پہلے انہوں نے پیدا کیا ..... غزل میں ان کا انداز یکسر تصنع تھا اور سوائے رعایت لفظی، شوکت الفاظ، مبالغہ اور بے جا بلند پروازی کے جذبات سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے[۱]" مولانا عبدالحئی مصنف گل رعنا لکھتے ہیں، "ناسخ کی قوت تخیل نہایت زبردست ہے۔ ایک چیز کو وہ سو سو دفعہ دیکھتے ہیں اور ہر دفعہ کے دیکھنے میں ان کو ایک نیا عالم نظر آتا ہے۔ پھر وہ کلام کی بنیاد اس پر قائم کر کے تمثیل اور مبالغے سے اس میں گرمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس قوت کے استعمال کرنے میں اکثر اعتدال سے گزر جاتے ہیں ..... کہیں پر مبالغہ اصلیت اور واقعیت سے اتنا دور جا پڑتا ہے کہ ان کی بلند پروازی کے سامنے آفتاب تارا بن کر رہ جاتا ہے۔ کہیں پر تمام عمارت کی بنیاد صرف کسی لفظی تناسب یا ایہام پر ہوتی ہے۔ کہیں فرضی تشبیہوں اور استعاروں پر شعر کی بنیاد قائم کرتے ہیں جو لطیف اور قریب الماخذ نہیں ہوتے۔ کہیں پر کسی چیز کو کسی چیز سے تشبیہہ دے کر اس کے تمام لوازم اور اوصاف اس میں ثابت کرتے ہیں حالانکہ اس سے کسی قسم کی مناسبت نہیں ہوتی ..... یہ ان کا انداز بیان ہے جس کا نام نازک خیالی یا خیال بندی رکھا گیا ہے[۲]۔" مولانا عبدالسلام

---

[۱] نگار جنوری ۱۹۳۹ء

[۲] گل رعنا صفحہ ۲۸۸

Marfat.com

ندوی کے خیال میں " ناسخ کا کلام تمام تر استعارات و تشبیہات سے لبریز ہے"[۱]
شاگردانِ ناسخ نے بھی اپنے استاد کے تتبع میں اپنی شاعری کی عمارت کھڑی کی تھی اسی لیے یہ لوازماتِ شاعری بھی اُن کا خاصہ رہے ہیں اور بقول مصنفِ شعر الہند " ناسخ اور تلامذۂ ناسخ کا دامن نسبتاً ان کانٹوں میں بہت زیادہ الجھا ہوا ہے"[۲] ۔ چنانچہ نساخ کا بھی اسی رنگ میں رنگ جانا عین قرینِ قیاس ہے ۔ اس کے علاوہ نساخ کی شاعری جن بزرگوں کے دامنِ عاطفت میں پلی بڑھی اور پروان چڑھی وہ بھی اسی رنگِ ناسخ کے پیرو تھے مثلاً رافت، ضیغم اور وحشت ۔

رافت نے بقول شیفتہ " صنائع لفظی میں زیادہ کوشش کی"[۳] اور اسی طرح ضیغم بھی " عروض و صنائع و بدائع شعری میں"[۴] اپنے وقت میں شہرت رکھتے تھے ۔ رشید النبی وحشت، ضیغم ہی کے شاگرد تھے ۔ لہٰذا لازمی طور پر نساخ پر بھی اسی دبستانِ شاعری کا پرتو پڑا ۔

اس ضمن میں ایک بات اور عرض کرنے کے قابل یہ ہے کہ لکھنوی اور مقامی شعراء کی باہمی آویزشوں اور چشمکوں نے بھی ممکن ہے کہ نساخ کو ناسخ کے مدِ مقابل کھڑا ہونے پر مجبور کیا ہو ۔ احمد رضا صاحب کی رائے اس سلسلے میں اہمیت کی حامل ہے ۔ وہ فرماتے ہیں " ان کے استاد مولوی رشید النبی وحشت سلسلۂ جرأت میں منسلک تھے اور براہِ راست رام پوری اساتذہ سے استفادے کی بنا پر وہ لکھنوی شعراء کے کمالِ سخن کے قائل نہ تھے ...... جرأت اور مصحفی طرزِ ناسخ کے خلاف تھے ... ان کی (نساخ کی) جدّتِ طبع نے لکھنوی اساتذہ کے مقابلے پر اُن کو ابھارا ۔ اور انہوں نے ناسخ کی غزلوں پر غزلیں لکھ کر اپنی شاعری کا سکہ دلوں پر

---

۱ شعر الہند جلد اول ص ۱۷۷
۲ ایضاً ص ۱۸۰ ۳ گلشن بیخار (اردو ترجمہ) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ص ۱۱۳
۴ سخن شعراء ص ۲۹۲

Marfat.com

بٹھایا۔[1] چنانچہ نساخ کی اکثر غزلیں ناسخ و آتش کی غزلوں ہی کی زمین، بحر اور قوافی میں موجود ہیں اور یہ ثبوت اس بات کا ہے کہ نساخ کے ذہن پر لکھنوی طرز شاعری کا کافی اثر تھا۔ اسباب اس کے چاہے جو بھی رہے ہوں ماحول، فضا یا ناسخ کی ہمسری۔ "بہارستان سخن" مصنفہ مہدی حسن خاں جس میں ناسخ و آتش کی ہم طرح غزلیں جمع کی گئی ہیں، مواد کے طور پر بھی موجود تھی۔ چنانچہ نساخ نے دل کھول کر ناسخ و آتش کی پیروی میں غزلیں کہیں۔ ان تمام غزلوں کا مقابلہ یہاں ممکن نہیں پھر بھی کچھ اشعار بطور نمونہ پیش کرنا بے موقع نہ ہوگا تاکہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ناسخ و نساخ میں کس کا پلہ بھاری رہا۔ غزلیں صرف ہم قافیہ، ہم زمین اور ہم بحر پیش کی جاتی ہیں۔

ناسخ
مر گیا ہوں دیکھ کر جلوہ رخ پر نور کا
میری لوح قبر کو زیبا ہے پتھر طور کا

نساخ
ہاتھ آ جائے جو خامہ شاخ نخل طور کا
تب رقم ہو وصف اس کے عارض پر نور کا

ناسخ
اس پری کے چہرے کو تشبیہ کس سا سے دیجیے
جس کا ہر نقش قدم دکھلائے نقشہ حور کا

نساخ
ہو زمین شعر میں وصف اس سراپا نور کا
ہے کتاب آسمانی میں بھی مضموں حور کا

ناسخ
تیرہ بختی موذیوں پہ کرتی ہے نازل بلا!
شہد لٹتا ہے شب تاریک میں زنبور کا

---

[1] صحیفہ لاہور اکتوبر ۱۹۶۴ء صـ۹۵ نساخ نے اپنے پہلے دیوان "دفتر بے مثال" میں ایک شعر لکھا ہے ع ٹکڑے ٹکڑے ناسخ و آتش کے دیواں کو کیا

حضرت وحشت کا جب بچہ کو سخن یاد آ گیا صـ۴۴

اگر احمد رضا صاحب کی رائے کو تسلیم کر لیا جائے تو اس شعر سے نساخ کے ذہنی رو کی وضاحت ہو جاتی ہے اور وحشت کا خیال جیسا کہ صاحب موصوف نے ظاہر کیا ہے، اس کی یہ شعر دلیل بن سکتا ہے۔ (مصنف)

Marfat.com

نساخ — موذیوں کے ہاتھ میں دولت رہے، یہ ہے محال
لوٹتی ہے خلق بہرِ شہد گھر زنبور کا

ناسخ — دعوائے باطل سے ہو جاتے ہیں اکثر نامور
شہرہ کیا بانگِ انا الحق نے کیا منصور کا

نساخ — صاحبِ گفتارِ حق کیونکر نہ ہو مشہورِ خلق
حرفِ حق باعث ہوا ہے شہرۂ منصور کا

---

(۱۷) ناسخ — کافی بس اُس کو نشہ ہے بوئے شراب کا
ہو بوجھ جس کے ہاتھ میں ساغر حباب کا

نساخ — اس مست حسن کی جو پڑی آنکھ نشہ میں
لبریز کیوں نہ مے سے ہو ساغر حباب کا

ناسخ — ہر ہر قدم پہ پھوٹتے جاتے ہیں آبلے
نقشِ قدم میں طور ہے چشمِ پُرآب کا

نساخ — مژگاں سے کچھ ضرر نہیں چشمِ پُرآب کو
بے خوف خار سے ہے پھپھولا حباب کا

ناسخ — دیکھی جو اُس کی زلف ہوا محو داغِ دل
ہوتا ہے وقتِ شام غروب آفتاب کا

نساخ — خط نے گھٹا دیا رُخِ پُر نور کا فروغ
ہوتا ہے وقتِ شام غروب آفتاب کا

ناسخ — اُس کی نگاہِ گرم جو پڑتی ہے غیر پہ
ابلیس اب نشانہ ہے تیرِ شہاب کا

نساخ — شیطان کی طرح غیر گریزندہ سن کے ہو
نالوں میں میرے طور ہے تیرِ شہاب کا

Marfat.com

(۳) ناسخ
حال لکھتا ہوں دیدۂ تر کا
موجِ دریا ہے تارِ مسطر کا

نساخ
اس کی غفلت کا حال لکھتا ہے
ہے رگِ خواب تارِ مسطر کا

ناسخ
تھا جو یوسف ہوا نہ وہ بھی عزیز
کیا برادر کو غم برادر کا

نساخ
ظلم اخواں اٹھائے یوسف نے
ہے برادر کو ڈر برادر کا

ناسخ
مست کہتے ہیں جس کو ابرِ بہار
گوشہ ہے میرے دامنِ تر کا

نساخ
نگہہِ یار صاعقہ ہے اگر
ابر پردہ ہے دیدۂ تر کا

ناسخ
ہے شبِ ہجر تا ابد نہیں صبح
نہ رہا خوف روزِ محشر کا

نساخ
ہے جنونی شمار سے باہر
نہیں مجنوں کو خوف محشر کا

---

(۴) ناسخ
گھل گیا ہے پیرہن میں جسم مجھ مایوس کا
ایک عالم کو گماں ہے شمع اور فانوس کا

نساخ
حال سوزِ ہجر میں پوچھو نہ مجھ مایوس کا
جسمِ عریاں پر ہے عالم شمعِ بے فانوس کا

ناسخ
جو ہیں بے درد کیا اُن کو ہے قدرِ داغِ عشق
مرتبہ زخمی سمجھتے ہیں پرِ طاؤس کا

Marfat.com

نساخ — میرے ترک نوجوان تیغ زن کے عہد میں
سونے کی قیمت سے پر بکنے لگا طاؤس کا

ناسخ — ہجر میں تارے ہیں ہونٹوں پر گریباں ہاتھ میں
وصل میں کام اُن سے لیتے ہیں کنار و بوس کا

نساخ — موج آغوش اور دہن اے بحرِ خوبی ہے حباب
شوق دریا کو بھی ہے تیرے کنار و بوس کا

ناسخ — کافرِ عشقِ بتاں ایسا ہوں گر ہو جاؤں قتل
شورِ حلقومِ بریدہ سے اُٹھے ناقوس کا

نساخ — بات وہ کرتے نہیں اور نالے کرتا ہے یہ دل
بُت کی خاموشی کے باعث شور ہے ناقوس کا

مندرجہ بالا اشعار کے تقابلی مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نساخ نے نہ صرف رنگ شاعری ناسخ کا اختیار کیا بلکہ تلاشِ مضموں، مبالغہ آرائی، استعارات اور تشبیہوں کی پر کشش چمن آرائی میں بھی نساخ، ناسخ ہی کی طرح سرگرداں رہے ہیں اُن کی بھی زیادہ سے زیادہ کوششیں یہی رہی ہیں کہ دور کی کوڑی لائیں اور اپنے اس مقصد میں نساخ اکثر و بیشتر کامیاب بھی ہوئے ہیں بلکہ کہیں کہیں تو اُن کا سمندِ خیال اس بلندی پر پہنچ گیا ہے کہ ناسخ اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے ہیں۔ اُن کی تشبیہوں اور استعاروں میں ندرت اور طرفگی بھی ہے۔ مبالغہ میں واقعیت کا پرتو بھی ہے۔ بندشیں بھی عمدہ ہیں، ترکیب بھی صاف ہے۔ غرض یہ کہ ناسخ کے رنگ کو نساخ نے جلا دی ہے ذیل کے اشعار اس کی مثال ہیں:

ناسخ — گھل گیا ہے پیرہن میں جسم مجھ مایوس کا
ایک عالم کو گماں ہے شمع اور فانوس کا

نساخ — حال سوزِ ہجر میں پوچھو نہ مجھ مایوس کا
جسمِ عریاں پر ہے عالم شمعِ بے فانوس کا

Marfat.com

ناسخ	سرو ہے باغِ جہاں میں وہ صنم نامِ خدا ہے بجا اُس کو پسند آئے جو کپڑا اچھال کا
نساخ	ایک سروِ گلشنِ خوبی نے مارا ہے مجھے چاہیے میرے کفن میں ہووے کپڑا اچھال کا
ناسخ	مار دیتا ہے فقیروں کو امیروں سے سوا بوجھ کم ہوتا ہے کمل سے نہایت شال کا
نساخ	ہیں فقیر آزادِ غم اور زیرِ بارِ غم امیر بوجھ گو ہوتا ہے کمل سے بہت کم شال کا

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ بہ حیثیتِ مجموعی ناسخ کا مرتبہ نساخ سے فروتر ہے۔ ناسخ اپنے رنگ اور اپنے وقت کے مسلم الثبوت استاد ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ اس رنگِ خاص میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔ بایں ہمہ نساخ رنگِ لکھنؤ میں ایک امتیاز رکھتے ہیں۔ اس محل پر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ نساخ کا وطن لکھنؤ نہیں بلکہ بنگال تھا، جہاں اردو لوگوں کی گھٹی میں نہیں پڑی تھی۔ اوڑھنا بچھونا اردو نہیں تھی۔ یہ لکھنؤ والوں کی طرح اپنے آپ کو اہلِ زبان اور اہلِ کمال نہیں گردانتے تھے بلکہ خالص بنگالی تھے۔ جہاں کی عام زبان بنگلہ تھی اور اردو کو ثانوی حیثیت حاصل تھی لہٰذا اس پس منظر کو پیشِ نظر رکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ نساخ کا یہ بڑا کمال تھا کہ انہوں نے پیرویٔ لکھنؤ میں غضب کے اشعار نکالے ہیں اور ناسخ کے مدِ مقابل خم ٹھونک کر آئے تو اُن سے ہیٹے نہیں رہے۔

اس دیوان میں انہوں نے اپنے ماحول کی مطابقت سے دبستانِ لکھنؤ کا پورا پورا اتباع کیا ہے اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے دبستانِ لکھنؤ کے امام ناسخ کا اثر لیا اور اس میں کمال بھی پیدا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناسخ ہی طرح نساخ بھی بجائے دل کے دماغ سے شاعری کرنے لگے اور معنوی خوبیوں کی بہ نسبت لفظی خوبیوں کا زیادہ تر خیال رکھا۔ صنائع بدائع پر طبع آزمائی کی۔ زیادہ سے زیادہ شعر

Marfat.com

کہتے اور سنگلاخ سے سنگلاخ زمینوں کو اپنی فکر کا جولانگاہ بنایا۔ ناسخ خود کہتے ہیں ؎

کھود ڈالی کیسی ہی ہووے زمینِ سنگلاخ
کلک میں اپنی ہے عالم تیشۂ فرہاد کا

دوغزلے، سہ غزلے بلکہ چہار غزلے بھی کہہ ڈالا۔ ممکن قافیوں کو آزمایا۔ ردیفیں بدل بدل کر اسی زمین میں غزلیں کہیں۔ صنائع لفظی اور الفاظ کی بازیگری کو شاعری کی معراج گردانا تو نتیجہ ظاہر ہے کہ ناسخ کی طرح اُن کا کلام بھی روحانی کوائف اور قلبی تاثرات سے خالی ہی رہا اور معشوق کے خارجی اوصاف جمالِ جسمانی اور لوازماتِ آرائش کا عنصر غالب رہا چنانچہ اسی لیے اس دیوان میں سبزۂ خط، کاکلِ پیچاں، چشمِ میگوں، خالِ فتنہ، کمر معدوم، پان، سُرمہ، انگیا، کرتی، خلخال، مانگ، ٹیکا، شانہ، ساق، کان کی بجلی، مہناں، چاہِ زنخداں، دہانِ تنگ، انگیا کی چڑیا، پازیب کی جھنکار، بوسۂ لبِ شکر خائے بتاں، مسّی مالیدہ لب، پستانِ سُرخ، محرمِ آب رواں، کان کی مچھلی، غبغب، پلّۂ حنائی، دستِ حنائی، چاہِ ذقن، سیندور، آرسی وغیرہ کے مضامین اکثر و بیشتر مزے سے کہ اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ ذوقِ سلیم پر گراں گزرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فلسفیانہ خیالات اور حکیمانہ افکار تقریباً مفقود ہیں۔ البتہ صنائع لفظی کو ناسخ نے شاعری کا کمال تصور کرتے ہوئے نہایت فنکاری اور چابکدستی سے استعمال کیا ہے کیونکہ یہی چیز اُن کے لیے معراجِ شاعری تھی اور اسی رنگ میں اپنے کمال کا مظاہرہ کر کے اپنے ہم چشموں سے اپنی استادی کا انہیں لوہا منوانا تھا۔

Marfat.com

(۲) اشعارِ نسّاخ

"اشعارِ نسّاخ" نسّاخ کے دوسرے دیوان کا تاریخی نام ہے جس سے سنہ ۱۲۸۳ھ تاریخ نکلتی ہے۔ یہ دیوان بھی منشی نولکشور پریس لکھنؤ میں رمضان المبارک سنہ ۱۲۹۱ھ مطابق اکتوبر سنہ ۱۸۷۴ء میں طبع ہوا۔ مولوی سید لطیف الرحمٰن نے اس دیوان کا سالِ طباعت سنہ ۱۲۸۲ھ[1] لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اس کا حجم ۹۴ صفحہ ہے۔ تین صفحوں پر مشتمل تقریظ بزبان فارسی ہے۔ اشعار کی مجموعی تعداد ایک ہزار چھ سو بیاسی (۱۶۸۲) ہے غزلوں کے علاوہ انیس قطعات، ایک قصیدۂ ناتمام، آٹھ رباعیاں اور ۴۳ معمیات ہیں جن میں اردو معمّیات کی تعداد صرف ۹ ہے، ۱۰ متفرق اشعار اور ایک مثلث خواجہ آتش لکھنوی کی غزل پر موجود ہے۔

دیوان کی ابتدا ایک فارسی غزل سے ہوئی ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

خدایا شوخیٔ ارنی عنایت کن زبانم را
بزن آتش زشمع لن ترانی جسم و جانم را

اشعارِ نسّاخ میں "دفترِ بے مثال" کی بھی ایک غزل ہے جسے دوسرے اڈیشن یعنی مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ء میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ اس غزل کے ۹۔ اشعار کو اسی زمین کی چار غزلوں میں شامل کر دیا گیا ہے۔ البتّہ دو شعر ؎

پنجۂ رنگیں سے ہے توقیر پشتِ آئینہ
ہو یدِ بیضا سے اب تنویر پشتِ آئینہ
وقتِ تزئیں میرے اس کے آئینہ پردہ ہو گر
کیوں نہ ہوں میں صورتِ تصویرِ پشتِ آئینہ

---

[1] "نسّاخ سے وحشت تک" ص ۳۷

Marfat.com

میں ترمیم کر کے شامل کیا گیا ہے ؎

اس کفِ رنگیں سے ہے توقیر پشتِ آئینہ
رشکِ گلشن بن گئی تعمیرِ پشتِ آئینہ
وقتِ تزئیں کیوں نہ ہووے دست و رخسار صنم
وقفِ روئے آئینہ جاگیرِ پشتِ آئینہ

اس دیوان میں نساخ نے صنعت کی دل کھول کے داد دی ہے اور مختلف صنائع لفظی و معنوی اور مشکل قوافی پر غزلیں کہی ہیں۔ ان کی ایک غزل جس کا مطلع یہ ہے ؎

بازوئے او شاخِ سمن چشمانِ او تیغِ قضا
گیسوئے او مشکِ ختن مژگانِ او تیرِ جفا

اس کے متعلق نساخ لکھتے ہیں "مطلع در صنعت ترصیع ولف ونشر مرتب یا غیر مرتب و چہار قافیہ دارکہ بہ سی و دو طور خواندہ می شود"[1]۔
اسی غزل کے متعلق مزید لکھتے ہیں " اگر مصرعہائے اوّل مطلعہائے مرقومہ بالائے رامصرعہائے دوم رامصرعہائے اوّل قرار دہند سی و دو مطلع ہائے دیگر نیز برمی آیند و باز ایں مطلع ہائے بلا رعایت صنعت ہائے مندرجہ ایک صد و نود و دو مطلع ہائے دیگر پیدا می شوند و اگر مطلقاً رعایت قافیہ کردہ نہ شود صدہا اشعار پیدا خواہند شد کہ بر اصحاب طبع سلیم و ارباب ذہن مستقیم مخفی نخواہد ماند"[2]
ایک غزل ایسی بھی ہے جو صنعت ترکِ اضافت فارسی میں ہے۔ مطلع اس کا یہ ہے ؎

پیچ کی باتیں سناتے ہیں مجھے ——— پھر نئے سر سے پھنساتے ہیں مجھے

" اشعار نساخ میں نساخ نے دو غزلہ، سہ غزلہ، چہار غزلہ وغیرہ کے علاوہ

---

[1] " اشعار نساخ ص۱۷ [2] اشعار نساخ ص۱۹

Marfat.com

ایک غزل ایسی بھی لکھی ہے جو ہفت غزلہ ہے۔ اس دیوان میں ان کا رنگ دبستان لکھنؤ اپنے پورے شباب پر ہے اور سخت سے سخت قوافی و ردیف اور سنگلاخ سے سنگلاخ زمین میں اُن کی غزلیں موجود ہیں مثلاً فلک پر چاند سورج، زبان ہو کر، نثار کر دیا ہم کو، تصویر پشتِ آئینہ، چمن میں دھوم ہے، تحریر پیراہن میں ہے، کافور میں گرمی، تقریر میں گرمی وغیرہ۔

ناسخ کا اتباع اس دیوان میں کم ہو گیا ہے اور صرف چند غزلیں ایسی ہیں جو ناسخ کی زمین، بحر اور قوافی میں ملتی ہیں۔ البتہ ایک بات ضرور ہے کہ نساخ نے ادب برائے ادب، پر پورا پورا عمل کیا ہے اور فنِ شاعری کے ظاہری لوازمات یعنی آرائشِ الفاظ کو خوب چمکایا ہے اور عروسِ سخن کو بھاری بھرکم زیورات اور عروسانہ لباس پہنا کر زیادہ سے زیادہ شاعری کو بوجھل بنا دیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلام معنی کی گیرائی اور بلندی سے خالی ہے۔ شعر ایسی حالت میں زیادہ تر بیت برائے بیت ہو کر رہ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نساخ نے اپنی صنعت گری اور فنی بازیگری سے اہلِ لکھنؤ پر جو مٹیا برج میں موجود تھے، اپنی شاعری، فن اور دشوار گوئی کا سکہ بٹھانے کی کوشش کی ہے اسی لیے اس دیوان میں اُن کے اشعار میں زیادہ جان نہیں البتہ اس سے اُن کی قادر الکلامی کا اچھی طرح پتہ چلتا ہے۔

اس دیوان میں بعض بعض ایسی غزلیں بھی موجود ہیں جو مومن کی زمین اور بحر و قوافی میں ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ایک سہ غزلہ کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں، اور اُن کے مقابل مومن کی غزل بھی درج کی جاتی ہے جس میں وہ مومن سے داد بھی طلب کرتے ہیں ؎

مومن — موئے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

نساخ — ہمیں سے کرتا ہے بل تیرا گیسوئے پیچاں
بلائے جاں عدو وہ بلائے جاں نہ ہوا

Marfat.com

مومن — خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

ناسخ — ہوں پاس تو بھی گماں ہے کہ ہے کسی کا خیال
ترا گماں کبھی دور بدگماں نہ ہوا

مومن — ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پہ
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

ناسخ — وہ بارِ عشق ملائک جسے اٹھا نہ سکے
پری رخو سرِ دیوانہ کو گراں نہ ہوا

مومن — امیدِ وعدۂ دیدارِ حشر پر مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا

ناسخ — لگا یا دل کو تو گو حوریانِ جنت سے
یہ آرزو رہی حسرت کشِ بتاں نہ ہوا

ناسخ — مری غزل کی بھلا کون داد دے ناسخ
ہزار حیف کہ مومن سا نکتہ داں نہ ہوا

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ناسخ اس دیوان میں رنگِ مومن کو کامیابی سے اپنا نہیں سکے ہیں۔ مومن کے اشعار میں جو بات ہے، جو نکات ہے وہ ناسخ کہاں سے لاتے لیکن اُن کی طبیعت کے رجحان کا اندازہ لگانے میں یہی اشعار سنگِ میل کا کام کرتے ہیں جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے کہ اس دیوان یعنی "اشعارِ ناسخ" میں ناسخ کا فنِ شاعری صرف خوبصورت الفاظ، مبالغہ و لغو، نئے نئے قوافی کو نئے ڈھنگ سے باندھنے اور تشبیہوں اور استعاروں کے گورکھ دھندے بنانے میں اپنے انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ پہلے دیوان (دفترِ بے مثال) میں وہ کبھی ظفر، ذوق، آتش اور بیشتر ناسخ کی سخت سے سخت زمین میں طبع آزمائی کرتے نظر آتے ہیں۔ اُن کی شاعری لکھنؤ

Marfat.com

دبستان کے شعراء اور بالخصوص ناسخ کی پیروی میں ہنیچتی ہے اور یہی اُن کی طرز بھی ہے۔ دوسرے دیوان (اشعار نساخ) میں ناسخ کے مخصوص رنگ کو اور برتنے کی کوشش کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اُن کی شاعری چیستاں اور کوہ کندن و کاہ برآوردن کی مصداق بن کر رہ گئی ہے۔ اس دیوان کی بعض غزلوں میں وہ مومن سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مومن کی زمینوں میں غزلیں بھی کہی ہیں اور مومن، غالب اور ذوق سے دادِ سخن بھی چاہی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ لکھنوی رنگ سے اُکتا گئے ہیں اور اُن کا کعبۂ مقصود اب لکھنؤ یا طرزِ لکھنؤ نہیں، بلکہ دلّی اور طرزِ دلّی ہے۔ اگرچہ اس دیوان میں طرزِ دلّی کی سادگی یا دبستانِ دلّی کے رنگ کے اشعار نہیں ملتے اور نساخ کے لیے ہی کیا کسی دوسرے شاعر کے لیے بھی یک بیک اپنی ذہنی رو کو موڑ لینا آسان کام نہیں۔

نساخ کی شاعری میں یہ موڑ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ نساخ کا پورا ماحول دبستانِ لکھنؤ کا چربہ تھا۔ خود نساخ نے بھی اپنے دو دیوان میں اسی محور کے گرد گردش کی اور اسی رنگ کے تانے بانے بھی تیار کیے۔ مگر یہ ذہنی رو اُن کی آئندہ راہ کی غمازی کر رہی ہے اور اُن کا دیوان دوم (اشعار نساخ) اُن کے تانے کی آخری کڑی ہے کیونکہ آگے چل کر ہم اُن کے بقیہ دو دیوان... (ارمغان و ارمغانی) میں دہلوی طرزِ شاعری کے اثرات پاتے ہیں۔

Marfat.com

۳ ارمغان

ارمغان نساخ کا تیسرا دیوان ہے اور نام "ارمغان" تاریخی ہے۔ جس سے تاریخ ۱۲۹۲ھ نکلتی ہے۔ ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں یہ دیوان مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا۔ دیوان کا سالِ ترتیب ۱۲۹۲ھ ہے جیسا کہ خود نساخ نے لکھا ہے[۱]؎

صد شکر کہ یافت حسن انجام | این نامۂ نامۂ ارمغاں نام
چوں آخر آر ز دست زیبا | شد سال وے آخرِ تمنا

لیکن اقبال عظیم[۲] صاحب مولوی سید لطیف الرحمٰن[۳] اور علامہ[۴] وحشت مرحوم نے اسی سالِ ترتیب کو ارمغان کے مادہ تاریخ کی بنا پر ۱۲۹۲ھ لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ اس دیوان کا سالِ طباعت ۱۲۹۴ھ ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن شاکر کے قطعہ تاریخ طباعت[۵] سے معلوم ہوتا ہے۔ اس قطعہ کے دو آخری شعر میرے بیان کی تائید کرتے ہیں ؎

بصوت چھپا جب یہ دیوان نیا
لکھا شعر شاکر نے تاریخ کا
چھپا کیا ہے دیوان نساخ کا
کسی نے نہیں ایسا دیوان کہا"
۱۲۹۴ھ

اس دیوان کا حجم ۱۲۸ صفحہ ہے جس میں صرف ۸۵ صفحات تک غزلیں، رباعیات اور ۳ مخمسات مرقوم ہیں اور بقیہ صفحے تقریظوں اور تاریخی قطعات

۱؎ ارمغان ص ۱۲۶۔ ۲؎ مشرقی بنگال میں اردو ص ۵۷۔ ۳؎ نساخ سے وحشت تک ص ۳۷۔ ۴؎ اردوئے معلیٰ اکتوبر، نومبر ۱۹۰۸ء ص ۲۔ ۵؎ ارمغان ص ۸۶

Marfat.com

پر مشتمل ہیں۔ آخری صفحہ پر غلط نامہ درج ہے۔ تقریظوں میں سید محمود آزاد، جہانگیر نگری (ڈھاکہ) مرزا احمد شیرازی مخمور، مولوی عبدالواحد محسود مدرسہ ڈھاکہ، منشی عبدالنعیم تائب الائچی پوری (ڈھاکہ) منشی سید آغا علی شمس، مولوی عبدالحکیم نصرت میمن سنگھی، مولوی ابو معین محمد عضدالدین عضد، مولوی عبیداللہ العبیدی وغیرہ کی منظوم فارسی اور سید وارث علی سیفی فرخ آبادی کی اردو تقریظیں مع تاریخی قطعات بھی موجود ہیں۔ یہ نساخ کا پہلا دیوان ہے جس میں اس قدر کثرت سے قطعاتِ تاریخ اور منظوم تقریظیں لکھی گئی ہیں۔ اس سے اُن کی ہمہ گیری، مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا پتہ چلتا ہے کہ سرزمینِ بنگال میں وہ کس قدر مشہور تھے۔

نساخ کے اس دیوان میں غزلوں اور فردیات کے علاوہ ۹ قطعے، ۵۰ رباعیاں جن میں صرف ایک رباعی فارسی کی ہے اور تین معمیات ہیں۔ معمّیٰ اردو میں صرف ایک ہے۔ مذکرہ بالا رباعی اور معمیات کے علاوہ نساخ کا فارسی کلام اس دیوان میں اِلّا اس ایک شعر ؎

در دلم عشق راہ کرد و گذشت
رخنہ در خانقاہ کرد و گذشت

کے موجود نہیں۔ یہ خالص اردو کا دیوان ہے اور بر خلاف دفترِ بیمثال اور اشعار نساخ کے اس دیوان کی غزلیں بھی طویل نہیں ہیں۔ بعض بعض زمینوں میں غزل کے صرف دو ہی شعر کہے ہیں۔ صنائع بدائع کی بازیگری بھی اس دیوان میں نہیں دکھائی گئی ہے۔ زبان نرم، شستہ اور الفاظ بھی سیدھے سادے استعمال ہوئے ہیں۔ لکھنوی رنگِ تغزل سے اس دیوان میں احتراز کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

"اشعارِ نساخ" کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ نساخ نے اپنے اشعار کی داد پانے کے لیے کہیں کہیں شعرائے دلی یعنی غالب و مومن کو مخاطب کیا تھا اور یہ اظہار بیان لکھنوی رنگ سے اکتا جانے کی غمازی کرتا ہے۔ اس درمیان میں نساخ ۱۲۸۴ھ

Marfat.com

(۱۲۸۴ھ ۱۸۶۷-۶۸ء) اور ۱۸۸۳ء (۱۳۰۰ھ) میں دلّی کا سفر کر چکے تھے۔ وہاں کے مشاعروں میں ان کی شرکت ہو چکی تھی۔ اساتذۂ دہلی کا کلام انہوں نے سنا تھا۔ چنانچہ شعرائے دہلی کی سادہ گوئی اور لفظی بازیگری سے اجتناب نے نسّاخ کو ضرور متاثر کیا ہوگا نسّاخ نے دہلی کے مشاعروں میں شرکت کی تھی، اس کا تاثر خود اُن کی زبانی ملاحظہ ہو ؎

"دہلی میں کئی مشاعروں میں شریک ہوا اور بڑا لطف اٹھایا۔"

اس کا اُن پر اثر ہوا اور انہوں نے اپنی شاعری کا رُخ لکھنؤ سے دلّی کی طرف موڑ لینے کی کوشش کی۔ ارمغان کا سالِ ترتیب اور سالِ طباعت نسّاخ کے دلّی کے مذکورہ دو سفروں کے بعد کا ہے۔ اسی لئے ہمیں ارمغاں میں اسی تاثر کا نتیجہ یعنی دہلوی رنگ بھی ملتا ہے۔ زباں سبک، نرم اور پُر اثر استعمال ہوئی ہے۔

نسّاخ نے اساتذۂ دہلی مثلاً غالبؔ، مومنؔ، شیفتہؔ، حالیؔ، مجروحؔ کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار کے مطالعہ سے دبستانِ دہلی کی طرف اُن کے رجحان کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ؎

خفا کیوں ہو گئے تم یہ ہوا کیا
مری تقصیر کیا میری خطا کیا
ہے تیری چال کا انداز ہی اور
کوئی پیغام لائی ہے صبا کیا

ہے رنج یہی مجھ کو کیوں رنج دیا تم کو
تھا خوب جو حال اپنا تم نے نہ سنا ہوتا
اُن کے تو نہ آنے پر ہم جان کو دے بیٹھے
بتلاؤ کوئی ہم کو وہ آتے تو کیا ہوتا
میں ہجر میں مدت سے تو صبر کا خوگر تھا
گر مجھ سے نہ ملتے تم کیوں رنج سوا ہوتا

Marfat.com

دشمن کا اگر میں نے کیا ذکر ہوا کیا
ہے بات تو کچھ ورنہ بگڑتا ہے بھلا کیا

مجھ کو بچا لیا ستمِ روزگار سے
احسان میری جان پر ہے جورِ یار کا

پہچانتا ہوں تجھ کو نہ کھاؤں گا پھر فریب
آخر تو کچھ سبب ہے ترے التفات کا

ہم سے دیوانے کو کرتا ہے نصیحت ناصح
تجھ سے بڑھ کے کوئی دنیا میں بھی ناداں ہوگا

شکوہ کیا وصل میں کرتے اس سے
یاد آیا بھی تو کم یاد آیا!!

وہ کیا بدل گئے کہ زمانہ بدل گیا
نقشا خ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب

ہشیار ہے تو ایک تری چشمِ مست ہے
ورنہ جو تیری بزم میں ہے بیخبر ہے آج

وہ، اور ہمارے گھر میں آئیں
قاصد ہم، اور فریب کھائیں

Marfat.com

آئی ہے لبوں پہ جان نسّاخ
آنا ہو اگر تو جلد آئیں

میں نے کہا تو کی عدو سے یاری
سچ ہے میں ہی تو بے وفا ہوں

نسّاخ اگلی صحبتوں کو ڈھونڈھتی ہے آنکھ
وہ اہلِ بزم کیا ہوئے وہ انجمن کہاں

کہوں کسی سے اگر میں تو کون مانے گا
کہ اپنے دل پہ نہیں ہائے اختیار مجھے

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں
اس میں ذلت ہے تو ذلت ہی سہی

نہ کہیں تاڑ جائے بزم میں غیر
میں نے اُن کی طرف نگاہ نہ کی

کیا ناصح نے بھی افسوس مجھ پر
جو نام ان کا سنا میری زباں سے

چنانچہ اتباعِ دہلی میں ہلکی پھلکی بحروں کا استعمال، صاف اور سادہ زبان
مضامین میں داخلی کیفیت اور جذباتِ لطیف کی عکاسی، حسن و عشق کی کرشمہ سازیاں

Marfat.com

وغیرہ اس دیوان میں جا بجا ملتی ہیں۔ "ارمغان" میں شعوری طور پر اساتذۂ دہلی کے اتباع کی کوشش کی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنوی طرزِ شاعری کی بھول بھلیاں پھیکے مضامین اور لایعنی لفظی بازیگری سے ایک حد تک ان کا جی بھر گیا تھا اور دہلی کی ہمہ گیری، اصلیت اور واقعیت اور فطری جذبات نگاری سے متاثر ہو کر انہوں نے اپنا رنگ بدلنے کی کوشش کی لیکن لکھنوی طرزِ شاعری سے اجتناب کے باوجود بھی اس دیوان میں دبستانِ لکھنؤ کے اشعار جا بجا ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ جرأت کی طرح معاملہ بندی کے اشعار بھی نساخ کے اس دیوان میں پائے جاتے ہیں۔ اس قسم کے اشعار میں جنسی لگاؤ کا پہلو نمایاں ہے، جسمانی لذت کا اظہار ہے۔ بوس و کنار اور محبوب سے چھیڑ چھاڑ کی کیفیت بھی موجود ہے ؎

آنکھ کا ڈھیلا نہ رکھا ہو کسی مشتاق نے
بند کیوں کر ہو گیا روزن تری دیوار کا

جھانکتے اُن کو اگر دیکھا نہیں اغیار نے
بند ہونا بے سبب ہے روزنِ دیوار کا

ہوئے بزمِ اعدا میں وہ بے حجاب
کرشمہ ہے یہ بادۂ ناب کا

لینے لگے جو وصل میں بوسے وہ بول اُٹھے
اللہ کیا کروں یہ مری جان کھا گیا

ازبس کہ ہے مجھے شوقِ ہم آغوشیٔ جاناں
مجھ سے ادبِ شرم و حیا ہو نہیں سکتا

Marfat.com

وصل میں چھیڑیئے اُن کو تو بڑھاتے ہیں وہ ہاتھ
گاہ داماں کی طرف گاہ گریباں کی طرف

اُٹھے گا لطف بھلا کیا درازدستی کا
شبِ وصال میں اُن کو اگر حجاب نہ ہو

وہ کہتے ہیں نہیں بہتر خیر داماں و گریباں کی
لگایا ہاتھ تم نے گر مری زلفِ پریشاں کو

وصل کی شب کم رہی مستی لگانا چھوڑ دو
چھوڑنے کے ہم نہیں تم کو، بہانا چھوڑ دو

ہو کے ہم آغوش وہ کہنے لگے
تم کو اے گستاخ اور کیا چاہیے

اُن سے ہوا جو وصل کا طالب تو بول اُٹھے
فرمایئے تو آپ نے سمجھا ہے کیا مجھے

ہم سامنے دشمن کے لپٹ جائیں گے اُن سے
کچھ کام کریں گے بھی تو مردانہ کریں گے

دے دے کے بوسے غیر کو صاحب کرتے ہو عبث
چپ رہو بس منہ نہ کھلواؤ خدا کے واسطے

Marfat.com

۴ ارمغانی

"ارمغانی" نسّاخ کا چوتھا اور آخری دیوان ہے جو مطبع نامی لکھنؤ سے ۲۴ صفر ۱۳۰۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۸۸۶ء میں طبع ہوا تھا۔ اس دیوان کا سالِ ترتیب ۱۳۰۲ھ ہے اور اس کا "ارمغانی" نام بھی تاریخی ہے۔ دوسری تصانیف کے سالِ اشاعت کی طرح مولوی سید لطیف الرحمٰن صاحب[1] اور سید اقبال عظیم[2] صاحب نے اس دیوان کا بھی سالِ اشاعت ۱۳۰۲ھ لکھا ہے حالانکہ دیوان کے آخر میں سالِ ترتیب اور سالِ طباعت سے متعلق تاریخی قطعات دیے ہوئے ہیں اور مطبع کی طرف سے سالِ طباعت درج کیا گیا ہے اور اس میں بھی ۱۳۰۴ھ ہی درج ہے۔

اس دیوان کا حجم ۱۱۶ صفحہ ہے لیکن غزلیں اور رباعیات صرف ۷۰ صفحات پر مشتمل ہیں اور ۲۸ صفحوں پر محیط مشہور شخصیتوں مثلاً سلاطین، خلفا، نسّاخ کے متعلقین، مشہور شعراء و ادبا، ان کے معاصرین اور بعض دواوین کی ترتیب سے متعلق تاریخی قطعات وغیرہ ہیں۔ اپنے جن معاصرین کی وفات سے متعلق تاریخی قطعات نسّاخ نے اس میں شامل کیے ہیں ان میں سے بعض اہم شخصیتوں کے نام درجِ ذیل ہیں۔

اللہ بخش محبوب عذار (ص ۸۱) میر وارث علی صیفی کانپوری (ص ۸۵) خواجہ عبدالغفار اختر ڈھاکہ (ص ۸۶) ناظر عبداللہ آشفتہ (ص ۸۸) مولوی عبیداللہ العبیدی میدنی پوری (ص ۹۲) حکیم اشرف علی مست سلہٹ (ص ۹۳) شاہزادہ بشیرالدین توفیق (ص ۹۳) نواب ضیاءالدین احمد خاں نیر درخشاں (ص ۹۷)
۱۸ صفحوں (۹۹ تا ۱۱۶) پر مشتمل منظوم تقریظیں و تاریخی قطعات اردو فارسی

۱؎ "نسّاخ سے وحشت تک" ص ۳۷ ۔ ۲؎ مشرقی بنگال میں اردو ص ۵۸

Marfat.com

میں اس وقت کے شعراء کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں مولوی عبدالرؤف وحید، مولوی سید عبدالواحد محسود، سید علی غیاث الدین میرزا صاحب، داغ دہلوی، نواب علی صاحب نفیس کانپوری وغیرہ کی تقریظیں اور تاریخی قطعات ہیں۔ ایک بات اس سلسلے میں یہ دیکھنے میں آتی ہے کہ اس دیوان میں نسّاخ کے کسی شاگرد کا تاریخی قطعہ موجود نہیں ہے۔ قطعات کہنے والے شعراء دلّی، رامپور، کانپور، لکھنؤ اور بنگال کے باشندے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسّاخ شاعر اور ادیب کی حیثیت سے کافی شہرت رکھتے تھے اور ان کی شہرت کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔

تاریخ ارتحال کے علاوہ ایک دو دیوان کی ترتیب یا طباعت کا قطعہ تاریخ بھی اس دیوان میں موجود ہے اور یہ اطلاع فی زمانہ نہایت اہمیت کی حامل ہے مثلاً نسّاخ کے شاگرد عصمت اللہ انسخؔ اور انسخؔ کے شاگرد عبدالرؤف شمیمؔ کے دیوان سے متعلق ترتیب اور طباعت کے تاریخی قطعات۔ ان دو دیوانوں کا وجود آج ناپید ہے اور نسّاخ کی اسی اطلاع سے ان کے صاحبِ دیوان ہونے اور دیوان کے طبع ہونے کا پتہ چلتا ہے ورنہ عام طور سے یہ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں اور انہیں اطلاع کے سبب سے ان قطعات کو بھی اہمیت حاصل ہے۔

اس دیوان میں غزلوں، مطلعوں اور متفرقات کے علاوہ دو فارسی معمّیات بھی ہیں۔ غزل، مطلع یا فرد کے علاوہ کوئی اور صنفِ سخن اس دیوان میں نہیں۔ دیوان بھی خالص اردو کا ہے۔ فارسی کلام یا شعر بھی اس دیوان میں موجود نہیں۔ غزلیں طویل ہیں اور بعض بعض غزلوں میں اشعار کی تعداد بیس تک پہنچ گئی ہے۔

"ارمغان" کی طرح ایجاز و اختصار اس دیوان میں نہیں۔ البتہ رنگ یا طرزِ کلام یہاں بھی "ارمغان" کی طرح دہلوی ہی ہے۔ زبان و بیان سیدھا سادا اور صاف ہے۔ بعض غزلوں کی زمین سخت ہے اور ردیف و قوافی بھی عام نہیں مثلاً دل گیر کو تشویش، شمشیر کو تشویش، جوہر سرخ، خنجر سرخ، دل کے پاس، تل کے پاس، تیرے خواص، ارماں غلط غلط، داماں غلط غلط، زبان دروغ دروغ، فغان دروغ

Marfat.com

دروغ وغیرہ۔ بعض غزلیں نہایت سہل صاف اور سادہ زبان میں لکھی گئی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپس میں باتیں ہو رہی ہیں۔ اس قسم کی بعض غزلوں کے مطلعے درج ذیل ہیں:-

وہ کبھی میرے گھر نہیں آتا
وہ کبھی راہ پر نہیں آتا

دیکھ لینا کہ بہل جائے گا
دل سنبھالے سے سنبھل جائے گا

گر مرا نالہ نارسا ہوگا ۔۔۔ عرش کے پار تو گیا ہوگا

چکھتے ہیں اب مزہ جدائی کا ، یہ نتیجہ ہے آشنائی کا

تم ہو کیوں ہم سے خفا کیا باعث
ہم پہ یہ جور و جفا کیا باعث

کیا دیا ہے نیا خطاب ہمیں
کہتے ہیں خانماں خراب ہمیں

اُن کے آنے کا احتمال نہیں ۔۔۔ میری تقدیر میں وصال نہیں

کبھی آواز سنا جاتے ہیں ۔۔۔ کبھی صورت بھی دکھا جاتے ہیں

وہ مرا حال زار کیا جانے ۔۔۔ وہ غم روزگار کیا جانے

Marfat.com

اس دیوان میں سبھی دہلوی شعراء کا اتباع کیا گیا ہے۔ ان میں سے بیشتر پیروی مومنؔ کی کی گئی ہے اور غالبؔ و حالیؔ وغیرہ کی کمتر۔ مگر عام طور پر اپنی طبیعت کی جولانی دکھائی ہے۔ جہاں تک زبان و بیان کا تعلق ہے، یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ کلام ان کی شاعری کا بہترین نمونہ ہے۔ زبان میں سادگی کے باوجود متانت وقار اور پختگی کے آثار نمایاں ہیں۔ بندشیں چست اور ترکیبیں استوار ہیں۔ بات یہ ہے کہ ناسخؔ بڑے پُرگو اور ذہین تھے۔ چنانچہ لکھنوی طرز کی جب انہوں نے پیروی کی، تو کامیاب پیروی کی اور دہلوی طرز کا اتباع کیا تو اس میں بھی اچھی خاصی کامیابی حاصل کی اور غالبؔ و مومنؔ کی مطابقت کی پوری پوری کوشش کی لیکن یہ اور بات ہے کہ غالبؔ کی مشکل پسندی، مضمون آفرینی اور ترکیب تراشی اور بات کو طرفگی اور ندرت سے بیان کرنے کے گُر کو نہ پا سکے مگر مومنؔ کے رنگِ تغزل، طرزِ بیان اور عشق و محبت کی چاشنی کے طلسم کے اسیر ہو گئے۔ مومنؔ کا طرزِ تغزل تھا بھی پیارا اور ناسخؔ پر اس طرز کا بہت گہرا اثر پڑا۔ اس لیے اُن کی پیروی انہوں نے معراج سمجھی اور اسی لیے وہ بار بار ان کی زمینوں میں شعر کہتے نہیں تھکتے۔

ذیل میں ناسخؔ اور مومنؔ کے ہم طرح اور ہم قافیہ اشعار درج کیے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ناسخؔ، مومنؔ کی پیروی میں کہاں تک کامیاب ہو سکے ہیں ؎

مومنؔ
یہ دن دکھائے ہیں شبِ فرقت نے ہم کو اور
وہ رشکِ آفتاب نہیں مہرباں ہنوز

ناسخؔ
پہنچا نہیں ہے وہ تو ابھی میرے حال کو
دشمن کے حال پر وہ نہیں مہرباں ہنوز

مومنؔ
مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشین کے
آیا نہیں زبان پہ دردِ نہاں ہنوز

ناسخؔ
ہے بے خودی میں بھی مجھے کیا ضبط دیکھیے
رسوا ہوا نہیں مرا رازِ نہاں ہنوز

Marfat.com

مومن	ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے و لے کچھ کم نہیں غبارِ دلِ آسماں ہنوز
نساخ	ویسی ہی کجروی پہ ہے یہ آسماں ہنوز آئی نہیں ہے لب پہ ہمارے فغاں ہنوز
مومن	یاں امتحانِ مرگ سے فارغ ہوئے ہیں یار واں اپنے ہی بہ مرنے کا ہے امتحاں ہنوز
نساخ	عشق و ہوس کا راز رہا ہے نہاں ہنوز اُن کو نہیں ہے ہائے سرِ امتحاں ہنوز
مومن	روزِ جزا نہ قتل کا انکار کر کہ ہے دامن پہ تیرے میرے لہو کا نشاں ہنوز
نساخ	لالے کے بدلے داغ ہے اپنے مزار پر ہم مٹ گئے ہیں پر ہے ہمارا نشاں ہنوز
مومن	یاں اپنا اُن کی چاہ میں مرنا یقیں ہوا واں اور ہی کے چاہنے کا ہے گماں ہنوز
نساخ	مہندی لگا کے پاؤں میں وہ کب کے سو گئے آنے کا اُن کے ہے مرے دل کو گماں ہنوز
مومن	مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بقولِ درد دل سے نہیں گیا ہے خیالِ بتاں ہنوز
نساخ	نساخ کعبے کو بھی گئے پر بقولِ درد دل سے نہیں گیا ہے خیالِ بتاں ہنوز

مومن	محفل میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

Marfat.com

نساخ
نساخ کس سے کہیئے کہ قسمت کی بات ہے
ہم یار کی طرف ہیں، وہ اغیار کی طرف

مومن
دل دیا جس نے وہ ناکام رہا تا دمِ زیست
فی الحقیقت کہ بُرا کام بُرا ہوتا ہے

نساخ
کر نہ عشق اے دلِ ناکام بُرا ہوتا ہے
کہ بد آغاز کا انجام بُرا ہوتا ہے

مومن
قہر ہے، موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یہ ہے بُری بلا ہے عشق
اثرِ غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق
آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے
با وفا حسن بے وفا ہے عشق

نساخ
ظاہرا موت ہے قضا ہے عشق
پر حقیقت میں جانفزا ہے عشق
پوچھتے کیا ہیں بوالہوس سے وہ
مجھ سے پوچھے کوئی کہ کیا ہے عشق
تا دمِ مرگ ساتھ دیتا ہے
ایک محبوبِ باوفا ہے عشق

مومن
رشکِ دشمن بہانہ تھا سچ ہے
میں نے ہی تم سے بے وفائی کی

Marfat.com

مر گئے پر ہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی
کوچۂ غیر میں بلا وہ ہمیں
ہر زہ تازی نے رہنمائی کی

نساخ
جس سے نساخ آشنائی کی
اُس نے آخر کو بے وفائی کی
ہے زباں پر دعا قفس میں بھی
قطع امید ہو رہائی کی
دیر میں پہنچے راہ کعبے سے
گمرہی نے یہ رہنمائی کی

مندرجہ بالا اشعار کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نساخ نے مومن کے مسابقت کی پوری پوری کوشش کی ہے جس میں کسی حد تک وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں اور یہی چیز نساخ کے لیے فخر کی بات ہے۔

"ارمغانی" میں لکھنوی انداز کے شعر بہت کم ہیں۔ البتہ کہیں کہیں معاملہ بندی کے اشعار ملتے ہیں۔ مجموعی طور پر جہاں تک انداز بیان کا تعلق ہے یہ دیوان دبستان دہلی کے طرز میں ڈوبا ہوا ہے۔ بحریں بھی بڑی ہلکی پھلکی ہیں۔ زبان و بیان بہت صاف ہے۔ وہ ٹھہراؤ جو "ارمغان" میں تھا، یہاں نہیں۔ اسی لیے اس دیوان میں طرزِ دہلی میں طویل غزلیں بلا تامل کہی گئی ہیں اور اشعار سے اُن کی کہنہ مشقی کا پتہ چلتا ہے۔ زبان بھی بامحاورہ اور سیدھی سادی ہے۔ چنانچہ نساخ کو خود اپنے اس دیوان پر ناز ہے، اور اسے وہ دولتِ معانی سے پُر سمجھتے ہیں ؎

دیکھو دیوانِ چارم نساخ لوٹیے دولتِ معانی آج

فارسی تراکیب کی اچھی تراش خراش بھی موجود ہے۔ زبان بڑی منجھی ہوئی اور سلیس استعمال کی گئی ہے۔ عام طور پر اس دیوان کی زبان روزمرہ اور عام بول چال کی زبان

Marfat.com

معلوم ہوتی ہے۔ مغلق فارسی یا عربی کے الفاظ مستعمل نہیں ہیں۔ خواہ مخواہ کے قوافی سے اجتناب کیا گیا ہے۔ بندشیں چست اور ترکیبیں استوار ہیں۔ اشعار غیر فطری یا گورکھ دھندے نہیں ہیں۔ داخلی جذبات سے زیادہ سروکار ہے۔ مضحک خیز مبالغے اور بیجا صنعت گری جس سے غزل کی روح مجروح ہوتی ہے، اس سے احتراز کیا گیا ہے۔ تصوف کے اشعار اور تصوف کی گرم بازاری اُن کے دیوان میں نہیں ہے ــــ وہ دوسرے شعرا کی طرح خواہ مخواہ کے صوفی نہیں بننا چاہتے۔ نسّاخ کے اس دیوان کے بہت سے اشعار وارداتِ قلبیہ، حُسن کی کرشمہ سازی، معشوق کی بے اعتنائی اور عاشق کی گریہ وزاری اور یاس و حرماں نصیبی کے گلے شکوے کے آئینہ دار ہیں۔ ان کا عشق نہ عالمِ بالا کی خاطر ہے اور نہ وہ خود عالمِ بالا کے انسان ہیں۔ وہ اسی دنیا کے انسان ہیں اور انسان بھی وہ جو عشق کے احساس سے بے بہرہ نہیں۔ اسی لئے اس دیوان کے اکثر اشعار میں وارداتِ محبّت کا بیان ملتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وصال کی شادمانیوں پر ہجر و فراق کی نامرادیاں غالب ہیں۔ لیکن یہ حرماں نصیبی رونے بسورنے والی نہیں، صرف آہوں کے سہارے زندگی بسر کرنے والی نہیں بلکہ اس میں لذتیت کا عنصر بھی ہے۔ معشوق کے لمس کی مچلتی تمنائیں بھی ہیں۔ شبِ وصال کی آرزو بھی ہے۔ "شادکامی" اور "شغلِ بوس و کنار" بھی ہے۔ بدگمانی کی تعزیر بوسے سے بھی دیتے ہیں اور کبھی آشنائی کے نتیجے میں جدائی کا مزہ بھی چکھتے ہیں۔ الغرض دیوانِ چہارم یعنی "ارمغانِ میں گلہائے رنگارنگ" کی بہار ہے۔

بہ ایں ہمہ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ نسّاخ کے آخری دو دیوانوں میں بھی دبستانِ دہلی کی تقلید کے باوجود شدّتِ احساس اور خلوصِ جذبات کی کمی ہے

ص بتلاؤ تو کیا عشق بُرا ہے کوئی آزار
کیوں ہم نفسو مجھ سے بھلا تم کو حذر ہے
ذکر کرتا ہے جب کوئی اُن کا دل کو نوبے قرار رہتا ہے

Marfat.com

ہجر کی رات کو دم بھر بھی نہ آرام لیا
بات کچھ دل نے اگر کی تو ترا نام لیا

رات جو آئے گی کس طرح کٹے گی یارب
فکر رہتی ہے اسی کی تو سحر سے کیا کیا

میں اور بتانِ جفاکیش کا خیال
کم بخت دل کے ہاتھ سے ناچار ہو گیا

طلبِ وصل پر اک نازو ادا سے آخر
لب پہ اقرار بھی آیا تو تبسم ہو کر

یاد ہے نساخ ان باتوں کا لطف
ہائے وہ ان کی ملاقاتوں کا لطف

روزِ محشر سے فزوں روزِ فراق
نارِ دوزخ سے سوا سوزِ فراق

گریباں پر ہے اپنے آزمایا
ہمارا زور تھا ہمدم جہاں تک

لطف و اشفاق و عنایات کا کیا ذکر کروں
یاد ایام کہ وہ جور و جفا کرتا تھا

روز پہلو میں یار رہتا ہے
شغلِ بوس و کنار رہتا ہے

Marfat.com

دیکھو لبِ لعل آئینے میں		پوچھو نہ ہماری آرزو کی

چکھتے ہیں اب مزہ جدائی کا		یہ نتیجہ ہے آشنائی کا

جو شب کو اُن سے میں دیدار کا ہوا طالب
تو بولے پردے سے کچھ اور آرزو تو نہیں

بوسے سے اُن کے منہ کو بند کیا		دی یہ تعزیر بدگمانی کی

Marfat.com

(ب) دیگر تصانیف

(۵) چشمۂ فیض :-

چشمۂ فیض، فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے "پند نامہ" کا منظوم ترجمہ ہے۔ ترجمے کی تحریک کے متعلق نساخ خود فرماتے ہیں "...... برائے تعلیم و تربیتِ جگر گوشگان ابوالفضل محمد عبد الرحمٰن و ابوالخیر محمد عبد السبحان اعطاہما اللہ علماً نافعاً و عمراً دائماً کہ خلفِ حضرت اخ الاعظم جناب مولوی عبد اللطیف خان بہادر ڈپٹی مجسٹریٹ و ڈپٹی کلکٹر ضلع ۲۴ پرگنہ انکم ٹیکس شہر و حوالی شہر کلکتہ و ممبر سنٹ و ممبر بورڈ اکزامنر می باشند بارد و زبان منظوم ساختہ چشمۂ فیض نام نہاد از آنجا کہ ایں اردو ہائے طبع افسردہ و فرزندانِ ناز پرورده باہمہ کج مج زبانی و بوالعجبی سیر سوادِ آبادانِ نگارگیاں می خواستند لعبد التجا بلفصحت آباد چاپ اذنِ خرامش گرفتند۔[1]

چشمۂ فیض دفترِ بے مثال ہی کی طرح کلکتہ میں سب سے پہلی بار ۱۲۷۹ھ مطابق ۱۸۶۲ء میں طبع ہوئی۔ اس اشاعت کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ میری نظر سے یہ نسخہ نہیں گزرا۔

برٹش میوزیم کی فہرست کے مطابق اس میں کل صفحات ۴۷ ہیں۔ چشمۂ فیض کی طباعت کے متعلق نساخ فرماتے ہیں :-

" اسی سال میں میرا دیوان اوّل موسوم بہ دفترِ بے مثال اور اردو ترجمہ پند نامۂ عطار موسوم بہ چشمۂ فیض کلکتہ میں چھپ گیا۔"[2]

لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ منظوم ترجمہ کلکتہ کے کس مطبع میں چھپا تھا۔

گارساں دتاسی نے بھی چشمۂ فیض کا تذکرہ اپنے خطبے میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

---

[1] چشمۂ فیض مطبوعہ اودھ اخبار نول کشور پریس ۱۲۹۱ھ صفحہ ۴۹

[2] خود نوشت سوانح عمری نساخ صفحہ ۱۰۱

Marfat.com

"انھوں نے (نسّاخ نے) فرید الدین عطار کے پند نامہ کا اردو نظم میں ترجمہ بھی کیا ہے[۱]۔"

میرے زیرِ مطالعہ ان کا کلّیات ہے جس میں چشمۂ فیض کی تاریخ طباعت ماہ جون ۱۸۷۴ء مطابق ربیع الثانی ۱۲۹۱ھ ہے اور مطبع کا نام منشی نولکشور ہے۔ اورئنیل پبلک لائبریری خدا بخش خاں پٹنہ میں ایک نسخہ کلیات سے علٰحدہ بھی موجود ہے[۲]۔ اس نسخے کا سنِ طباعت ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء ہے۔ یہ مطبع نولکشور پریس کانپور میں طبع ہوا تھا۔ ڈھاکا یونیورسٹی لائبریری میں بھی چشمۂ فیض کا ایک نسخہ موجود ہے۔ یہ مطبع نولکشور کانپور میں ماہ جنوری ۱۹۱۴ء میں طبع ہوا ہے۔ اس نسخے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی مطبع سے چشمۂ فیض "پانچویں مرتبہ زیورِ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہوا[۳]۔"

ان تینوں طباعتوں میں جو میرے زیرِ مطالعہ رہے ہیں، صرف اردو ترجمے ہیں۔ پند نامہ کے فارسی اشعار درج نہیں ہیں۔

دونوں متذکرہ بالا نسخوں کے صفحات ۴۹ ہیں۔ پانچویں اڈیشن میں ۴۸ صفحات ہیں۔ صفحہ ۴۸ کے آخر میں دو قطعے تاریخ ترجمہ سے متعلق ہیں۔ صفحہ ۴۹ پر ترجمے کی غرض و غایت بیان کی گئی ہے اور یہ فارسی میں ہے۔ چشمۂ فیض کا ایک اڈیشن شوّال ۱۳۳۲ھ میں مطبع رزاقی کانپور محلہ ٹیکاپور سے حسب ایمائے تاجر ..... حاجی مولوی محمد سعید تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر ۸ و حاجی محمد عبدالصمد مہتمم مطبع و مالکان مطبع رزاقی شائع ہوا۔ اس میں خاص بات یہ ہے کہ یہ کتاب پند نامۂ عطار کے نام سے طبع ہوئی اور فرید الدین عطار کے فارسی متن کے نیچے نسّاخ کا ترجمہ چشمۂ فیض درج ہے اگرچہ چشمۂ فیض کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

---

[۱] خطبات گارساں دتاسی مطبوعہ ترقی انجمن اردو حیدر آباد ص ۴۲۷
[۲] فہرست نمبر ۲۴۴۷۔
[۳] چشمۂ فیض ڈھاکا یونیورسٹی لائبریری P891.551/ATC (HRC) ص ۴۸

اس کتاب کے کل صفحات ۸۸ ہیں۔ یہ پند نامۂ عطار کار مائیکل کالج زنگبور میں موجود ہے۔ اس کا نمبر ۵۰۰۵۲ ۴۲ ہے۔ ترجمہ وہی ہے جو چشمۂ فیض میں ہے۔

پند نامۂ عطار کا یہ ترجمہ جسے نساخ نے منظوم کیا ہے۔ پہلا ترجمہ نہیں ہے۔ میر معین الدین فیض[۱] دہلوی نے بھی پند نامہ کا منظوم ترجمہ کیا ہے اور اس کا نام بھی چشمۂ فیض ہی رکھا ہے۔ فیض کا ترجمہ ۱۸۰۳ء مطابق ۱۲۱۸ھ میں مکمل ہوا۔ اس کے ترجمے کی تحریک جان گلکرائسٹ نے کی تھی۔ فیض کہتے ہیں :-

"...... اس عاجز نے ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں بموجب حکم خداوند (جان گلکرائسٹ) نعمت موصوف کے پند نامہ زبانِ اردو میں نظم ترجمہ کیا اور چشمۂ فیض نام رکھا[۲]۔ ایشیاٹیک سوسائٹی کلکتہ لائبریری میں یہ مخطوطہ موجود ہے۔ اس کا نمبر ۱۷ ہے۔ اس پر فورٹ ولیم کالج کی مہر بھی لگی ہوئی ہے۔ فیض نے اس کتاب کو گورنر جنرل ولزلی کے لیے لکھا تھا۔ وہ کہتے ہیں :-

---

ھ۱ میر معین الدین فیض حسنی حسینی سید تھے۔ ان کے آباؤ اجداد نے سمرقند سے مع قبائل کے آکر دارالخلافہ دہلی میں پرانے شہر کے درمیان سکونت اختیار کی اور محلّے کا نام بجلی مسجد عرف سید واڑہ رکھا۔ فیض کے قول کے مطابق ان کا خاندان گیارہ بارہ پشت سے دلی میں مقیم تھا۔ اور "اکثر بزرگ دولت خواہ کے ساتھ روزگار عمدہ اور خدماتِ بادشاہی کے ممتاز و متقرب رہے تھے"۔ لیکن "باعث برہم ہونے سلطنت کے کہ شہر پہ صدمے تواتر گزرنے لگے موجب ویرانے کا ہوا۔ اکثر رؤسا، وہاں کے تاراج و تباہ ہوکر چاروں طرف نکل گئے"۔ چنانچہ فیض کا بھی اسی سبب سے اتفاق لواحقوں سمیت غازیپور ضلع بنارس آنے کا ہوا۔ جب گلکرائسٹ غازی پور میں تھے تو فیض ان کے "محاوراتِ شاعرانِ ہند کی سند پہنچانے کے لیے ملازم ہوئے۔ غازی پور میں فیض کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ چنانچہ یہ کلکتہ روانہ ہوئے اور میر بہادر علی کی وساطت سے گلکرائسٹ کی بارگاہ میں پہنچے اور انگریزوں کو درس دینے کے لیے ملازم ہوئے۔ اسپرنگر نے اپنی کتاب "فہرست اودھ" میں لکھا ہے کہ گلکرائسٹ فیض کو کلکتہ لے گئے۔ چشمۂ فیض (فیض) صفحہ ۵۰۷

ھ۲ چشمۂ فیض [illegible]

Marfat.com

"ترجمہ پند نامۂ شیخ فرید الدین عطار قدس سرہٗ نیشاپوری کا واسطے مارکویس ولزلی گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ کے مسٹر جان گلکرائسٹ صاحب دام ثروتہٗ کی فرمائش سے کیا ہوا میر معین الدین فیض کا"[1]

اس کا امکان ہے کہ نساخ نے فیض کے ترجمے سے استفادہ کیا لیکن اس کا انھوں نے کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

فیض کے ترجمے میں پرانی اردو کی جھلک ہے اور بعض بعض جگہ ایسے الفاظ بھی مستعمل ہوئے ہیں جو نساخ کے زمانہ میں متروک ہو گئے تھے جیسے کیتیں۔ ٹک ماتی۔ روگ۔ نت۔ ندان۔ لوہو۔ اپنے تئیں۔ رنڈی یعنی عورت۔ جانیں ہیں جاوے وغیرہ۔

نساخ کے ترجمے میں صفائی ہے۔ غیر مستعمل اور متروک الفاظ سے پرہیز کیا گیا ہے اور زبان صاف منجھی ہوئی اور ستھری ہے۔

---

[1] چشمۂ فیض مصنفہ میر معین الدین فیض ص۱

Marfat.com

(۶) شاہدِ عشرت

"سراپائے سراپا تماشا" اُس کتاب کا نام ہے اور شاہدِ عشرت اسم تاریخی کل صفحات ۱۸ ہیں ۔ ۱۳ صفحات پر مشتمل اشعار ہیں اور بقیہ صفحوں میں تقریظیں اور قطعاتِ تاریخ ہیں۔ سالِ ترتیب ۱۲۸۰ھ ہے ۔ علاّمہ وحشت کلکتوی مرحوم نے ۱۲۷۶ھ لکھا ہے[۱] ۔ یہ صحیح نہیں ۔ نسّاخ نے جو قطعہ تاریخ لکھا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ شاہدِ عشرت ۱۲۸۰ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا ملاحظہ ہو ان کا قطعہ تاریخ

جب ہو گیا ختم یہ سراپا   تب غیب سے یہ سروش بولا

تاریخ کی فکر میں نہ رہیئے   "تصویر نشاطِ روح کہیے"[۲] ۱۲۸۰ھ

شاہدِ عشرت، اکتوبر ۱۸۷۴ء مطابق شعبان ۱۲۹۱ھ میں مطبع منشی نول کشور لکھنؤ میں طبع ہوئی ۔ لیکن نسّاخ نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:

"....... راجشاہی میں ایک سراپا موسوم بہ شاہدِ عشرت اور مجموعۂ رباعیات فارسی موسوم بہ مرغوب دل لکھا تھا ان دونوں رسالوں کی دری تقریظ مولوی نجف علی خاں صاحب نے لکھی ہے اور وہ دونوں رسالے پہلے کلکتہ میں چھپ گئے ہیں"[۳]

نسّاخ نے اس نسخے کی تاریخ طباعت اور مطبع کا نام نہیں لکھا ہے۔ گنجِ تواریخ اور کنزِ تواریخ میں بھی شاہدِ عشرت سے متعلق کوئی قطعہ تاریخ ترتیب یا طباعت درج نہیں جس سے کچھ اندازہ لگایا جا سکے ۔ ان کا ایک نسخہ کلیات میں شامل ہے ۔ اس میں تاریخ ترتیب ۱۲۸۰ھ اور طباعت ۱۲۹۱ھ ہے ۔ شاہدِ عشرت کا اس کے علاوہ ایک

---

[۱] JOURNAL OF THE MOSLEM INSTITUTE VOL. III JULY TO SEP. 1908 PAGE 9-)- اردوئے معلّٰی اکتوبر نومبر ۱۹۱۰ء صفحہ ۲

[۲] شاہدِ عشرت ص۱۳

[۳] خود نوشت سوانح عمری ص۱۱۹

Marfat.com

علیحدہ نسخہ اورینٹیل پبلک لائبریری خدا بخش خاں پٹنہ[1] میں میری نظر سے گزرا ہے۔

اس نسخے میں بھی یہی دونوں تاریخیں ترتیب اور طباعت کی ہیں۔

شاہد عشرت میں اشعار کی مجموعی تعداد ۷۷۱ ہے۔ کلیات اور خدا بخش خاں لائبریری والے دونوں ہی نسخوں میں نجف علی خاں کی فارسی تقریظ موجود ہے۔

شاہد عشرت کی ابتدا ساقی نامہ سے ہوئی جس میں ۴۴۲ اشعار ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔

اے ساقیٔ بے خبر کہاں ہے — اے ساقیٔ فتنہ گر کہاں ہے
اے ساقیٔ شوخ شنگ مے لا — اے ساقیٔ سبز رنگ مے لا
وہ مے دے کہ دل کو جوش آئے — وہ مے دے کہ مجھ کو ہوش آئے
منظور ہے وصفِ یار جانی — وہ مایۂ عیش و شادمانی
وہ باعثِ لطفِ زندگانی — وہ موجدِ عشرتِ جوانی
وہ جو ہے پری رخوں میں مشہور — وہ جو ہے شرارتوں سے معمور
یعنی یہ ہے جی میں اس پری کا — مستی میں رقم کروں سراپا

اس سراپا لکھنے پر نساخ کو فخر ہے اور ان کے خیال میں "ایسا نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا" سراپا نگاری کا ان کا انداز نیا ہے اور طرز بھی انہوں نے جدا نکالی ہے۔ ان کی زبان سے خود سنیئے :۔

میں نے جو لکھا ہے یہ سراپا — ایسا نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا
مضمون لکھے ہیں اس میں کیا کیا — تشبیہیں نئی لکھی ہیں صدہا
ڈھالے ہیں عجیب ڈھنگ کے شعر — لکھے ہیں عجیب رنگ کے شعر
انداز جو ہے مرا نیا ہے — جو طرز ہے سب سے وہ جدا ہے

نساخ نے ۳۲ عنوانوں کے تحت معشوق کا سراپا اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور اپنے

---

[1] خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ۔ شاہد عشرت فہرست نمبر ۱۵۰۷ (مطبوعات)

Marfat.com

دور کی روایت کے مطابق معشوق کے جسم کے تمام حصوں پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ مثنویوں میں معشوق کا سراپا ایک اہم جزو ہوتا ہے۔ نساخ نے باضابطہ طور پر کوئی مثنوی نہیں لکھی ہے۔ یہی سراپا مثنوی کے ضمن میں اُن کی کائنات ہے۔

علامہ وحشت کے خیال میں نساخ نے "یہ مثنوی معشوق کے سراپا کی تعریف میں بہت خوب کہی ہے۔ تشبیہیں دلنشین اور اشعار متین ہیں[1]" اور نساخ کے معاصر حکیم اشرف علی مست کے نزدیک "شاہد عشرت وہ سراپائے منظوم ہے جس میں نئی نئی تشبیہوں کا ہجوم ہے۔[2]"

نساخ نے جو تشبیہیں استعمال کی ہیں ان کے چند نمونے ملاحظہ ہوں :-

وہ صاف ہے فرق مو کی تحریر ہو ڈھال پہ جیسے خطِ شمشیر

شمعِ سرِ طور ہے وہ بینی ، فوارۂ نور ہے وہ بینی

گو شمس وہ روئے خوں فشاں[3] ہے تو شمس کا میم وہ دہاں ہے

غنچہ سے بھی اوس کا ہے دہن تنگ
ہونٹھ اوس کے ہیں برگِ گل سے خوش رنگ

موتی کا ہے یوں گلے میں مالا ہو چاند کے گرد جیسے ہالا

---

[1] اردوئے معلّٰی اکتوبر۔ نومبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۲
[2] گنج تواریخ ص ۵۹
[3] "خوں فشاں" کا یہ محل نہیں ہے۔ "ضو فشاں" ہو سکتا ہے۔ خوں فشاں بظاہر کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

Marfat.com

(۷) مرغوبِ دل

۱٦۷

مرغوبِ دل نسّاخ کی فارسی رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ نسّاخ نے شاہدِ عشرت جس سال ترتیب دیا، اُسی سال انہوں نے اپنے اس فارسی رباعیوں کے مجموعے، مرغوبِ دل کو بھی مرتب کیا تھا۔ مرغوبِ دل تاریخی نام ہے ــــ نسّاخ لکھتے ہیں:۔

"راجشاہی میں میں نے ایک سراپا موسوم بہ شاہدِ عشرت اور مجموعۂ رباعیات موسوم بہ مرغوبِ دل لکھا۔"[1]

نسّاخ کا تبادلہ راجشاہی میں ۱۲۸۰ھ میں ہوا تھا۔ گنج تواریخ میں ایک قطعہ[2] تاریخ اس تبادے کے متعلق درج ہے۔

راج شاہی میں جو ہوئی بدلی — اور جانا بھی وہاں ضرور ہوا
سالِ تاریخ دل سے جو پوچھا — ہوئی مٹی خراب آہ کہا

راج شاہی میں ان کا قیام ۱۸۶۳ء سے اگست ۱۸۶۵ء ۱۲۸۲ھ تک رہا۔ اس مجموعۂ رباعی کا سالِ ترتیب ۱۲۸۲ھ ہے۔ انسخ کے قطعہ تاریخ[3] سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

رباعیٔ نسّاخ گشتہ مرتب — کز و فیضیاب ست ہر دوست دشمن
پئے سالِ ترتیب ایں نظم زیبا — نوشتیم انسخ سخنہائے روشن
۱۲۸۲ھ

نسّاخ کا بیان ہے کہ یہ "دونوں (شاہدِ عشرت اور مرغوبِ دل) رسالے پہلے کلکتہ میں چھپ گئے ہیں[4]۔ مگر یہ نسخہ میری نظر سے نہیں گزرا ہے۔ ان کا یہ رسالہ

۱؎ خود نوشت سوانح عمری ص۱۱۹۔ ۲؎ گنج تواریخ ص۴۵
۳؎ مرغوبِ دل ص۲۳ ۴؎ خود نوشت سوانح عمری ص۱۱۹

Marfat.com

مطبوعہ اکتوبر ۱۸۷۴ء مطابق رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ نولکشور پریس لکھنؤ میرے زیر مطالعہ رہا ہے جو کلیات میں شامل ہے۔ سید لطف الرحمٰن مولفِ "نسّاخ سے وحشت تک" نے اس رسالہ کا سال اشاعت ۱۲۸۲ھ لکھا ہے اور یہ سال مرغوبِ دل کے سرِ ورق پر موجود ہے۔ بہرکیف مرغوب دل ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے اور رباعیاں صفحہ ۱۹ کے شروع میں ختم ہو جاتی ہیں اس کے بعد سے تقریظ مولینا نجف علی خاں اور قطعات تاریخ ہیں۔ رباعیاں ردیف وار ہیں۔ ان کی تعداد ۱۱۲ ہے۔ نسّاخ نے ابتدا مناجات سے کی ہے۔

یارب شدہ ام تبہ بیامرز مرا | شد روئے دلم سیہ بیامرز مرا
درداکہ بجز گنہ نکردم کارے | بخشندۂ ہر گنہ بیامرز مرا

رباعیاں مختلف موضوعات پر ہیں۔ مثلاً ۳ حمد کی ہیں۔ ۶ نعتیہ ہیں، ۹ منقبت ہیں، تین خمریہ اور بے ثباتیٔ عالم سے متعلق ۳۔ بقیہ رباعیاں عشقیہ، سراپائے معشوق اور فخریہ ہیں۔

روشِ زمانہ کے مطابقت سے نسّاخ نے دل کھول کر اپنی رباعیوں کو مختلف صنائع لفظی اور معنوی سے مرصّع کیا ہے اور ہر رباعی کے ساتھ صنعت مستعملہ کا نام بھی نسّاخ نے لکھ دیا ہے۔ جو صنعتیں استعمال کی گئیں ہیں وہ یہ ہیں:۔

صنعتِ مکرر، ذو قافیتین لف ونشر مرتب، ترصیع وتضاد، ردّ العجز علی الصّدر، تضاد، ارصاد، رجوع، لاحق، تضاد، لزوم، تجنیس، ایہام تضاد، ترک اضافت، توشیح وغیرہ۔

ان صنعتوں کے پیہم استعمال سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ نسّاخ کو صنائع و بدائع پر بھی پورا پورا عبور حاصل تھا۔ مرغوبِ دل پر بھی ان کی بیشتر تصانیف کی طرح دلبستان اودھ کا اثر ہے۔ مولفِ "نسّاخ سے وحشت تک" نے نسّاخ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے بالکل بجا فرمایا ہے کہ "نسّاخ کا مذاقِ سخن لکھنوی تھا... وہ ناسخ ہی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا

Marfat.com

کہ ناسخ بھی بجائے دل کے دماغ سے شاعری کرتے تھے۔ ناسخ معنوی خوبیوں سے زیادہ ظاہری خوبیوں کا خیال رکھتے تھے۔ صنائع و بدائع کے بڑے دلدادہ تھے۔ رعایتِ لفظی، مراعات النظیر، تشبیہات و استعارات کو کمالِ شاعری سمجھتے تھے[1] مرغوبِ دل پر بھی انہیں خوبیوں کا اطلاق ہوتا ہے۔

---

[1] ناسخ سے وحشت تک ص ۵۵-۵۶

Marfat.com

(۸) گنج تواریخ

گنج تواریخ نساخ کے تاریخی قطعات کا مجموعہ ہے جو ۸۰ صفحوں پر مشتمل ہے اور اسی میں ضمیمہ گنج تواریخ بھی شامل ہے اصل گنج تواریخ صفحہ ۵۶ کے وسط میں ختم ہو جاتی ہے اور پھر ۴ صفحوں پر محیط حاجی ناظر عبداللہ آشفتہ اور حکیم اشرف علی مست کی تقریظیں ہیں ضمیمہ گنج تواریخ کی ابتدا صفحہ ۶۱ سے ہوتی ہے۔ آخری دو صفحوں پر نساخ کے شاگردوں، عزیزوں اور خود مصنف کے کلیات کی ترتیب اور طباعت سے متعلق تاریخی قطعات ہیں۔

گنج تواریخ کا سال ترتیب سنہ ۱۲۹۰ھ ہے۔ مولوی سید لطف الرحمٰن نے اسی سال کو سالِ اشاعت سمجھ کر فرمایا ہے "گنج تواریخ ..... سنہ ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوا۔"[1]

مولانا وحشت مرحوم نے سالِ طباعت اور سالِ ترتیب کے درمیان کوئی حدِ فاصل نہیں کھینچی ہے۔ انہوں نے مسلم انسٹیٹیوٹ گزٹ کلکتہ جولائی تا ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء اور اردوئے معلٰی اکتوبر، نومبر سنہ ۱۹۰۷ء میں صرف اتنا لکھا ہے "گنج تواریخ مع ضمیمہ سنہ ۱۲۹۰ھ"۔ گنج تواریخ کے خاتمے پر خاتمۃ الطبع کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہوا ہے۔ "..... گنج تواریخ ..... تصنیف ..... مولوی عبدالغفور خاں بہادر نساخ ..... در مطبع نامی اودھ اخبار بماہ جنوری سنہ ۱۸۷۵ء مطابق شہر ذی الحجہ سنہ ۱۲۹۱ھ بحلیِ الطباع پیراستہ"[2]

گنج تواریخ میں تاریخی قطعات اور فردیات دونوں ہی ہیں۔ لطیف الرحمٰن صاحب

---

[1] نساخ سے وحشت تک ص ۳۹

[2] گنج تواریخ ص ۸۰

Marfat.com

نے صرف قطعات تاریخی کا ذکر کیا ہے[۱]۔ حالانکہ اس رسالے میں زیادہ تر فرد یات ہیں۔

پیغمبرِ اسلام سے لے کر صحابہ کبار، آئمہ دین، صوفیائے کرام، مشائخ، علمائے دین، سلاطین، شعرا، و ادبا، اور مشاہیر اسلام کی وفات کے تواریخ اس میں قطعہ اور فرد کی صورت میں درج ہیں۔ صاحب "نساخ سے وحشت تک" کا یہ دعویٰ بھی درست نہیں کہ "قطعات فارسی میں ہیں[۲]۔" "تاریخیں فارسی و اردو ہر دو زبان میں ہیں۔ مولف "بنگال میں اردو" اور مولینا وحشت مرحوم کے قول کے مطابق "اس میں لوگوں کی تاریخِ وفات بہ شکل قطعہ یا ابیات لکھی گئی ہے[۳]" یہ قول بھی کلیتہً درست نہیں۔ تاریخِ وفات کے علاوہ ایسے بہت سے واقعات کی تاریخیں بھی ہیں جو نساخ کی ذات سے متعلق ہیں۔ نساخ کی زندگی کے حالات اور بعض پہلو اس رسالے کی مدد سے منصہٴ شہود پر آجاتے ہیں۔ باوجودیکہ انہوں نے اپنی سوانح عمری خود لکھی ہے پھر بھی تفصیلی حالات اور بعض گم شدہ کڑیوں کو جوڑنے کے لیے اس رسالے کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ بنگال کے بعض شاعر اور ادیب کی تصنیفات کی تاریخیں بھی اس میں موجود ہیں جو آج ادبی اہمیت کی حامل ہیں جیسے حکیم اشرف علی مست کی تصنیف رسالہ علم کشتی۔ رسالہ دافع السموم۔ رسالہ چیچک۔ رسالہ ہیضہ و طاعون اور سراپائے تصویر غم۔ کے سلسلے کی تاریخیں۔ بنگال میں اردو ادب پر کام کرنے والوں کے لیے یہ مشعل راہ بنیں گی۔ نیز نساخ نے اپنے بعض شاگردوں کی وفات اور اپنی تصنیفات کی تاریخیں بھی لکھی ہیں۔ پھر بعض واقعات بھی اس میں درج ہیں جیسے "ڈھاکے کا جلنا"، "ژالہ باری کی تاریخ" وغیرہ۔ لہذا

---

[۱] نساخ سے وحشت تک صفحہ ۳۰

[۲] " " "

[۳] بنگال میں اردو ص ۴۲، ماہ نو کراچی ماہ مارچ ۱۹۵۱ء صفحہ ۴

Marfat.com

اس کی اہمیت صرف اس لیے نہیں کہ اس میں تاریخ وفات ہے بلکہ اس سے نسّاخ کی تاریخ گوئی کی مہارت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ ان کے معاصر حکیم اشرف علی مست کے خیال میں "گنج تواریخ مادہ ہائے مرغوب کا خزینہ ہے، تاریخہائے عمدہ و خوب کا گنجینہ ہے"[1]۔ بہرکیف رسالہ "گنج تواریخ" عبدالغفور نسّاخ کی ایک اہم تصنیف ہے۔

لیکن "گنج تواریخ" ہی وہ پہلا رسالہ نہیں ہے جس میں ابتدائے مشاہیر اسلام سے لے کر تیرھویں صدی ہجری کے آخر تک کے تاریخی قطعات موجود ہیں بلکہ اس سے قبل مفتی غلام سرور صاحب لاہوری نے "گنجینۂ سروری" کے نام سے جس کا تاریخی نام "گنج تاریخ" ہے ۱۲۸۴ھ میں لکھی تھی۔ سروری خود فرماتے ہیں[2]:۔

در ہزار و دو صد و ہشتاد و چار ۔۔۔ ماند ایں مخزن ز سرور یادگار

نام تاریخی ز بہر ایں کتاب ۔۔۔ "گنج تاریخ" آمدہ اندر حساب (۱۲۸۴ھ)

مفتی صاحب نے آٹھ گنج قائم کیے ہیں۔ پہلا گنج "ذکر شہ خیر الانام اور اصحاب کبار اور امامان کرام کے لیے وقف ہے۔ دوسرا اولیائے قادری، تیسرا خاندان اہل چشت، چوتھا اولیائے نقش بند، پانچواں سہروردیہ، چھٹا متفرقات، ساتواں نساء و عارفات اور آٹھواں بادشاہوں کے لیے علی الترتیب مخصوص ہے۔ گنجینۂ سروری کی پہلی طباعت میری نظر سے نہیں گزری ہے۔ دوسری طباعت مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ نومبر ۱۸۸۹ء مطابق ربیع الاول ۱۳۰۷ھ سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ اس میں کل صفحے ۲۲۰ ہیں۔ پوری کتاب فارسی میں ہے۔

نسّاخ کا رسالہ گنج تواریخ گنجینۂ سروری کے مقابلے میں مختصر ہے۔ تاریخی قطعات یا ابیات کسی عنوان یا ترتیب کے تحت نہیں ہیں۔ نسّاخ نے تصنیف کی کوئی غرض و غایت بھی بیان نہیں کی ہے۔ مفتی غلام سرور لاہوری کی کتاب مبسوط، ترتیب وار اور باضابطہ عنوانات کے تحت ہے اور اس کے ساتھ ہی مفتی صاحب نے حاشیہ پر

۱۔ گنج تواریخ ص ۲ ۔ ۲۔ گنجینۂ سروری، مطبوعہ نول کشور پریس ۱۸۸۹ء ص ۳

حسب ضرورت بزرگان کے حالات، زندگی پر بھی مختصر روشنی ڈالی ہے۔ ان چیزوں کے نہ ہوتے ہوئے بھی نساخ کے رسالے گنج تواریخ کی افادیت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی، اور نہ اس سے ان کے فنِ تاریخ گوئی پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ نساخ اس فن کے ماہر تھے اور ان کی ماہرانہ مہارت کی یہ رسالہ ایک زندہ و پائندہ دلیل ہے۔ نیز بنگال کی بعض شخصیتوں شعراء و ادباء سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس رسالے سے بہتر کوئی دوسری سند ملنی دشوار ہی نہیں محال بھی ہے۔

Marfat.com

(۹) کنز تواریخ

کنز تواریخ بھی ۵ صفحوں کا ایک رسالہ ہے جس میں گنج تواریخ ہی کی طرح تاریخی قطعے اور شعر ہیں اس کا اصلی نام ضمیمۂ گنج تواریخ ہے اور کنز تواریخ نام تاریخی جس سے ۱۲۹۴ھ تاریخ نکلتی ہے۔ آخری صفحہ پر مطبع نظامی کی جانب سے اظہار تشکر و امتنان درج ہے۔ اسی صفحہ پر چار سطروں میں غلط نامہ بھی منسلک ہے یہ رسالہ مطبع نظامی کانپور سے طبع ہوا۔ سال طباعت درج نہیں ہے۔ مولوی سید لطیف الرحمٰن صاحب نے سال طباعت ۱۲۹۴ھ قرار دیا ہے[۱]۔ مولینا وحشت مرحوم نے اس رسالہ کے متعلق جریدہ "جرنل آف مسلم انسٹیٹیوٹ جولائی تا ستمبر" ۱۹۰۸ء اور اردوئے معلیٰ اکتوبر، نومبر ۱۹۰۷ء میں اپنے مضمون "نساخ" میں علی الترتیب اس رسالہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اقبال عظیم صاحب نے اپنی کتاب "مشرقی بنگال میں اردو" میں نساخ کی تصانیف کے نام کے سلسلے میں اس رسالہ کا تذکرہ کیا ہے جو وفا راشدی مولف بنگال میں اردو اور علامہ وحشت کی پیروی میں صرف ارمغانی کے سرورق سے نقل پر اکتفا کیا گیا ہے سید اقبال عظیم صاحب نے اپنی متذکرہ بالا کتاب میں نوٹ کے تحت مزید یہ اضافہ کیا ہے کہ "حکیم صاحب (حکیم حبیب الرحمٰن) نے اپنے مسودہ میں "گنج تواریخ" کا اصلی نام "کنز تواریخ" لکھا ہے۔ جبکہ عام طور پر اُسے "گنج تواریخ" کے نام سے پکارا جاتا ہے[۲]۔

کنز تواریخ کا اصلی نام ضمیمۂ گنج تواریخ ہے۔ سرورق پر اس رسالہ کے جلی حروف میں لکھا ہے۔۔۔۔ ضمیمۂ گنج تواریخ موسوم بنام تاریخی کنز تواریخ[۳] گنج

---

[۱] نساخ سے وحشت تک ص۳۴

[۲] مشرقی بنگال میں اردو ص۶۱ ۔ [۳] ارمغان سرورق

Marfat.com

تواریخ بذات خود ایک رسالہ ہے اور اس کا نام سرِ ورق پر یوں درج ہے۔
"گلدستۂ مشام آرا جامع تواریخ استادان نو وکہن موسوم بہ گنج تواریخ"۔ دونوں
رسالے ایک نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ رسالے ہیں۔ دونوں رسالوں کا سن ترتیب وسن
طباعت بھی الگ الگ ہے۔ البتہ موضوع دونوں کا ایک ہے۔

اس رسالے کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد نحمدہ و نستعینہ و نصلی
علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین سے ہوئی ہے اور پھر تاریخ وفات حضرت
سرورِ کائنات سے قطعات تاریخی شروع ہوئے ہیں۔ گنج تواریخ ہی کی طرح سرورِ
کائنات، صحابہ کرام، صوفیائے عظام و شیوخ و سلاطین و نیز اپنے معاصرین اور لواحقین
کی تاریخ وفات وغیرہ اس رسالے میں نساخ نے درج کی ہے۔ علاوہ ازیں اپنے بعض
معاصرین کے ترتیب دیوان کی تاریخ پر اور ڈھاکا کے شاہ باغ کی بنائے تاریخ و ملکہ
وکٹوریہ کے لقب شاہنشاہی پر تاریخی قطعات اس رسالے میں شامل ہیں۔

معلوماتی نکتۂ نگاہ سے کنز تواریخ بھی اہم ہے۔ بالخصوص نساخ کے
آباؤ اجداد کی وفات کی تاریخ اس رسالے سے برلنسبت گنج تواریخ کے زیادہ
معلوم ہوتی ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے اور جس کا اندازہ خود اس رسالے کے نام
سے ہوتا ہے کہ یہ رسالہ گنج تواریخ کا تتمہ ہے لیکن گنج تواریخ کے برخلاف اس میں
بیشتر قطعات اور فردیات فارسی زبان میں ہیں۔ مولوی سید لطیف الرحمٰن لکھتے
ہیں "تین قطعات تاریخ شاہ باغ ڈھاکا کی تعمیر میں اردو میں کہے گئے ہیں، باقی سب
فارسی میں ہیں[1]"۔ لیکن کنز تواریخ میں ان اردو قطعات تاریخ کے علاوہ دو قطعات
تاریخ نواب عبداللطیف خاں بہادر کی لڑکی کی شادی اور ایک قطعہ تاریخ ترتیب
دیوان جناب خواجہ عبدالغفار رئیس ڈھاکا متخلص بہ اختر و وفا سے متعلق اردو میں
موجود ہے[2]۔ نیز شاہ باغ ڈھاکا کی تعمیر میں بھی دو فردوں میں الگ الگ تاریخیں بھی

---

[1] نساخ سے وحشت تک ص ۸۴ ۔ [2] ارمغان ص ۳۸، ۳۹

Marfat.com

اردو میں ہیں۔ گنج تواریخ اور کنز تواریخ دونوں ہی نسّاخ کی قدرت و مہارت تاریخ گوئی پر دلالت کرتی ہیں۔ مہتمم مطبع نظامی نے بجا طور پر خراج تحسین پیش کیا ہے کہ "مقام تعجب اور قابل تحسین و احسنت یہ بات ہے کہ باوجود اشغال کثرت کار یعنی کسی عہدے جلیل کہ سرکار باقتدار ملکہ معظمہ سے متعلق ہیں اون سب کا ذہانت سے انجام دینا اور پھر تالیفات اور تصنیفات میں مصروف ہونا انہیں کا کام ہے۔"[1]

---

[1] کنز تواریخ ـــ ص ۵

(۱۰) مظہر معمّا

یہ رسالہ ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا تاریخی نام "مظہر معمّا" ہے۔ مطبع بحرالعلوم لکھنؤ سے یہ اشاعت پذیر ہوا۔ نسّاخ لکھتے ہیں "..... در ابتدائے مشقِ سخن معمائے چند نوشتہ بودم دریں روز ہا حسب خواہش احباب آں را در حیار رسالہ جمع نمودم و بہ مظہر معمّا نامیدم"؛[1]

رسالے کے آخر میں مہتمم مطبع نے دو قطعات دیئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مظہر معمّا کی طباعت ۱۳۰۲ھ میں ہوئی تھی۔ ۱۲۹۶ھ اس رسالے کا سالِ ترتیب ہے۔[2]

زفکر ثاقب نسّاخ یکتا ‏ ‏ ‏ ‏ کتابے از معمّا شد مرتب
رقم کن سال او رخشاں معمّا ‏ ‏ ‏ ‏ برائے یادگار طبع اے کلک
۱۳۰۲ھ

اس رسالے میں معموں کی مجموعی تعداد ۳۹ ہے۔ ۲۹ معمّے فارسی میں ہیں اور دس اردو میں۔ جیساکہ نسّاخ نے اوپر بیان کیا ہے۔ یہ معمّے اس رسالے میں یکجا کر دیئے گئے ہیں اور اس طرح ان کی علیحدہ تصنیف یہ رسالہ ہو گیا ہے۔ ورنہ یہی معمّے "اشعار نسّاخ" اور "ارمغان" میں بھی موجود ہیں۔ اشعار نسّاخ کے ۲۵ فارسی اور ۹ اردو کے معمّے اور ارمغان کے ۲ فارسی کے اور اردو کا ایک معمّہ اس میں یکجا کر دیا گیا ہے۔ نیز دو مزید معمّے نسّاخ نے اضافہ کیے ہیں۔

معمّے مع حل کے دیے گئے ہیں اور عموماً معموں کی جو خصوصیت گرہوں کو کھولنے کی ہوتی ہیں وہی چیز یہاں بھی ہے۔ نسّاخ نے جو حل پیش کیے ہیں اس سے ان کی قوت و وسعتِ نظر کا پتہ ملتا ہے۔ یہ رسالہ ڈھاکا یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے اور نمبر ABM 491-ی-ک (HRC)P ہے۔ یہ رسالہ میری نظر سے گزرا ہے۔

---

[1] مظہر معمّا۔ ص۲
[2] ،، ،، ص۱۵

Marfat.com

(۱۱)

ترانۂ خامہ

ترانۂ خامہ نساخ کی اردو رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ ترانہ خامہ تاریخی نام ہے اور عرفیت مرغوبِ جان ہے۔ اس کا حجم ۳۲ صفحات ہے۔ سال ترتیب ۱۳۰۲ھ ہے خاتمۂ کتاب پر نساخ نے خود قطعۂ سالِ ترتیب اس طرح لکھا ہے[۱]

بعونِ لطفِ سخن آفریں بندہ نواز
ہزار شکر کہ ترتیب یافت ایں نامہ
زجوشِ ولولہ نساخ نام و تاریخش
سرود مطربِ کلکم ترانۂ خامہ
۱۳۰۲ھ

"ترانۂ خامہ" مطبع بحر العلوم لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ میرے پاس جو نسخہ ہے وہ آخر میں ناقص ہے۔ اس لیے سالِ طباعت موجود نہیں لیکن محمود آزاد کے قطعہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۰۲ھ ہی میں یہ رسالہ طبع بھی ہوا تھا۔

سید اقبال عظیم صاحب مصنف مشرقی بنگال میں اردو نوٹ کے تحت لکھتے ہیں۔ "حکیم صاحب[۲] نے ...... اسی طرح "مرغوب دل" کے بجائے رباعیات کے مجموعہ کا نام "مرغوب جان" لکھا ہے اور ترانۂ خامہ اس کی عرفیت بتائی ہے۔ اس طرح ترانۂ خامہ اور مرغوب جان الگ الگ دو کتابیں نہیں ٹھہرتیں[۳]۔" حکیم صاحب موصوف نے ٹھیک ہی لکھا ہے۔ ترانۂ خامہ اس رسالے کا تاریخی نام ہے اور عرفیت مرغوبِ جان بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترانۂ خامہ یعنی مرغوبِ جان ان کی نظر سے نہیں گزری اور اس باب میں جو کچھ انھوں نے لکھا ہے بالکل قیاس سے لکھا ہے۔

---

[۱] ترانۂ خامہ ص ۳۲

[۲] حکیم حبیب الرحمٰن مصنف ڈھاکا پچاس برس پہلے وغیرہ

[۳] مشرقی بنگال میں اردو ص ۴۶

Marfat.com

مرغوبِ جان یا ترانۂ خامہ کا سائز ½ ۹" × ۶" ہے۔ رباعیوں کی مجموعی تعداد ۱۵۱ ہے ارمغان کی ۵۴، اور اشارِ نسّاخ کی ۸ رباعیاں بھی اسی مجموعہ میں شامل کر دی گئی ہیں۔ رباعیاں ردیف وار ہیں۔ ابتدا بسم اللہ سے ہوتی ہے اور پہلی حمد سے کی گئی ہے۔ پہلی رباعی یہ ہے:

بے آنکھ کے اللہ ہے تو ہی بینا　　　بے کان کے اللہ ہے تو ہی شنوا
فرمایا جو تو نے قل ھو اللہ احد　　　بے شبہ و شک ہے ذات تیری یکتا

رباعیاں نعت میں بھی ہیں اور منقبتِ اصحابِ کبار میں بھی۔ ایک بات اس مجموعۂ رباعی میں یہ ہے کہ مرغوبِ دل کے برخلاف نسّاخ نے مرغوبِ جان میں صنائع بدائع پر زور نہیں دیا ہے۔ پورے رسالے میں ایک بھی صنعت لفظی اور معنوی کا ذکر نسّاخ نے نہیں کیا ہے۔ زبان صاف ہے تشبیہ واستعارہ پر زور نہیں صرف کیا ہے مضمون آفرینی کے لیے زمین و آسمان برابر نہیں کیے گئے ہیں بلکہ صفائی زبان، سادگیٔ کلام اور وارداتِ قلبیہ کا اظہار پایا جاتا ہے۔ کلام میں زور بھی ہے۔ اپنی حرماں نصیبی اور معشوق کی بے اعتنائی کا ذکر بھی ہے۔ اغیار کا تذکرہ بھی اور شبِ ہجر کی شکایتیں بھی ہیں۔ دلِ حزیں کا رونا اور اس کی بیقراری کی تفصیل بھی ہے۔ معشوق کی کجرفتاری اور ستمگری کی داستان اور واعظ پر پھبتیاں بھی۔ معشوق کی محفل میں اپنے ذکر کے آجانے کا بیان بھی ہے اور اپنی جان کھونے کا رونا بھی۔ بہار کی توبہ شکنی اور دیوانہ سازی کا ذکر بھی ہے۔ محتسب کی آمد سے میکشوں کے سر پہ بلا آنے کا واقعہ بھی۔ غرضیکہ رباعیاتِ نسّاخ میں گوناگوں مضامین ہیں لیکن روایتی ہے ثباتیٔ عالم کا ذکر نہیں البتہ بعض علاقے اور بعض جگہوں کے انسانوں کی مذمت میں بھی رباعیاں کہی ہیں مثلاً سلہٹ کے لوگوں کی زبان اور وضع قطع کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گر کم نہیں غار سے مکانِ سلہٹ　　　بدتر ہیں اژدر کے مردمانِ سلہٹ
ہے وضع عجیب اور ہے انداز عجیب　　　ہے سب سے عجیب تر زبانِ سلہٹ

میدنی پور کی ہجو نسّاخ نے یوں کہی ہے:

Marfat.com

چہرے پر کسی شخص کے یہاں نور نہیں ہے کون سی جا جہاں کہ لنگور نہیں
گرمی ہے قیامت کی عیاذاً باللہ ہے چاہ سقر یہ میدنی پور نہیں

کلکتہ سے نسّاخ کو جو لگاؤ تھا وہ ڈھکی چھپی بات نہیں اس لئے کلکتہ کی تعریف میں وہ لکھتے ہیں :-

یہ شہر نہیں ہے یک جہاں کلکتہ ہر شہر زمیں ہے آسماں کلکتہ
جنت میں بھلا کہاں ہیں ایسی حوریں فردوس کہاں اور کہاں کلکتہ

شہر دلّی سے نسّاخ خاص طور پر متاثر نظر آتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں اور یہاں کی زبان نے اُن پر خاص اثر چھوڑا ہے اس کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہیں :-

خوش پوش ہیں سارے مردمانِ دہلی کیا شستہ و رفتہ ہے زبانِ دہلی
ہے رشکِ بہشت گلستانِ دہلی بہتر ہے بہار سے خزانِ دہلی

نسّاخ کے اس مجموعۂ رباعی میں اخلاق، تصوّف اور پند و نصائح پر ایک رباعی بھی نہیں ہے۔ زیادہ تر رباعیاں عشق اور لوازماتِ عشق سے متعلق ہیں۔ کوئی ایسی رباعی اس مجموعہ میں نہیں جس کو پڑھ کر انسان سانس روک لے اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جائیں۔

Marfat.com

(۱۲)

نصرۃ المسلمین

نصرۃ المسلمین کا پورا نام رسالہ ردّ وہابی مسمّٰی بہ نصرۃ المسلمین فی الرد علی غیر المقلدین ہے اور عرفیت قرع المقالین۔ یہ ۴۰ صفحے کا رسالہ ہے اور مطبع حامی الاسلام دہلی میں طبع ہوا۔ مولوی عبدالمنعم ذوقی مدرس عربی و فارسی ڈھاکا کالج نے تاریخ طباعت و تصنیف ۱۳۰۳ھ لکھی ہے ملاحظہ ہو[1]:۔

جو خواستگار شدم سالِ طبع و تصنیفش
زطبعِ خاک ذرت ذوقیِ پریشاں حال
بخندہ گفت بکوب او لاسر بدکیش
نویس بازپۓ سال "تازیانۂ ضلال"

۱۳۰۵
۲
۱۳۰۳ھ

نصرۃ المسلمین میں چالیس صفحوں کے علاوہ علیحدہ سے چار صفحے تقریظ اور قطعہ تاریخ کے لیے شامل کیے گئے ہیں۔ نصرۃ المسلمین کا ایک مطبوعہ نسخہ ڈھاکا یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے اور میری نظر سے گزرا ہے۔ اس رسالے کے لکھنے کی تحریک "مولوی سید عصمت اللہ الشیخ نے کی تھی۔ یہ رسالہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتا ہے۔ بعد الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین کے بعد ناسخ اسباب تصنیف کے متعلق فرماتے ہیں یہ خاکسار عبدالغفور خالدی متخلص بہ ناسخ ابن قاضی فقیر محمد مرحوم

برادران دینی کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ دس بارہ برس کا زمانہ گزرا ایک دن دیوانِ حکیم محمد مومن خاں دہلوی دیکھ رہا تھا۔ اس میں یہ رباعیاں نظر سے گزریں

رباعیاں:۔

---

[1] نصرۃ المسلمین ص ۴۰

Marfat.com

ہر چند نہیں قیاس سے کچھ سروکار
پر توبہ سے از بسکہ ہوا میں بیمار
مے بہر دوا پینے کو مفتی کے حضور
تقلید ابو حنیفہ کا ہے اقرار

ولہ

ہے بسکہ محبتِ رسولِ مختار
مذہب کو میں سوچتا ہوں لیکن ہر بار
آتا ہے قیاس میں حق اہلِ حدیث
ہر چند قیاس سے نہیں ہے سروکار

ولہ

خالص ہوں محمدی مرا دین اسلام
گو رائے صواب پر نہیں مجھ کو کام
تقلید کی ٹھہرے تو بنوں گا شیعہ
کس واسطے چھوڑ دیجیے افضل تر امام

ولہ

ارباب حدیث کا میں فرمانبر ہوں
تقلید کے منکروں کا سر دفتر ہوں
مقبول روایت ائمہ نہ قیاس
یعنی کہ فقط مطیع پیغمبر ہوں

چونکہ ان رباعیوں میں تقلید و قیاس پر چوٹیں ہیں اس لیے جی میں آیا کہ ان رباعیوں کا جواب لکھوں۔ چنانچہ اثنائے شعر گوئی میں کبھی تقلید، کبھی کبھی اجماع، کبھی قیاس کے مشروع ہونے کے بارے میں کبھی تقلید پر اور بعض بعض مسائل حنفیہ پر جو وہابیوں نے اعتراضات کیے ہیں ان میں سے بعض بعض اعتراضوں کے جواب، یا کبھی بعض بعض عقیدہ مردودہ وہابیان میں کبھی وہابی لوگ جن آیتوں کے اور جن احادیث کے مصداق ہیں اُن کے بیان میں کبھی امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے فضائل میں رباعیاں موزوں کرتا رہا۔ ان دنوں بعض احباب نے اصرار کیا کہ ان رباعیوں کو جمع کرو کہ مقلدین کے لڑکے یاد کریں اور ان سے فائدہ اٹھائیں اور میری عدم فرصتی پر میرے ایک دوست نے نظر کرکے مجھ پر مہربانی کی کہ ان رباعیوں کی مختصر سی تشریح تحریر کی اور اس رسالے کا نام نصرۃ المسلمین بالرد علی غیر المقلدین رکھا۔[1]

---

[1] نصرۃ المسلمین ص ۲

رباعیوں کی تعداد ۶۰ ہے اور یہ سب باعتبار حروف تہجی ہیں۔ رباعیوں میں حدیثوں اور قرآن کی آیتوں کو جا بجا بڑی صفائی اور برجستگی سے استعمال کیا گیا ہے اور ہر رباعی کے بعد قرآن و حدیث کی مدد سے اس کی تشریح پیش کی گئی ہے اور اقوالِ اہلِ حدیث کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی تردید کی گئی ہے۔ رباعیات کی زبان سخت ہے اور لہجہ بھی شدید ہے۔ اکثر اوقات نساخ متانت و سنجیدگی کا دامن بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور سخت سست کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ دراصل نصرۃ المسلمین صرف مومن کے مسلک اور ان کے مندرجہ اقوال اور عقیدہ ہی کی تردید میں نہیں بلکہ اس عقیدے کی تحریک کی زد میں بھی ہے جو نساخ کے زمانے میں زوروں پر تھی۔ سید احمد بریلوی اور تحریک ولی اللہی کو ہی وہابیت سے تعبیر کیا جانے لگا تھا کیونکہ اس تحریک نے مسلمانوں سے شرک و بدعت کو دور کرنے کی جدّوجہد کی تھی لیکن ہندوستان کے طول و عرض میں اکثریت حنفی مسلک کے افراد کی تھی۔ نتیجہ کے طور پر عقائد کے اعتبار سے مسلمانوں کے دو گروہ ہو گئے اور دونوں گروہوں کے افراد اپنے اپنے مسلک کو درست اور صحیح سمجھنے لگے اور اس طرح اعتقاد میں شدت اور غلو پیدا ہو گیا۔ سیاسی طور پر انگریز بھی سید احمد بریلوی کی تحریک کو کچلنے کے بعد اس کے کامل استیصال کے لیے ہوا دینے لگے بالخصوص عبداللطیف نے تو اس تحریک کے خلاف فتاوے بھی حاصل کر کے شائع کرائے تھے۔ عبدالغفور نساخ انہیں کے بھائی تھے اور یہ بھی انگریزوں کے ملازم تھے۔ پھر انہیں اپنے مسلک سے محبت بھی تھی اور اس تحریک ولی اللہی جسے عرف عام میں وہابی تحریک کہتے تھے سے سخت عداوت بھی۔ چنانچہ ان کی رباعیاں یا یہ رسالہ نصرۃ المسلمین اسی عداوت کا انعکاس ہے۔

بہرکیف مضامین کے اعتبار سے نساخ کی رباعیاں اہلِ حدیث کی تعلیم آمین کا بالجہر کہنا، اجماع سے انکار کرنا، اماموں کی تقلید سے منع کرنا، حدیث کے مقابلے میں فقہ سے انکار کرنا، زیارت قبر کی ممانعت، شبینہ اور قیاس ... تقلید سے پرہیز ... فقہی ... کے اختلافات وغیرہ سے متعلق

Marfat.com

ہیں۔ ان رباعیوں میں انھیں مسائل کی پرزور تردید کی گئی ہے اور اس کی جگہ انہیں قرآن وحدیث اور دیگر اقوال سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بسا اوقات وہابیوں پر طعن طعن بھی کیا گیا ہے۔ ایک رباعی اس سلسلے میں مثال کے طور پر ذیل میں دی جاتی ہے۔

وہابی ہے ایک فرقہ بد انجام ہووے گا ضرور اس کا جہنم میں مقام
اب کس کو ہو اس کے کفر و الحاد میں شک تقلید کو کہتا ہے یہ شرک اور حرام

Marfat.com

(۱۴) باغِ فکر معروف بہ مقطعاتِ نسّاخ

باغِ فکر تاریخی نام ہے اور مقطّعاتِ نسّاخ عرفیت سالِ ترتیب ۱۳۰۲ھ اور سالِ طباعت رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ مطابق ماہ جون ۱۸۸۷ء اسکی اشاعت مطبع نامی الکھنؤ سے باہتمام ابوالحسنات قطب الدین احمد ہوئی تھی صفحات ۴۴ ہیں ایک صفحہ پر غلط نامہ ہے اور یہ رسالہ نسّاخ کے قطعات کا مجموعہ ہے۔ سید اقبال عظیم باغِ فکر کے متعلق فرماتے ہیں "باغِ فکر، خود ان کی سوانح حیات اور قطعات پر مشتمل ایک کتابچہ ہے[1]" باغِ فکر میں قطعات تو ہیں لیکن نسّاخ کی سوانح حیات نہیں۔ کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسّاخ کے قطعات کا مجموعہ ہے۔ غالباً یہ کتاب بھی ان کی نظر سے نہیں گزری ہے۔

قطعات کے علاوہ اس رسالے میں بہتیرے مطلعے بھی ہیں جو نسّاخ نے بہ مطلع صنعتِ توشیح کے ذریعے بنائے ہیں خود ان کی زبانی سنیئے "بہت سے مقطعات مندرجہ بالا میں صنعت توشیح ہے یعنی مصرعہائے آخر قطعہ کو ملانے سے ایک ایک مطلع نکلتا ہے اور بہت سے قطعہ کے مصراعِ اوّل و مصراعِ چہارم کو ملانے سے ایک شعر نکلتا ہے اور بہت سے قطعہ کے مصرعِ سوم و دوم کو ملانے سے ایک شعر نکلتا ہے[2]" اس قسم کے مطلعوں کی تعداد ۹۰ ہے۔

باغِ فکر میں قطعات کی مجموعی تعداد ۱۳۱ ہے۔ اس رسالے میں اشعارِ نسّاخ کے ۱۷ قطعے اور ارمغان، دیوان سوم کے ۶ قطعے بھی شامل ہیں۔ قطعے ردیف وار ہیں۔ قطعات میں نسّاخ نے صنائع بدائع کا بھی استعمال کیا ہے اور بالخصوص

۱؎ مشرقی بنگال میں اردو ص ۵۹

۲؎ باغِ فکر ص ۲

Marfat.com

وہ مطلع، جن کی تعداد ۹۰ ہے تو نسّاخ کے صنائع بدائع اور ان کی جدّتِ طبع کے نمونے ہیں۔

باغِ فکر کا ایک نسخہ رضا دائروی اسسٹنٹ لائبریرین ایشیاٹک سوسائٹی پاکستان ڈھاکا کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے اور انہیں کی کرم فرمائیوں کی وجہ سے میرا یہ تشنہ پہلو سیراب ہوا۔

قطعات کی ابتدا یا غفور اور بسم اللہ سے ہوئی ہے اور ابتدائیہ قطعہ حمد میں ہے۔

مشکلیں جتنی ہیں ہو جائینگی آساں سربسر
ورد رکھ نسّاخ تو ہر وقت نام اللہ کا
آتشِ دوزخ بھی تجھ پر حشر میں ہوگی حرام
گوشِ جان و دل سے سن ہر دم کلام اللہ کا

مضامین کے لحاظ سے قطعات زیادہ تر عشقیہ ہیں۔ ہجر کی جاں کنی اور اس کی ابتلا۔ وصلِ محبوب میسّر نہ ہونے کا شکوہ معشوق کی جفا کاریاں، نالہ و فریاد اور فغانِ دلِ ناکام اور بدنام ہو جانے کا خوف، وعدۂ وصل کا ایفا نہ کرنا اور دل کی بیتابیوں کا بڑھنا۔ دردِ دل کا لاعلاج ہونا۔ ناصح کی ناگوار باتوں کے سننے سے خفقان ہونا۔ معشوق کی بیداد گری۔ بتِ بے مہر و وفا سے امیدِ وفا معشوق کی بے اعتنائی۔ نالۂ شب گیر کی بے اثری وغیرہ کا بیان نسّاخ نے اپنے قطعوں میں زیادہ تر پیش کیا ہے۔ ایک دو نعتیہ قطعے بھی ہیں اور بے ثباتیٔ عالم پر بھی ایک قطعہ ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

نشاں باقی رہا جز نام کس کا دارِ فانی میں — الٰہی درپئے کیں کس قدر یہ دورِ گردوں ہے
بنا آئینۂ اسکندری نے جامِ جم کا ہے — نہ باقی طاقِ نوشیرواں ہے نے قیصر فریدوں ہے
نہ عذرا نے دمن ہے اور نہ شیریں ہے نہ ہے لیلیٰ
نہ وامق ہے نہ ہے نل کوہکن ہے اور نہ مجنوں ہے

Marfat.com

لیکن اس قطعہ میں وہ تاثیر نہیں جو میر کے قطعہ

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا ۔ یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر ۔ میں بھی کبھو کسی کا سر پُر غرور تھا

میں ہے ۔ یہ قطعہ زور و اثر میں ڈوبا ہوا ہے اور عبرت آفریں ہے لیکن نساخ کا قطعہ اس اثر سے خالی ہے ۔ یہ شراب تو ہے لیکن نشہ سے خالی اور بے کیف ۔

زبان کے لحاظ سے قطعات کی زبان منجھی ہوئی اور صاف ستھری ہے ۔ بڑے بڑے مغلق اور ادق الفاظ سے گریز کیا گیا ہے ۔ البتہ مضامین کے لحاظ سے قطعات میں وہ تنوع نہیں جو قطعات میں ہوتے ہیں، پھر بھی "باغِ فکر" نساخ کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے ۔

Marfat.com

(ج) تالیفات

(۱۴) نصاب زبانِ اردو حصہ دوم (حصہ نظم)

یہ کتاب جس کا نام "نصاب اردو زبان" ہے، نساخ کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ میں موجود ہے۔ اس کے سرورق پر انگریزی و اردو میں اس طرح مرقوم ہے:۔

NISAB-I-URDU ZABAN. SUBJECTS OF EXAMINATION IN THE OORDOO LANGUAGE APPOINTED BY THE SENATE OF THE CALCUTTA UNIVERSITY, FOR THE L.A. EXAMINATION OF 1864. SECOND PART. COMPILED BY MAWLAVI ʿABD-AL-GHUFOOR, NUSSAKH, DEPUTY MAGISTRATE, FOR THE PUBLISHER. EDITED BY CAPT. W. NASSAU LEES, L.L.D.

THIS COPY WAS PRINTED FOR THE REGISTRAR OF THE CALCUTTA UNIVERSITY, CALCUTT. PRINTED AT THE COLLEGE PRESS, 1863.

اردو زبان کے امتحان کا نصاب ہے جو کلکتہ یونیورسٹی کے سینٹ نے ۱۸۶۴ء کے ایل اے کے امتحان کے لیے مقرر فرمایا ہے۔

دوسرا حصہ

جس کو مولوی عبدالغفور المتخلص بہ نساخ ڈپٹی مجسٹریٹ نے بپاس خاطر

CALL NO. 377 (CALCUTTA COLLECTION) ص

Marfat.com

طابع کے تالیف کیا۔

کپتان ولیم ناسو لیس کی تصحیح سے چھپا۔

یہ نسخہ کلکتہ یونیورسٹی کے رجسٹرار صاحب کے لیے چھاپا گیا۔

کلکتہ کالج پریس ۱۸۶۳ء

اس کی تقطیع ۶" × ۸" ہے۔ چھپائی ٹائپ کی ہے اور صفحات ۱۰۸ ہیں۔ نصاب زبان اردو حصہ دوم کا ایک مطبوعہ نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال لائبریری کلکتہ میں موجود ہے اور میری نظر سے گزرا ہے۔ اس کا نمبر ۷۳۰ (کلکتہ کا کلکشن) ہے۔

کتاب بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوئی ہے اس کے بعد حمد میں ذوق کی غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے:۔

ہوا حمد خدا میں دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

اس کتاب میں صرف غزلوں اور قصیدوں کا انتخاب شامل کیا گیا ہے۔ غزلیں ذوق، ظفر، مومن، رند، قبول، سودا اور گویا کی منتخب کی گئی ہیں۔ قصیدے سودا، ذوق، غالب، مومن اور گویا کے اس انتخاب میں شامل ہیں۔ غزلوں کا انتخاب ردیف وار ہے اور ہر شاعر کی مکمل غزل منتخب کی گئی ہے۔ بعض بعض غزلیں طویل بھی ہیں مثلاً گویا کی ایک غزل جس کا مطلع ہے:۔

کیونکہ نہ خوش ہو مرغ دل گلکدۂ دار میں
کیا پھل لگا ہے نخل تمنائے یار میں

۵۰ دستاویز اشعار پر مشتمل ہے۔

غزلوں اور قصیدوں کے علاوہ کسی دوسرے صنف سخن کا انتخاب نہیں کیا گیا ہے۔ انتخاب کے سلسلے میں بھی نساخ نے جدت و ندرت سے کام نہیں لیا ہے۔ نہ غزلوں کے عمدہ اشعار ہی کو چھانٹ چھانٹ کر انتخاب کیا ہے۔ جیسا کہ جدید زمانہ میں انتخاب کا طریقہ رائج ہے لیکن اس نصاب اردو زبان سے البتہ ایک اہم بات کے اندازہ

Marfat.com

لگانے میں مدد ملتی ہے کہ نساخ باوجودیکہ اپنی ابتدائی شاعری کے دور میں دبستانِ لکھنؤ کی شاعری سے متاثر نظر آتے ہیں اور جس کی زندہ مثال ان کے دیوان "دفترِ بے مثال" اور "اشعارِ نساخ" ہیں مگر ان کی طبیعت کا رجحان ابتدا سے دبستانِ دہلی کی طرف نظر آتا ہے۔ اسی لیے سودا، ذوق، مومن اور ظفر کی زیادہ تر غزلیں منتخب کی گئی ہیں جن میں صرف ظفر کی ۲۹ غزلیں شامل ہیں۔

اس انتخابِ کلام پر نساخ کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ جس دور میں یہ انتخاب کیا گیا ہے اس دور میں شعراء یا تو پسندیدہ غزلیں یا چیدہ چیدہ شعروں کا ہی انتخاب کرتے تھے۔ موجودہ دور کا سا تنقیدی شعور اس وقت پیدا نہیں ہوا تھا جس کی بنیاد یا اصول پر وہ شعراء کی مکمل غزلوں کی جگہ ان کے چیدہ چیدہ اشعار یا غزل کے منتخب کلام کو منتخب کر کے داخلِ نصاب کرتے۔ تاہم جو غزلیں انہوں نے انتخاب کی ہیں وہ صنعتوں سے پُر یا لفظی بازیگری کا طرفہ تماشا نہیں ہیں۔ غزلیں طویل اور چھوٹی دونوں بحروں میں ہیں۔

اس انتخابِ کلام میں کون سا اصول کارفرما تھا اس کی نشاندہی اگرچہ نساخ نے اس کتاب میں کہیں نہیں کی ہے مگر سخن شعراء میں ان شاعروں کی شاعری کے متعلق نساخ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ فرداً فرداً ان شعراء کی شاعری پر نساخ کی رائے ملاحظہ ہو:۔

"ذوق ...... مضامین تازہ و عالی و عاشقانہ خوب باندھتے تھے۔" ص ۱۶۶

"رند ...... شعر صاف و عاشقانہ اچھا کہتے تھے۔" ص ۱۹۳

"ظفر ...... شعر نہایت شیریں و نمکین کہتے تھے۔" ص ۳۰۰

"قبول ...... شعر صاف و عاشقانہ اچھا کہتے تھے۔" ص ۳۸۲

"گویا ...... شعر صاف و عاشقانہ اچھا کہتے تھے۔" ص ۴۰۳

"مومن ...... اشعار ان کے پُر مضمون و شیریں و عاشقانہ و نمکین ہوتے تھے۔" ص ۴۶۷

مندرجہ بالا رایوں سے پتہ چلتا ہے کہ نساخ کی نگاہوں میں ان اشعار یا غزلوں

Marfat.com

کو بڑی وقعت حاصل تھی جو عاشقانہ یا صاف شیریں و نمکین ہوتی تھیں اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسی نقطۂ خیال کو پیش نظر رکھ کر یہاں بھی انہیں غزلوں کا انتخاب کیا ہے جو اس ضمن میں آتی ہیں۔ چند غزلوں کے بعض بعض اشعار نمونے کے طور پر درج کئے جاتے ہیں تاکہ نساخ کے رجحانِ طبع اور سلیقۂ انتخاب کا اندازہ لگایا جا سکے۔

وقت پیری شباب کی باتیں　　ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں
حرف آیا آبرو پہ مرے　　ہے یہ چشم پُر آب کی باتیں
یاد ہیں رمۂ جبیں کے بھول گئے　　وہ شبِ ماہتاب کی باتیں
دیکھ لے دل نہ چھیڑ قصۂ زلف　　کہ یہ ہیں پیچ و تاب کی باتیں
ذکر کیا جوشِ عشق میں اے ذوق　　ہم سے ہوں صبر و تاب کی باتیں

تم بھی رہنے لگے خفا صاحب　　کہیں سایہ مرا پڑا صاحب
کیوں الجھتے ہو جنبشِ لب سے　　خیر ہے، میں نے کیا کہا صاحب
کیوں لگے دینے خطِ آزادی　　کچھ گنہ بھی ناکام کا صاحب
ستم آزار ظلم و جور و جفا　　جو کیا سو بھلا کیا صاحب
نامِ عشقِ بتاں نہ لو مومنؔ　　کیجیے بس خدا خدا صاحب

Marfat.com

(۱۵) منتخباتِ دواوینِ شعرائے ہند

یہ تالیف چند شعرائے اردو کی غزلوں اور قصیدوں کا مجموعہ ہے۔

اسے نساخ نے ترتیب دیا لیکن کیپٹن ولیم ناسو لیس (W. NASSAU LEES) نے اپنی تصحیح سے کالج پریس کلکتہ سے ۱۸۶۴ء میں طبع کرایا۔ تقطیع ۹×۶ ہے اور صفحات ۱۸۰۔ چھپائی ٹائپ میں ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ نیشنل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے[۱]۔ اس کتاب پر فورٹ ولیم کالج کی مہر بھی لگی ہوئی ہے۔

جن شعرا کی غزلوں کا انتخاب کیا گیا ہے، اُن کے نام یہ ہیں :۔

ذوقؔ، ظفرؔ، مومنؔ، رندؔ، قبولؔ، سوداؔ اور قصائد میں سوداؔ کے شہر آشوب کے علاوہ گویاؔ، غالبؔ، ذوقؔ اور مومنؔ کے قصائد شامل انتخاب کیے گئے ہیں۔

ان شعرا کے علاوہ اور کسی کا کلام منتخب نہیں کیا گیا ہے۔

اس انتخاب میں کیپٹن مذکور کا انگریزی میں ۷ صفحوں پر مشتمل ایک دیباچہ بھی شامل ہے اور یہ دیباچہ بڑا ہی دلچسپ ہے کیونکہ اس سے اس دور کے انگریزوں کی ذہنیت اور ان کی کم علمی کا پتہ چلتا ہے۔ کیپٹن مذکور مسلمان فاتحین کے متعلق لکھتا ہے:۔

"The Mohammedan conquerors of foreign countries invariably carried with their swords their religion, their laws and their languages. They imposed on their subjects, completely if they could or to as great an extent as they

---

[۱] نمبر II A. 53

considered prudent, if they could not. Hence under Mohammadan dynasties in India, converts to Islam were numbered by millions."

اردو زبان کے متعلق لکھتا ہے۔۔

"The development of the rekhtah language, or as it is now more commonly called, urdu, is comparatively of very modern date. The older specimens of the language which we possess are simply, Hindi, or the vernacular language of the North Western Provinces of India with a moderate admixture of Arabic & Persian works.

ناسو کے نزدیک ریختہ میں سودا کا درجہ بہت بلند ہے۔

"Mirza Rafi Sauda was the greatest master of rekhtah."

سودا، میر، آتش و ناسخ کی شاعری کے متعلق کپیٹن مذکور کا خیال ملاحظہ ہو۔

"The Poems of Sauda, Taqi, Nasikh and Atish are, for the most part, somewhat difficult.

Marfat.com

The metres of Taqi especially, are long and the construction of the sentences inverted and involved. This renders them often enigmatical, which, though by no means a defection, the eyes of an Indian Mohammadan, does not tend to make them what is called 'pleasant reading'."

یہ وہ چند جملے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں۔ اُن کے متعلق بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ انگریز اپنی جبلّت سے مجبور تھا ورنہ وہ مسلمان فاتحین کے جبر و اکراہ کے متعلق یہ باتیں نہ لکھتا۔ نیز زبان اردو کے متعلق بھی اس کی واقفیت واجبی سی معلوم ہوتی ہے۔

بہرکیف یہ دیباچہ اُس دور کے انگریزوں کے نظریہ اور رجحان کی نشاندہی کرتا ہے ورنہ جہاں تک انتخاب کا معاملہ ہے یہ انتخاب زیادہ اہمیت کا حامل نہیں۔ سودا کی غزلوں کے اشعار منتخب نہیں کیئے گئے ہیں بلکہ پوری پوری غزلیں شامل کی گئی ہیں۔ بعض بعض غزلیں طویل بھی ہیں مثلاً گویا کی ایک غزل ۵۷ اشعار پر مشتمل ہے

"منتخب دواوین شعرائے ہند" نصاب زبان اردو حصّہ دوم کا ہی دوسرا نام ہے۔ نصاب اردو جیسا کہ قبل بیان کیا جا چکا ہے۔ ایل۔ اے کے امتحان ۱۸۶۴ء کے لیے ۱۸۶۲ء میں کالج پریس کلکتہ سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس میں اور منتخبات دواوین شعرائے ہند میں بھی وہی غزلیں، قصیدے انہیں شعرا کے انتخاب کیئے گئے ہیں جو نصابِ زبان اردو حصّہ دوم میں شامل ہیں۔ دونوں میں سرمو فرق نہیں۔ البتہ

Marfat.com

نصاب زبان اردو میں ناسو لیس (NASSAU LEES) کا دیباچہ موجود نہیں اور اس کا نام بھی "منتخبات دواوین شعرائے بلند" نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی فرق دونوں کتابوں میں نہیں۔ مولوی سید لطیف الرحمٰن نے اپنی کتاب "نساخ سے وحشت تک" میں اسے نساخ کی تصنیفات میں ایک علیحدہ کتاب دکھایا ہے جو درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ صرف نام کے فرق کے علاوہ کتابوں میں کسی قسم کا بھی فرق نہیں۔

ان تصنیفات و تالیفات کے علاوہ ان کے نام سے دو اور تالیفات "قصائد منتخبہ" اور "سفینۂ منتخب" بھی منسوب ہیں۔ دونوں کے متعلق سید محمود آزاد مرحوم کا قطعۂ تاریخ ان کے دیوان، دیوان آزاد میں موجود ہے، ملاحظہ ہو :-

قطعۂ تاریخ سفینۂ منتخب مؤلف عالی جناب مولوی عبدالغفور خاں نساخ مرحوم:[۱]

ایں نسخۂ عجیب کہ در نظم فارسی
خود از برائے خویش ہما نا بود مثال
چوں شد مرتب و نظر افروز خلق گشت
آزاد گفت سال کہ "شعر تر وصال"
۱۲۹۷ھ

قطعۂ تاریخ قصائد منتخبہ مؤلفہ ایضاً :-[۲]

یافت ترتیب خوشا نسخۂ نغزیکہ درو | مدحت نکتہ وری رشک دہ سحبان است
ہست چوں ہدیۂ مرضیۂ اقلیم خیال | سال ترتیب رہ آورد سخن فعال است
۱۳۰۲ھ

سفینۂ منتخب :- سفینۂ منتخب تاریخی نام ہے اور میرزا وصال شیرازی کے فارسی کلام کا انتخاب ہے۔ یہ انتخاب نامی پریس لکھنؤ سے اپریل ۱۸۸۰ء میں شائع

۱؎ دیوان آزاد صفحہ ۱

۲؎ ایضاً صفحہ ۱

Marfat.com

ہوا۔ حجم ۳۰ صفحے ہیں۔ ایک صفحہ پر مشتمل غلط نامہ الگ سے منسلک ہے۔ اس میں سیّد محمود آزاد کا دو صفحے کا ایک مقدمہ بھی ابتدا میں شامل ہے۔ اس کتاب کے متعلق محمود آزاد فرماتے ہیں :۔

...... منتخب دواوین ..... مرزا وصال شیرازی ست کہ اوّل بہ تتبع ثالث رسل ثلاثہ شعرا حضرت شیخ سعدی، دوم بطرز لسان الغیب بندگی خواجہ حافظ و سوم بطرز خود شاں رقم فرمودہ و در میخانۂ بے خروش معانی بر روئے حریفاں دریا نوش بزم سخندانی راز کشودہ۔ اقا این ذوق افزا شراب وساغی این دلربا انتخاب سخن فہم سخنداں مقتدائے شعرائے زماں عالی جناب مخادما انتساب مولوی ابو محمد عبدالغفور خاں بہادر دام فیضہم را نازم کہ دریں کار عجب ساحری بکار بردہ غلط کردم طرفہ ید بیضائے نمودہ جرعہ کشاں خمستان افکار ازیں شراب عاشقانہ کہ سر جوش بادم خم سگانہ است چوں بہ ضیافت دل و دماغ پرداز ند دریابند[۵]"

لیکن خلافِ معمول اس کتاب میں نسّاخ کا کوئی قطعہ نہیں۔ اس کے مادۂ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ۱۲۹۷ھ میں ترتیب دیا گیا تھا لیکن اس کی اشاعت نسّاخ کی وفات سے قبل ہوئی تھی۔ محمود آزاد کے دیباچے کے علاوہ اور کوئی مواد "سفینۂ منتخب" کے متعلق دستیاب نہیں ہوتا جس کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کی جا سکے لیکن نسّاخ کے کسی قطعۂ تاریخ کی عدم موجودگی میں شکوک سر اٹھاتے ہیں کہ آیا انہوں نے بہ نفسِ نفیس اس کی تدوین کی یا کسی کو اس کام پر مامور کیا تھا اور خود اشعار اور غزلوں کے انتخاب میں معاونت کی۔ یہ تمام گوشے صاف نہ ہو سکے۔ قاضی عبدالحمید حمید اور احمد حسین داغ جو نسّاخ کے شاگرد بھی تھے کے قطعات تاریخی جو اس کتاب میں شامل ہیں وہ بھی اس سلسلہ میں کوئی مدد نہیں پہنچاتے لہٰذا محمود آزاد کی رائے سے اتفاق کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ "سفینۂ منتخب" کی تالیف کا سہرا نسّاخ کے سر ہی رہنے دیا جائے۔ سفینۂ منتخب کا سر ورق بھی مولف کے نام سے خالی ہے۔

---

[۵] سفینۂ منتخب ص ۲

Marfat.com

قصائدِ منتخبہ :- قصائدِ منتخبہ اُن قصائد کا مجموعہ ہے جو نسّاخ کی شان میں یا ان کی تعریف و مدح میں مختلف شعراء نے کہے تھے۔ نامی پریس لکھنؤ سے ماہِ مئی ۱۸۸۴ء میں اس کی اشاعت ہوئی۔ "قصائدِ منتخبہ" کا سالِ ترتیب ۱۳۰۲ھ ہے اس کا حجم ۱۵ صفحہ ہے۔ اسے یکجا کر کے شائع کرنے والے عبدالغفور نسّاخ کے شاگرد قاضی عبدالحمید حمیدؔ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :-

"...... خاکسار عبدالحمید متخلص بہ حمیدؔ بہ خدمت شعرائے ماہرِ فن و بالغ نظرانِ نبض شناسِ سخن عرض می دہد کہ ایں اوراق چند موسوم بہ نام تاریخی "قصائدِ منتخبہ" افکارِ فصاحت بار شعرائے نازک خیال است کہ در مدح امام الائمہ کلام مالک ازمۂ اقلام عالی جناب محامد انتساب استادی مولانا ابو محمد عبدالغفور خان صاحب بہادر دام افاضتہم از قلم بدائع رقم ایشاں تراویدہ است۔ ہر چند باعث تلف شدن اندکے از بسیارے و مشتے نمونہ از خروارے بیش نماندہ اما بطور یادگار بمصداق الا یدرک کلہ لا یترک کلہ باصرار بعض احباب صورت ترتیب پذیرفتہ پیشکش ناظرین فہم و دقیقہ رس می شود چشم کہ چوں بہ سیر ایں گلشن بے خار دارند مؤلف را بہ دعائے خیر نوازند۔"[1]

نیز حمیدؔ کا ایک قطعہ تاریخ بھی اس کتاب کے آخر میں شامل ہے۔

قطعہ تاریخ از جامع اوراق جناب حافظ محمد عبدالحمید باشندہ کلکتہ :-

نامہ طرفیست ایں ہوش ربا کہ می کند
جلوہ ز حرف حرف او رنگ متانتِ خیال
شد چو مرتب اے حمیدؔ باہمہ حسنِ انتظام
ہاتفِ غیب سالِ آں گفت "کرامتِ خیال"

مندرجہ بالا سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ[2] نسّاخ[3] کی تالیف نہیں بلکہ ان کے شاگرد حمیدؔ کی تالیف ہے۔ محمود آزاد کا قطعہ تاریخ اس میں بھی موجود ہے

---

[1] قصائدِ منتخبہ ص ۱

Marfat.com

لیکن اس میں انھوں نے اسے نسّاخ سے منسوب نہیں کیا ہے۔ دیوان آزاد میں بھی یہی قطعۂ تاریخ موجود ہے اور وہاں اس کتاب کو نسّاخ کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

قطعۂ تاریخ قصائد منتخبہ مولفہ ایضاً (عالی جناب مولوی عبدالغفور خاں نسّاخ مرحوم)

یافت ترتیب خوشا نسخۂ نغز یکہ دور
مدحت نکتہ ور رشک دو سحبان است
ہست چوں ہدیۂ مرضیۂ اقلیم خیال
سال ترتیب "رہ آورد سخن فہماں است"

(دیوان آزاد ص ۱۰۱) ۱۳۰۴

چنانچہ حافظ عبدالحمید حمید کے واضح بیان کی روشنی میں یہ تالیف حمید کی ہے نسّاخ کی نہیں۔

Marfat.com

عبدالغفور نسّاخ کے تذکرے

سخن شعرا اردو شاعروں کا تذکرہ ہے۔ یہ نام تاریخی ہے جس سے تاریخ ۱۲۸۱ھ نکلتی ہے
اس تذکرے کا سال ترتیب ماہ رمضان ۱۲۸۱ھ اور سالِ طباعت ۱۲۹۱ھ مطابق اکتوبر ۱۸۷۴ء
ہے۔ یہ تذکرہ منشی نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔ اس کا حجم ۵۸۲ ہے جس میں دو صفحوں پر
مشتمل تاریخی قطعات ہیں۔ اس تذکرے کے اسباب تالیف کے متعلق نسّاخ لکھتے ہیں:[1]

"...... ہنوز باغیچۂ عمر میں نسیم شعور کی آمد آمد اور فرش سبزہ رشاد فضائے سن و
سال میں ممتد بھی نہ تھا کہ سر میں سودائے گل رویان مضامین پیدا ہوا دل غنچہ لبان
معنی کا شیدا ہوا کلام اساتذہ کا شوق رہا، غیروں کے سخن سے ذوق رہا تھوڑے
دنوں میں بہت سے دواوین نظر سے گزرے۔ عرصۂ قلیل میں تذکرہائے کثیر دیکھے
سبھوں نے دادِ سخن کی دی ہے۔ جانفشانی و جانکاہی کی ہے۔ ہر مضمون شیرۂ
حیات ہے۔ ہر معنی تنارخ نبات ہے، ہر انداز شیریں غیرت شان انگبیں ہے،
ہر طرز نمکین رشک لبِ شیریں ہے میں نے بھی چاہا کہ شربتِ تالیف سے کوزے
بھروں اور اس قند کو مکرّر کروں یعنی اس طرح کا تذکرہ لکھوں جس میں اشعار
آب دار میں اطناب و اعجاز ہو اور احوال شعرا میں اختصار و ایجاز اور حالات

---

[1] سخنِ شعرا ص ۲

Marfat.com

ابنائے زمان کو بقدرِ طاقتِ بشری جامع اور حشو و زوائد کو مانع ہو۔ بحمداللہ کہ
یہ ناوک عزم ہدف مراد میں دوسار ہوا کہ بارہ برس کی محنت میں یہ تذکرۂ شعرائے
ریختہ مسمٰی بہ نام تاریخی سخن شعرا تیار ہوا۔"

بعض اسباب کی بنا پر جس کی توضیح نساخ نے نہیں کی ہے۔ یہ تذکرہ دس برس تک طبع نہ ہوسکا
"سخن شعرا" اردو میں ہے اور اس میں قدما سے لے کر انیسویں صدی کے اواخر کے
تقریباً سارے شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخری دس صفحات شاعرات کے لیے مخصوص کر دیے گئے
ہیں۔ یہ تذکرہ گارساں دتاسی کے تذکرے "تاریخ ادب ہندوستانی" کے بعد سب سے
زیادہ کثیر التعداد شعرا کا تذکرہ ہے۔ گارساں کے تذکرے میں "...... دو ہزار آٹھ سو آٹھ
مصنفین و شعرا اردو کا ذکر ہے[1]۔ "سخن شعرا" کے مطبوعہ نسخے میں میرے شمار کے مطابق شعراء
شاعرات کی مجموعی تعداد ۲۲۸۵ ہے۔ مولانا وحشت نے یہ تعداد ۲۲۸۳، لطیف الرحمٰن
نے ۲۲۸۴ اور فرمان فتح پوری نے ۲۲۰۹ بتائی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
شمار کرتے وقت بعض شعرا ان حضرات سے چھوٹ گئے۔

"سخن شعرا" میں نساخ نے ابتدا سے لے کر اپنے دور تک کے تمام اہم اور بعض غیر اہم
شعرا کو جگہ دی ہے لیکن شعرا کے حالات زندگی کی چھان بین نہیں کی ہے بلکہ جن کے حالات زندگی
یا کوائف معلوم ہوسکے یا جس شاعر کا نام اور نمونۂ کلام دستیاب ہوسکا نساخ نے اس کو تذکرے
میں شامل کر دیا ہے۔ شعرا کے کلام پر رائے اکثر و بیشتر نہیں دی گئی ہے اور جہاں کہیں رائے کا
اظہار کیا گیا ہے وہ مختصر ہے۔ البتہ معروف و مشہور شعرا کے کلام کا انتخاب بہت طویل ہے۔
بہت سے شعرا کا صرف نام اور تخلص ہی دیا گیا ہے اور ایسے شاعروں کی تعداد بھی کم نہیں جن کے
صرف تخلص پر ہی اکتفا کیا ہے اور ایک سے زیادہ شعر نقل نہیں کیا ہے۔ خود اپنے متعلق بھی
نساخ نے کچھ نہیں لکھا ہے صرف اتنا ہی کہنا کافی سمجھا ہے "نساخ تخلص راقم اوراق ہیچ میرز
عبدالغفور" البتہ اپنے کلام کا انتخاب انہوں نے بڑی فراخ دلی سے درج کیا ہے۔

---

[1] تذکروں کا تذکرہ نمبر ص ۱۳۸

Marfat.com

ڈاکٹر فرمان سخنِ شعرا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"میر و شیفتہ کے تبصرے بھی ان کے یہاں نہیں ملتے۔ کسی کے کلام پر رائیں یہاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کہیں کہیں قواعد و عروض علم بیان اور بدیع اور زبان و بیان کے دوسرے عیوب و محاسن کو انھوں نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے مثلاً صفحہ ۵۹۲ [1] پر اپنے استاد حافظ اکرام احمد ضیغم کے کلام میں صنائع لفظی و معنوی کی نشان دہی میں خصوصاً تفصیل سے کام لیا ہے۔ ورنہ عموماً بہت مختصر اور مبہم رائیں درج ہیں۔ [2]" لیکن اس کا الزام ہم نساخ کو نہیں دے سکتے نساخ نے خود ہی جو پروگرام مرتب کیا تھا اس میں لکھ دیا ہے کہ "اس طرح کا تذکرہ لکھوں جس میں اشعار آبدار میں اطناب و ایجاز ہو اور احوال شعرا میں اختصار و ایجاز اور حالات ابنائے زمان کو بقدر طاقت بشری جامع اور حشو و زوائد کو مانع ہو۔ [3]"

جب مطمح نظر ہی یہی ہو تو پھر اس سے زیادہ کی توقع رکھنا فضول ہے۔ علامہ وحشت کے نزدیک اس تذکرے کو بڑی اہمیت حاصل ہے وہ فرماتے ہیں :۔

"راقم السطور کے خیال میں یہ تذکرہ بلحاظ جامعیت کل اردو تذکروں پر سبقت لے گیا ہے.... کلام کا انتخاب نہایت عمدہ اور رائے بے باکانہ ظاہر کی گئی ہے۔ [4]"

بات یہ ہے کہ نساخ کو جن شعرا کے متعلق واقفیت حاصل ہوئی یا جنھیں وہ جانتے تھے ان کے متعلق انھوں نے اختصار سے سب کچھ لکھ دیا ہے اور جن شعرا نے اپنا حال یا نمونۂ کلام مختصراً بھیجا اس کے متعلق انھوں نے کوئی رائے نہیں دی۔ اور ان کا یہ طرزِ عمل کچھ بے جا بھی نہیں کیونکہ صرف چند اشعار کی بنا پر کسی کے پورے کلام کے متعلق صحیح رائے قائم کرنا دشوار ہے۔

---

[1] اکرام احمد ضیغم کے صنائع لفظی و معنوی کا ذکر سخن شعرا میں ص۲۹۶ تا ص۲۹۸ ہے ص۲۹۲ پر نہیں۔

[2] تذکروں کا تذکرہ نمبر نگار ص ۲۵۸ ۔ ۱۹۶۴ء

[3] سخن شعرا ص۲

[4] اردوئے معلیٰ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۰۶ء ص ۲

Marfat.com

'سخن شعرا' کی اہمیت نہ شعرا کے حالاتِ زندگی یا کلام پر رائے سے ہے بلکہ اس کی اہمیت صرف اس بنا پر ہے کہ اس میں کثیر التعداد شعرا کا ذکر ہے اور بنگال کے شعرا کے متعلق جو تھوڑا بہت مواد ملتا ہے، وہ اسی میں ملتا ہے اس کے علاوہ نساخ نے اپنے اس وقت کے شاگردوں، اپنے معاصرین اور معاصرین کے شاگردوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ آج اگر 'سخن شعرا' کا وجود نہ ہوتا تو ہم شاید بنگال کے ان شعرا کے متعلق کچھ بھی واقفیت نہ رکھتے اور نہ اس بات کا ہی اندازہ لگا سکتے تھے کہ دلّی اور لکھنؤ سے دور افتادہ بنگال اور بہار ایسی سرزمین کے ہر خطے میں اردو شعرا و ادبا بیٹھے دادِ سخن دے رہے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ سخن شعرا کے بعد جتنے بھی تذکرے لکھے گئے ان میں ان علاقوں کے شعرا کا ذکر خال خال ہی نظر آتا ہے۔ یہ سخن شعرا ہی کی کرشمہ سازی ہے کہ ہمیں بنگال و بہار کے سینکڑوں گم نام شاعروں کا حال آج معلوم ہو رہا ہے اور اس تذکرے میں جو کلام کے نمونے ہیں ان کی یادگاریں بھی اسی تذکرے میں محفوظ ہیں۔ کلکتہ، فرید پور، ڈھاکا، چٹاگانگ، سلہٹ اور میمن سنگھ وغیرہ کے علاقوں کے تقریباً پچاسی شعرا سے ہماری واقفیت بھی محض اسی تذکرے کی بدولت ہے علاوہ ازیں اس علاقے کے چند شاعروں کا حال ہمیں جو دوسرے تذکروں میں ملتا ہے وہ بھی محض سخن شعرا کی وجہ سے ہے ورنہ عام طور پر تو تذکرہ نگاروں نے اس خطۂ مردم خیز کو کبھی قابلِ اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ یہی نہیں بہتیرے ایسے چھوٹے موٹے شاعروں کا بھی جو دوسرے تذکروں میں جگہ نہیں پا سکے ہمیں ذکر ملتا ہے۔ اقبال عظیم صاحب نے بجا کہا ہے کہ :-

> "خاص طور پر بنگال کے متعدد غیر معروف شعرا کا مختصر حال اور ان کے کلام کے نمونے بہت مفید ہیں اس لیے کہ یہ مواد اس کتاب کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتا[1]"

اس تذکرے پر جو بھی اعتراض ہو اور اعتراضات سے کم و بیش کوئی تذکرہ بھی خالی نہیں

---

[1] مشرقی بنگال میں اردو ص ۵۶

کیونکہ تمام تذکروں کی طرح "سخن شعرا" بھی ایک ایسے عہد، ماحول اور ادبی فضا میں لکھا گیا جس میں نقد شعر اور سخن فہمی کا معیار آج کے معیار سے بالکل مختلف تھا۔ یہ صحیح ہے کہ نساخ نے متقدمین، متوسطین اور متاخرین یا اسی قسم کا کوئی دور قائم نہیں کیا بلکہ ردیف وار شعرا کا اجمالاً ذکر کر دیا ہے۔ ان کے سامنے تذکرے تھے، بعض نمونے بھی تھے اور اس کے علاوہ وہ صاحب جدت بھی تھے تذکرہ لکھتے وقت جدت و ندرت سے کام لے سکتے تھے۔ کلام پر بھرپور اپنے ماحول اور تنقیدی روایت کے مطابق رائے بھی دے سکتے تھے مگر انھوں نے سخت کوشی اور جگر کاوی سے کام نہ لیا۔ اور سرسری تذکرہ لکھنے پر ہی اکتفا کیا مگر وہ بھی اپنی گوناگوں مشغولیت سے مجبور رہتے، سرکاری ملازم تھے اور حد درجہ مشغول آدمی۔ پھر شعر و شاعری کی بزم آرائیاں تھیں۔ اس کام کے لئے تو سکون اور اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے، جو انھیں نصیب نہ تھا۔ ان خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود نساخ کا یہ تذکرہ ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے اور اس سے ان کی ہمہ گیر شخصیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے، کیونکہ اس تذکرے میں ایسے سینکڑوں شاعروں کا حال انھوں نے درج کیا ہے جن سے ان کی یا تو ملاقات تھی یا ان کے دوست تھے یا ان سے کسی نہ کسی مشاعرے میں ان کی ملاقات ہوئی تھی یا جنھیں انھوں نے دیکھا تھا اس سے ان کی دل کش شخصیت کو کم از کم سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اس تذکرے سے یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سرزمین بنگالہ میں اردو کے شیدائی اسی طرح کافی تعداد میں موجود تھے جس طرح عظیم آباد یا لکھنؤ میں یا دلی میں۔ اور موجودہ دور میں یہ چیز خاصی اہمیت کی حامل ہے کہ بنگالہ میں جہاں کی موجودہ زبان اب بنگلہ ہے آج سے زیادہ عرصہ نہیں بلکہ صرف اسی نوے سال پہلے اردو کو عام مقبولیت حاصل تھی اور وہ بھی ایسی مقبولیت کہ لوگ آزادانہ طور پر شعر و شاعری کرتے تھے اور شعر و شاعری کا ستھرا مذاق بھی رکھتے تھے۔ آج ہمیں اس بات کا اندازہ صرف "سخن شعرا" سے ہوتا ہے اور موجودہ دور میں اسے خاصی لسانی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ ہمیں ماضی کی قدروں کو اجاگر کرنے میں کافی مدد پہنچا سکتی ہے اور اس وقت "سخن شعرا" کی اہمیت کا اندازہ اور بھی زیادہ ہوگا جب ہم دلی، لکھنؤ، عظیم آباد، مرشد آباد، کلکتہ، ڈھاکا اور پورے بنگال کو ایک لڑی میں یعنی اردو

Marfat.com

بولنے، لکھنے اور ادب پیدا کرنے کے رشتے میں منسلک کریں گے اور اس سلسلے میں ہمیں صرف سخن شعرا سے واحد طور پر مدد ملنے کی امید ہے ورنہ عام طور پر تذکرہ نگاروں کی روش محدود رہی ہے جس سے زبان اردو کا دائرہ محض محدود ہو کر رہ گیا ہے کیونکہ بعد کے تاریخ نویسوں نے بھی پرانی روش کی روشنی میں زیادہ سے زیادہ یہی کیا ہے کہ حیدرآباد، دلّی، لکھنؤ، عظیم آباد یا پنجاب یا کلکتہ کے بعض شاعروں کو ہی ادب میں جگہ دے کر اردو اور اردو ادب کا دائرۂ عمل محدود ہی کر رکھا ہے۔ اس لیے آج کا طالب علم یا اردو داں بس اسی قدر جانتا ہے کہ ہماری شاعری، ہمارا ادب صرف شمالی ہندوستان کے بعض بعض علاقوں ہی تک محدود رہا اور اس کے آگے اس کی پرواز ہو ہی نہیں سکی۔ لیکن سخن شعرا کے مختصر شعرا کے حالات زندگی اور نمونۂ کلام نے شمالی ہندوستان اور دکن سے لے کر غیر منقسم ہندوستان کے دور افتادہ علاقے سلہٹ اور چاٹگام کے دریائے شور تک اس کی وسعت کو پھیلا کر رکھ دیا ہے اور بالخصوص آج کے دور میں جب کہ اردو کو پاکستان میں صرف مغربی پاکستان کی جاگیر سمجھ کر مشرقی پاکستان کو اردو سے خالی تصور کر لیا گیا ہے، اس کی قدروں کو اور اس کے گمنام ادبا و شعرا کو منظر عام پر لا کر ہمارا رشتۂ اخوت زبان کے لحاظ سے بھی سخن شعرا کی مدد سے مضبوط سے مضبوط تر کیا جا سکتا ہے۔ بنگال کے شعرا پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے کیونکہ یہ خطہ ابھی تک محققین کی توجہ سے محروم ہے، اور اس وقت بغیر سخنِ شعرا کی مدد کے ایک قدم چلنا مشکل ہوگا اور درحقیقت اسی وقت اس تذکرے کی صحیح اہمیت کا اندازہ بھی ہوگا۔

"سخن شعرا" میں شاعروں کے علاوہ شاعرات کا بھی تذکرہ ہے۔ ان شاعرات کے حالاتِ زندگی بھی مختصراً دیئے گئے ہیں، کلام برائے شاذ و نادر ہی دی گئی ہے ڈاکٹر فرمان فتحپوری لکھتے ہیں:

> "اس تذکرے (عمدہ منتخبہ) سے گارساں دتاسی، ابوالقاسم، شیفتہ اور نساخ نے بھی استفادہ کیا ہے[1]"

"عمدۂ منتخبہ" اور "سخن شعرا" کے تقابلی مطالعے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ

---

[1] تذکروں کا تذکرہ نمبر ص ۹۹

Marfat.com

عمدۂ منتخبہ سے نساخ نے استفادہ نہیں کیا ہے کیونکہ جو تذکرے ان کی نظر سے گذرے ہیں ان کے دیکھنے کا بالالتزام ذکر کیا ہے اس کے علاوہ عمدۂ منتخبہ اور سخن شعرا کے کتنے ہی مشترک اشعار کے متن میں اختلاف پایا جاتا ہے اگر یہ عمدۂ منتخبہ ہی سے لیے گئے ہوتے تو متن میں اختلاف نہ ہوتا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سخنِ شعرا	عمدۂ منتخبہ
اسعد	(۱) اسعد
(۱) تو اسعد عجب ہے کہ ہاتھوں سے تیرے[۱]	تو ایسا ہے اسعد کہ ہاتھوں سے تیرے
نہ تسبیح ٹھہری، نہ زنار ٹھہرا	نہ تسبیح ٹھہرے، نہ زنار ٹھہرے
امید	امید
(۲) یار بن گھر میں عجب صحبت ہے[۲]	(۲) در و دیوار سے اب صحبت ہے
در و دیوار سے اب صحبت ہے	یار بن گھر میں عجب صحبت ہے
اسیر	اسیر
(۳) ہائے سرخی ترے رخسار کی ہنگام عتاب[۳]	(۳) اللہ رے سرخی ترے چہرے کی ہنگامِ عتاب
جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے	جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے
انتظار	انتظار
(۴) جوں ہی بہار گل کی قفس میں خبر گئی[۴]	(۴) جوں ہی بہارِ گل کی قفس میں خبر گئی
سنتے ہی بلبل ایسی تڑپی کہ مر گئی	بلبل بھی سن کے ایسی ہی تڑپی کہ مر گئی
احسن	احسن
(۵) اشک گلگوں کو نہیں لعل و گہر سے پیوند[۵]	(۵) اشک گلگوں کو نہیں لعل و گہر سے پیوند
یہ رکھے سنگ سے نسبت وہ جگر سے پیوند	وہ رکھیں سنگ سے نسبت یہ جگر سے پیوند

---

۱ تذکرہ شیفتہ۔ ۲ مجموعہ نغز ۳ گلشن بے خار

۴ ایضاً ۵ ایضاً

Marfat.com

احسن

(۶) اس کی گلی میں احسن شب چوری چوری جانا
یہ چال ڈھال کیسی خانہ خراب کیا ہے

(۷) آزاد

کوئی کسی بھی فن میں عاشق سے بر نہ آیا
پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

(۸) الفت

ہر قدم پریاں تلک آئے ہیں سو سو ناز سے
کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

(۹) اوباش

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے سو وہ درد و غم میں پھنسا گئے
ہمیں جن سے چشم تھی لطف کی وہ ہمیں سے آنکھ چرا گئے

(۱۰) آفاق

اشک تر چشم سے جس دم کہ ہمارے نکلے
مردماں کہنے لگے دیکھ یہ تارے نکلے

احسن

(۶) اس کی گلی میں احسن شب چوری چوری جانا[۱]
یہ چال ڈھال تیری خانہ خراب کیا ہے

(۷) آزاد

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہم کو آئیں[۲]
پر جس سے یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

(۸) الفت

ہر قدم پریاں تلک آنے میں سو سو ناز ہے[۳]
کیونکہ گھر جانے لگے شام و سحر دو چار کے

(۹) اوباش

دل و دیدہ اپنے جو یار تھے سو وہ رنج و غم میں پھنسا گئے[۴]
ہمیں جن سے چشم امید تھی وہی آنکھ ہم سے چرا گئے

(۱۰) آفاق

اشک تر چشم سے جس دم کہ ہمارے نکلے[۵]
مردماں کہنے لگے دن کو یہ تارے نکلے

نساخ نے سرور اور ان کے تذکرے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ دوسرے تذکروں سے ماخوذ ہے۔ نساخ کے بیان سے یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہوتی کہ انھوں نے عمدۂ منتخبہ سے

۱۔ گلشن بے خار۔
۲۔ ایضاً
۳۔ ایضاً
۴۔ مجموعۂ نغز
۵۔ ایضاً

Marfat.com

استفادہ کیا ہے۔

نساخ نے کسی ایک مقام پر ترتیب وار سخن شعرا کے ماخذوں کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن اپنے اپنے مقام پر ہر اس تذکرے کا ذکر کر دیا ہے جو ان کی نظر سے گزرا۔ مثلاً:۔

(۱) ارمان تخلص راجہ جنم جی متر۔۔۔ ان کا ایک تذکرہ شعرائے اردو نظر سے گزرا (ص ۲۱)

(۲) شیفتہ تخلص۔۔۔ نواب حاجی محمد مصطفےٰ خاں بہادر دہلوی۔۔۔ تذکرہ گلشنِ بے خار

۔۔۔۔ نظر سے گزرا" (ص ۲۶۷)

(۳) قاسم تخلص حکیم میر قدرت اللہ خاں دہلوی۔۔۔۔ ان کا تذکرہ شعرا ریختہ نظر سے گزرا" (ص ۳۴۹)

(۴) محسن تخلص محسن علی صاحب دیوان و تذکرہ سراپا سخن۔۔۔۔ نظر سے گذرا (ص ۱۹)

(۵) مصحفی تخلص غلام ہمدانی۔۔۔۔ آٹھ دیوان اور دو تذکرے اردو میں، اور ایک دیوان بجواب نظیری نیشاپوری، اور ایک تذکرہ فارسی میں ان سے یادگار ہیں۔۔۔۔ دیوان اور تذکرے ان کے نظر سے گزرے (ص ۴۰۴)

ان بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نساخ نے اپنے ماخذوں کو چھپانے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ بصراحت ان کا ذکر کر دیا ہے۔ اگر تذکرہ عمدۂ منتخبہ ان کی نظر سے گزرا ہوتا تو انھوں نے اس کا بھی ذکر کیا ہوتا

نساخ نے جن تذکروں کی مدد سے اپنے تذکرے کے لیے مواد اور معلومات حاصل کیں ان کے نام ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:۔

مجموعۂ نغز (قدرت اللہ قاسم)، گلشنِ بے خار (مصطفےٰ خاں شیفتہ)، گلستانِ سخن (مرزا قادر بخش صابر)، ریاض الفصحا (مصحفی)، تذکرۂ ہندی (مصحفی)، سراپا سخن (محسن علی محسن) خوش معرکۂ زیبا (سعادت خاں ناصر) شوکتِ نادری (کلب حسین خاں نادر)، نسخۂ دلکشا (راجہ جنم جی متر)، مجموعہ الانتخاب (شاہ کمال)، اور تذکرۂ بہارستان ناز (حکیم فصیح الدین رنج)

۲ قطعۂ منتخب

قطعۂ منتخب جمادی الاولیٰ ۱۲۹۱ھ مطابق جولائی ۱۸۷۴ء میں مطبع منشی نول کشور لکھنؤ

(نوٹ) انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی نے حال ہی میں قطعۂ منتخب شائع کیا ہے۔

Marfat.com

میں طبع ہوئی۔ قطعہ منتخب تاریخی نام ہے۔ اس کا اصل نام تذکرہ شعرائے زبانِ اردو ہے[1]۔" قطعہ منتخب کے حروف سے تاریخ ۱۲۷۶ھ نکلتی ہے یہی سالِ ترتیب ہو سکتا ہے، لیکن سید لطیف الرحمٰن صاحب نے اسے ہی سالِ اشاعت لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

"قطعۂ منتخب مختلف اردو شعرا کے عمدہ قطعات کا ردیف وار مجموعہ ہے جو ۱۲۷۶ھ میں شائع ہوا[2]"

علامہ وحشت نے بھی ۱۲۷۶ھ ہی لکھا ہے لیکن ان کی تحریر سے واضح نہیں ہوتا کہ آیا یہ سالِ ترتیب ہے یا سن طباعت[3]" قطعۂ منتخب کے خاتمے پر یوں لکھا ہے"..... قطعۂ منتخب در مطبع گرامی جناب معلی القاب منشی نولکشور لکھنو بماہ جولائی ۱۸۷۴ء مطابق جمادی الاول ۱۲۹۱ھ از قالبِ طبع برآمد[4]"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قطعۂ منتخب کے سالِ ترتیب کو لطیف الرحمٰن صاحب نے اس کا سالِ طباعت سمجھا۔ سالِ طباعت جیسا کہ خاتمے میں درج ہے ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء ہے۔

قطعۂ منتخب ایک سو چھ ۱۰۶ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس میں صرف ان شعرا کو شامل کیا گیا ہے جنھوں نے قطعہ کہا ہے۔ تالیف کتاب کے متعلق نسّاخ[4] لکھتے ہیں :-

"..... ایک دن مجمع احباب میں ہر قسم کے شعر پڑھے جاتے تھے اس میں خیال آیا کہ اگر شعرائے متقدمین و متاخرین زبانِ ریختہ کے مقطعات عمدہ جہاں تک دستیاب ہوں بقید ردیف جمع کیے جائیں اور تخلص اور نام و نشانِ شاعر بھی بقید حروف تہجی ہر ردیف میں تحریر پائیں تو ایک معقول یادگار رہ جائے گا کہ کسی نے آج تک ایسا تذکرہ جمع کیا نہیں، اس پر راقم نے کمر ہمت چست باندھی اور تھوڑے عرصے میں بہت سے دیوان اور تذکروں سے چن کر ساڑھے پانسو قطعوں کو جمع کیا اور نام تاریخی اس کا قطعۂ منتخب رکھا[5]"

---

[1] قطعہ منتخب سرورق۔ [2] "نساخ سے وحشت تک" ص ۴۰ [3] اردوئے معلیٰ اکتوبر و نومبر سنہ ۱۹۰۷ء ص ۲
[4] قطعۂ منتخب ص ۱۰۶۔ [5] ایضاً ص ۲

کتاب کی ابتدا بسم اللہ سے ہوئی ہے اور پھر مختصر حمد و نعت کے بعد مدعائے تالیف بیان کیا گیا ہے اور ردیف وار قطعات پیش کیے گئے ہیں لیکن قطعہ نگار شعرا کا ذکر ردیف وار نہیں ہے اور اس کا امکان بھی نہ تھا۔ قطعات کی تعداد ٥٠٣ ہے۔ ایسے شعرا جن کے قطعے اس تذکرے میں شامل کیے گئے ہیں، ان کی مجموعی تعداد ١١٢ ہے۔ قطعۂ منتخب میں نساخ نے اپنے شاگردوں کے قطعوں کو بھی شامل کیا ہے جن کے نام یہ ہیں :-

منشی مصطفیٰ حیدر حیدر، منشی اسد اللہ معروف بہ علی جان مخمور، آفرید الدین منظور، سید محمد علی سردار، خواجہ نبی بخش محرور، منشی صمصام حیدر نور، مولوی واجد علی مخمور۔ مرزا محبوب علی قوس اور مولوی عصمت اللہ انسخ ۔

قطعوں کے انتخاب کے ساتھ ساتھ شعرا کے مختصر حالات بھی لکھ دیے گئے ہیں لہٰذا قطعۂ منتخب کی بھی حیثیت تذکرۂ شعرا اردو کی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اپنے سالنامے ١٩٦٤ء "تذکروں کا تذکرہ" نمبر میں لکھتے ہیں :-

" بعض بیاضوں میں صرف مختلف شعرا کے پسندیدہ اشعار ہیں اور شعرا کے تخلص درج نہیں ہیں اور بعض میں نام اور تخلص کا اہتمام بھی ہے۔ یہی بیاض تذکرہ نگاری کا نقشِ اول ہے۔ جب یہی نام یا تخلص بلحاظ حروف تہجی یا ابجد ترتیب دیے گئے اور کسی خاص قرینے سے مرتب کر دیے گئے تو اس کا نام تذکرہ ہو گیا۔ چنانچہ اردو میں " گلدستۂ نشاط" اور " دیوانِ جہاں "..... اس کی واضح مثالیں ہیں[1] "

اگر گلدستہ نشاط، نورتن[2] مصنفہ شرف الدین احمد خاں اور ہفت آسماں[3] مصنفہ احمد علی بنگالی یا خلاصۃ الکلام[4] مصنفہ علی ابراہیم جو صرف مثنوی نگار شعرا کا تذکرہ ہے۔ تذکروں کی انجمن میں جگہ پا سکتے ہیں تو پھر قطعۂ منتخب کو بھی اس محفل میں شامل نہ کرنا حق و انصاف سے بعید ہوگا قطعۂ منتخب، قطعہ گو شعرا کا ایک تذکرہ ہی ہے۔

---

[1] تذکروں کا تذکرہ نمبر نگار ١٩٦٤ء ص ١٩ [2] تذکروں کا تذکرہ نمبر نگار ١٩٦٤ء ص ٣٥٢

[3] " " " " ص ٣٥٢ [4] " " " " " ص ٣٥١

علامہ وحشت مرحوم قطعۂ منتخب کے متعلق لکھتے ہیں :۔

" قطعۂ منتخب ۱۲۶۵ھ شعرائے ریختہ گو کے بامزہ قطعات کا مجموعہ ہے۔ ہر شاعر کے کلام کے ساتھ اس کا مختصر سا تذکرہ بھی ہے[1]"

ڈاکٹر عندلیب شادانی کی محتاط رائے یہ ہے کہ :۔

"... اس میں اردو شعرا کے قطعات جمع کئے ہیں[2]"

نساخ کے معاصر عبداللہ آشفتہ کی مختصر رائے یہ ہے :۔

" قطعۂ منتخب بمقطعاتِ دلآویز گلدستۂ بہجت انگیز[3]"

اور حکیم اشرف علی مست معاصر نساخ کا خیال ہے کہ :۔

" قطعۂ منتخب مجموعۂ مقطعات ہے۔ ہر قطعہ میں نیا مضمون نئی بات ہے ، نئے طرز کا تذکرہ ہے[4]"

حکیم اشرف علی مست نے اعتراف کیا ہے کہ یہ " نئے طرز کا تذکرہ ہے"۔ نساخ کا خود خیال ہے کہ ..." کسی نے آج تک ایسا تذکرہ جمع " نہیں کیا اور یقیناً یہ نئے طرز کا تذکرہ ہے۔ اسے نساخ کی جدت کہی جائے یا اردو شاعری سے ان کی والہانہ محبت یا کچھ اور لیکن یہ بہرحال تسلیم کرنا پڑے گا کہ اردو تذکروں میں ایک نئے تذکرے اور نئے طرز تذکرہ کا قطعۂ منتخب ایک اضافہ ہے۔

اس دعوے کے ثبوت میں مولانا عبدالسلام ندوی صاحب شعرالہند کی رائے موجود ہے جنھوں نے قطعۂ منتخب کو ایک مستقل تذکرہ قرار دیا ہے وہ لکھتے ہیں :۔

"..... مولوی عبدالغفور خاں نساخ نے ایک مستقل تذکرہ " قطعۂ منتخب" کے نام سے ان شعرا کے حالات میں لکھا ہے جنھوں نے اخلاقی ، صوفیانہ اور عاشقانہ قطعے لکھے ہیں[5]"

---

1. اردوئے معلی (حسرت موہانی) ، اکتوبر ، نومبر [illegible] 2. ساقی کراچی مارچ ۱۹۵۵ء ص ۱۱ 3. گنج تواریخ ص ۵۸ 4. ایضاً ص ۶۰ 5. شعرالہند حصہ دوم ـــــ عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۶۵ء ص ۳۲-۳۳ ۔

نساخ نے قطعات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی ہے شعرا کے حالات بھی اختصار کے ساتھ پیش کیے ہیں لیکن یہ ان کا قصور نہیں اس دور کے تذکرہ نگاروں کی روش یہی تھی۔ نساخ کے سخنِ شعرا میں بھی یہی عیب ہے پھر بھی ۵۵۳ قطعات کو ۱۱۲ شعرا کے کلام سے اور تذکروں سے چن چن جمع کرنا ان کی سخت کوشی، محنت اور اردو زبان و شاعری سے والہانہ محبت کی واضح مثال ہے۔

لیکن قطعۂ منتخب میں جن شعرا کے حالات مذکور ہیں ان سب کا حال سخن شعرا میں بھی لکھا ہے، سخنِ شعرا، اور قطعۂ منتخب، میں شعرا کے حالات زندگی یا کلام پر رائے میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ سخن شعرا میں نساخ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ: " اس طرح کا تذکرہ لکھوں جس میں اشعار آبدار میں اطناب و اعجاز ہو اور احوال شعرا میں اختصار و ایجاز"[1] غالباً یہی جذبہ قطعۂ منتخب میں بھی کارفرما ہے پھر بھی دونوں تذکروں میں کہیں خفیف اور کہیں کسی قدر واضح فرق ہو گیا ہے بعض شاعر کے سلسلہ میں سخنِ شعرا میں مواد کچھ زیادہ ہے اور بعض کے ضمن میں قطعۂ منتخب میں زیادہ۔ قطعۂ منتخب میں جو خفیف یا کچھ زیادہ فرق ہے اسے ذیل میں دل چسپی کے لیے پیش کیا جاتا ہے لیکن واضح ہو کہ ایک دو جملوں کی زیادتی یا کمی ہی عموماً تذکروں میں ہوتی ہے اور یہی معلومات شعرا کی ترتیب زندگی یا کلام موجودہ دور میں مشعل راہ بن جاتے ہیں۔

قطعۂ منتخب	سخن شعرا
(۱) "تراب تخلص، شاہ تراب علی مغفور باشندۂ کاکوری متعلق لکھنؤ خلف و سجادہ نشین شاہ کاظم علیہ الرحمۃ صاحب، صاحب کمال تھے۔ پنجم ماہ جمادی الاول روز یک شنبہ ۱۲۷۵ھ کو انتقال کیا۔ دیوان ان کا نظر سے گزرا" ص ۸	(۱) تراب تخلص حضرت تراب علی خلف و سجادہ نشین حضرت شاہ کاظم علیہ الرحمۃ باشندۂ کاکوری ۱۲۷۵ھ ہجری میں انتقال کیا دیوان ان کا نظر سے گزرا، ص ۸۴

---

[1] سخن شعرا، ص ۳

(۲) طپش تخلص، مرزا محمد اسمٰعیل عرف مرزا جان ولد مرزا یوسف بیگ سید جلال الدین بخاری کی اولادوں میں تھے مولد و مسکن ان کا دہلی، وہاں سے آکر لکھنؤ میں مرزا جہاں دارشاہ کی رفاقت میں تھے اور ان کے حکم سے اپنے دیوان کو مرتّب کر کے نام تاریخی اس کا گلزارِ مضامین رکھا تھا۔ بعد ازاں بنگالہ میں آکر مدت تک شہر ڈھاکہ میں نواب شمس الدولہ بہادر کی رفاقت میں رہتے تھے۔ سنسکرت میں اچھا دخل رکھتے تھے، کسبِ سخن خواجہ میر دردؔ سے کیا تھا۔ شعر اچھا کہتے تھے خصوصاً قطعات ان کے لاجواب ہوتے ہیں کلیات ان کا نظر سے گزرا۔!

(۳) "حسرت تخلص مرزا جعفر علی ولد ابوالخیر دہلوی مقیم لکھنؤ آباو اجداد ان کے عطّار تھے کچھ دنوں یہ بھی اسی شغل میں مشغول تھے۔ بعد ازاں مرزا جہاں دارشاہ ولد شاہ عالم بادشاہ کی رفاقت اختیار کی تھی آخر ایام میں ترکِ دنیا کر کے گوشہ نشین ہوئے تھے۔ کسبِ سخن سرپ سنگھ دیوانہ سے کیا تھا۔ اشعار ان کے خوب و مرغوب ہوتے ہیں۔

(۲) "طپش تخلص مرزا محمد اسمٰعیل عرف مرزا جان ولد مرزا یوسف بیگ جلال الدین بخاری کی اولادوں میں تھے۔ مولد و مسکن ان کا دہلی وہاں سے آکر لکھنؤ میں مرزا جہاں دارشاہ بہادر کی رفاقت میں تھے۔ بعد ازاں بنگالہ میں آکر مدت تک شہر ڈھاکہ میں نواب شمس الدولہ بہادر کی رفاقت میں رہے۔ سنسکرت میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ کسبِ سخن حضرت خواجہ میر درد سے کیا تھا، شعر اچھا کہتے تھے، خصوصاً مقطعات ان کے بہت خوب ہوتے ہیں کلیات ان کا نظر سے گزرا۔ مرزا جان تجش کے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلوں میں تخلص ان کا طا رمہملہ سے لکھا تھا اس لیے میں نے بھی تائے فوقانی سے نہیں لکھا" ص ۳۰۲، ۳۰۲

(۳) حسرت تخلص مرزا جعفر علی خلف ابوالخیر باشندۂ دہلی مقیم لکھنؤ شاگرد سرپ سنگھ دیوانہ مرزا جہاں دارشاہ کی رفاقت میں تھے، آخر ایّام میں ترکِ دنیا کر کے گوشہ نشین ہوئے۔ سنہ ۱۲۰۰ھ ہجری میں فوت کی۔ اشعار ان کے نمکین ہوتے ہیں دیوان ان کا نظر سے گزرا" ص ۱۲۷

Marfat.com

۱۲۰۰ھ ہجری میں وفات پائی دیوان ان کا نظر سے گزرا" ص ۷۴

(۴) "تنہا تخلص محمد عیسیٰ شاگرد غلام ہمدانی مصحفی مولد ان کا دہلی جائے ترتیب مسکن لکھنو شعر اچھا کہتے تھے صاحب دیوان گزرے" ص ۸۴

(۵) مجروح تخلص، مولوی حافظ حمید النبی باشندۂ رامپور خلف مولوی، حافظ حبیب النبی مرحوم رقت برادر خورد و شاگرد مولوی حافظ رشید النبی وحشت اولاد میں حضرت مجدد الف ثانی کے علوم فارسی و عربی میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ ہر دو زبان فارسی و اردو میں شعر پر مضمون و آبدار کہتے ہیں، کلکتہ میں بھی آئے تھے۔ کئی برس ہوئے کہ وطن کو چلے گئے۔ راقم کے دوستوں میں ہیں۔" ص ۱۰۲

(۴) "تنہا تخلص محمد عیسیٰ دہلوی مقیم لکھنوی شاگرد مصحفی" ص ۹۳

(۵) مجروح تخلص مولوی حمید النبی مرحوم باشندہ رامپور برادر خورد و شاگرد مولوی رشید النبی مرحوم وحشت تخلص کلکتہ میں آئے تھے۔ دو تین برس ہوئے وطن میں جا کر انتقال کیا راقم کے دوستوں میں تھے ہر دو زبان فارسی و اردو میں شعر اچھا کہتے تھے" ص ۱۲۴

۳ تذکرۃ المعاصرین

تذکرۃ المعاصرین ہند و پاک کے فارسی گو شعرا کا ایک چھوٹا سا تذکرہ ہے جس میں ۲۳۶ شعرا کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تذکرہ فارسی زبان میں ہے اس کا اب تک واحد نسخہ ہی دستیاب ہو سکا ہے جو ڈھاکا یونیورسٹی میں موجود ہے اور یہ بھی ناقص ہے۔ ابتدا کا ٹائیٹل اور آخر کے چند اوراق اس نسخے میں موجود نہیں ہیں۔ پورے تذکرے کے دیکھنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا اس کا نام "تذکرۃ المعاصرین" ہی ہے یا کچھ اور۔ اگر علامہ وحشت مرحوم کی یا دوسری شہادت نہ ملتی تو شاید اس نسخے سے اس کے نام کا تعین کرنا بھی مشکل ہی ہوتا۔ رضا علی وحشت کلکتوی

Marfat.com

اس تذکرے کا نام تذکرۂ معاصرین لکھتے ہیں :۔

"Tazkirah-i-ma'aserin, an excellent Unfinished tazkirah containing an account of the Persian Poets of his time."[1]

"تذکرہ معاصرین اپنے عہد کے پارسی گو شعرا کا نہایت عمدہ تذکرہ لکھا ہے مگر افسوس کہ پورا چھپنے نہ پایا تھا کہ مؤلف نے قضا کی"[2]

اسی تذکرے کا بیالیس[۲] تینتالیس[۳] برس بعد علامہ وحشت نے نام تذکرۃ المعاصرین لکھا ہے ارشاد ہوتا ہے :۔

" ایک تذکرہ اپنے ہم عصر فارسی گو شعرا کا بھی ترتیب دیا تھا جس کا نام تذکرۃ المعاصرین ہے۔ یہ تذکرہ میری نظر سے گزرا لیکن یہ ایک نامکمل نسخہ تھا"[۳]۔ اقبال عظیم نے بھی اس تذکرے کا نام تذکرۂ معاصرین ہی لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ "....ناسخ نے فارسی گو شعرا کا ایک تذکرہ تذکرۂ معاصرین کے نام سے مرتب کرنا شروع کیا تھا جو "ع" کی ردیف تک پہنچنے پایا تھا کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ یہ نامکمل تذکرہ بعد میں چھپ بھی گیا تھا لیکن اب نایاب ہے"[۴]۔

وفا راشدی نے علامہ وحشت کے مضمون ماہِ نو کراچی کی بنیاد پر اس کا نام تذکرۃ المعاصرین لکھا ہے[۵]۔

اس اختلاف اور خود علامہ وحشت کے بیان میں تضاد سے کچھ شکوک اس کے نام کے متعلق پڑنے کا اندیشہ ہے جب کہ موجودہ نسخے میں سرورق کی غیر موجودگی یا کوئی اور نشان جس سے اس کے نام کے متعلق اندازہ ہو سکے، مشکلات میں اضافہ کر رہا ہے۔ متذکرہ بالا ناموں میں علامہ وحشت کا

ا؎ Journal of the Muslim Institute July, sept 1908 PP10

۲؎ اردوئے معلیٰ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۰۷ء ص ۲

۳؎ ماہ نو کراچی ماہ مارچ ۱۹۵۱ء ص ۱۴ ۴؎ مشرقی بنگال میں اردو ص ۵۶

۵؎ بنگال میں اردو ص ۴۲

Marfat.com

مضمون ماہ نو کراچی میں اس تذکرے کا نام تذکرۃ المعاصرین موجود ہے۔ میری تحقیق کے مطابق بھی اس تذکرے کا نام تذکرۃ المعاصرین ہی ہے جس کی تائید میں انتخاب دیوان محمد عبدالرؤف وحید بنام تاریخی جواہر منتخب مطبوعہ ۱۸۹۱ء سے یہ جملے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ "ترجمہ آں مرحوم منقول از کتاب تذکرۃ المعاصرین تصنیف مرحوم و مغفور امام الشعرا ہمام البلغا مولوی ابو محمد عبدالغفور خاں بہادر نساخ"[۱]... و نیز "در تذکرۃ المعاصرین حضرت نساخ چنیں مرقوم است"[۲]

موجودہ نسخے میں اس تذکرے کا حجم صرف ۲۰۸ صفحے ہے اور اس کے بعد کتنے اور اوراق اس میں تھے، اس کا پتہ نہیں ملتا۔ افسوس ہے کہ انتہائی تگ و دو اور جانفشانی کے باوجود بھی تذکرۃ المعاصرین کا کوئی دوسرا نسخہ ہم نہ پہنچا سکا چنانچہ اسی موجودہ نسخے پر اکتفا کرنا پڑا۔ بہرکیف اس موجودہ حجم کو مدنظر رکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ اس تذکرے کا حجم اور بھی زیادہ ہو گا کیونکہ تذکرے میں "عین" کی ردیف میں یہ اعلان موجود ہے کہ "دریں باب تراجم و سخنان ۲۶ سخن ور نگاشتہ شدہ"[۳]، لیکن موجودہ نسخے میں "ع" میں صرف ۱۲ سخن وران کا ہی ذکر ہو سکا ہے اور نمونۂ کلام کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ نمونۂ کلام آخری درج شدہ شاعر کا اور بھی ہو گا۔ چنانچہ موجودہ نسخے کا حجم قطعی نہیں۔ اس کا حجم اور بھی ہونا چاہیئے۔ ۲۲ شاعروں کا تذکرہ اس نسخے میں موجود نہیں۔ اگر اوسط میں تین شاعروں یا چار شاعروں کا ذکر بھی فی صفحہ ہو تو ۶ یا ۷ صفحے اور مزید ہوتے ہیں۔ لہٰذا قیاس ہے کہ اس تذکرے میں ۲۱۵ یا اسی کے لگ بھگ صفحے ہوں گے۔

اس تذکرے کی طباعت کے متعلق علامہ وحشت لکھتے ہیں "پورا چھپنے نہ پایا کہ مؤلف نے قضا کی"۔ اقبال عظیم کا خیال ہے "ع" کی ردیف تک پہنچنے پایا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا" جوہر انتخاب (ضمیمہ مع تقریظات) مطبوعہ اپریل ۱۸۹۱ء میں اس تذکرے کا ذکر موجود ہے اور نساخ کے نام کے آگے مرحوم لکھا ہوا ہے۔ نساخ کا انتقال[۴] ۱۲ جون ۱۸۸۹ء کو ہوا تذکرۃ المعاصرین

---

[۱]: جواہر منتخب [۲] جواہر منتخب۔

[۳] تذکرۃ المعاصرین ص ۱۹۵۔

[۴] نساخ سے وحشت تک (حاشیہ) ص ۲۳ و ماہنامہ ساز کلکتہ فروری ۱۹۱۲ء ص ۱

Marfat.com

میں حاشیہ پر بعض جگہ سن مذکور ہے جو نساخ کا ہرگز دیا ہوا نہیں بلکہ کسی مصحح کی طرف سے دیا ہوا ہے مثلاً شاد کے سامنے حاشیہ میں درج ہے " درحدود ۱۸۹۱ء از گورنمنٹ عالیہ مخاطب بہ خان بہادر شد[1]" ان شواہد کے پیش نظر یہ بات ممکن نہیں معلوم ہوتی کہ نساخ کی زندگی میں ہی یہ تذکرہ چھپ رہا تھا۔ اس حساب سے زیادہ سے زیادہ یہی ممکن ہے کہ تذکرۃ المعاصرین کو ۱۸۸۹ء کے آخر تک چھپ جانا چاہیئے تھا لیکن ۱۸۹۱ء کی موجودگی پھر بھی مسئلہ لاینحل بن کر رہ جاتی ہے اور اپریل ۱۸۹۱ء میں اس تذکرے کا حوالہ موجود ہے لہٰذا یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اپریل ۱۸۹۱ء کے قبل یہ تذکرہ چھپ چکا ہوگا ورنہ حاشیہ کا سال ۱۸۹۱ء کیوں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنوری تا مارچ ۱۸۹۱ء کی مدت میں کسی وقت یہ تذکرہ حلیۂ طبع سے مزین ہوا۔ مگر اس سے پہلے اس کی طباعت ممکن نہیں اور نہ یہی ممکن ہے کہ نساخ کی حیات میں یہ تذکرہ پریس میں جا چکا تھا یہ بات البتہ ہے کہ نساخ "ع" سے زیادہ تک کے شعرا کو مرتب نہ کر سکے ہوں اور اس کے بعد مزید ردیفوں کا سراغ ان کے بعد مرتب کرنے کو نہ مل سکا ہو اس لیے اسی پر اکتفا کر کے طباعت کرا دی گئی۔

اس تذکرے میں وہی شاعر موجود ہیں جو فارسی کلام موزوں کرتے تھے اور نساخ کے زمانے میں حیات سے تھے۔ سخن شعرا کی طرح اس تذکرے میں بھی ان فارسی گو شعرا کو بیشتر جگہ دی گئی ہے جو سرزمین بنگالہ سے متعلق تھے۔ ان کی تعداد کم نہیں تقریباً چھپن ایسے شعرا کا ذکر ہے جو صرف اس سرزمین سے تعلق رکھتے تھے۔ ایسے شعرا کی تعداد جو بنگال کی خاک نہ تھے۔ اگر اس تعداد میں شامل کر لی جائے تو تعداد نوّے سے اوپر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ سخن شعرا کی طرح اس تذکرے کی اہمیت کم نہیں۔ ان شعرا میں معدودے چند ہی ایسے ہیں جن کا سراغ

---

[1] تذکرۃ المعاصرین، گولڈن بک آف انڈیا میں شاد کے سند پانے کی تاریخ دی ہوئی ہے۔ اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے:- Ali Muhammad shad. Sir Roper lethbridge sayyid Khan Bahadur ...and was granted the title on 1st January 1891, in consideration of his social Position and learning" (Golden book of India PP 19)

Marfat.com

تذکرۃ المعاصرین کے علاوہ اور کہیں مل سکتا ہے اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ سرزمینِ بنگالہ اردو و فارسی زبان سے نصف صدی پہلے نا آشنا نہ تھی بلکہ یہ عام طور پر بولی سمجھی اور لکھی پڑھی جاتی تھی۔ اس لحاظ سے لسانی اہمیت اس تذکرے کو حاصل ہے کیونکہ موجودہ دور میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اردو و فارسی یہاں کی کبھی زبان ہی نہیں رہی تھی۔ بہرحال نسّاخ کا یہ تذکرہ بھی "سخن شعرا" کی طرح ان کا شاہکار ہے اور ان کی جدّت و ندرت کی غمازی بھی اس سے ہوتی ہے کہ انھوں نے فارسی گو اور ریختہ شعرا کو گڈمڈ نہیں کر دیا بلکہ دونوں طرح کے شعرا کے لیئے الگ الگ تذکرہ لکھا۔ ممکن ہے کہ مصحفی کے تذکرے عقدِ ثریّا اور تذکرۂ ہندی کی مثال سے انھوں نے یہ جدّت اختیار کی ہو۔

سخن شعرا کے برخلاف اس تذکرے میں ردیف وار ابواب قائم کیے گئے ہیں اور ہر باب کے ضمن میں مذکور شعرا کی تعداد لکھ دی گئی ہے۔ شعرا چونکہ عام طور پر نسّاخ کے معاصر تھے، تذکرے کی ترتیب تک باحیات تھے یا انھوں نے ان شعرا کا دور دیکھا تھا اس لیئے اکثر و بیشتر کے حالاتِ زندگی، علمیت اور تصنیفات سے متعلق تفصیل موجود ہے مثلاً آغا احمد علی احمد کے متعلق لکھتے ہیں :-

> "احمد تخلص آغا احمد علی مرحوم مدرسِ فارسی بہرۂ مدرسہ عالیہ کلکتہ خلفِ آغا شجاعت علی باشندۂ ڈھاکہ ابن آغا عبدالعلی خوشنویس کہ از دستِ عزیزانِ خود در ڈھاکہ مقتول شدہ بود۔ شاگردِ حافظ اکرام احمد ضیغم زبان فارسی را نیکو میدانست۔ در علم عروض و قوافی دستگاہے معقول داشت احیاناً شعری گفت۔ چند شعر فارسی دارد و از نظرم نیز گزرایندہ بود۔ در عین شباب در ۱۲۹۰ھ در کلکتہ وفات یافتہ مؤید برہان[۱] بجواب قاطع برہان میرزا اسداللہ خان غالب دہلوی در رسالہ[۲] شمشیر تیز تر و رسالہ[۳] ترانہ و رسالہ[۴] ہفت آسمانش از نظر گذشتہ راقم الحروف تاریخ وفات چنیں گفتہ" (ص ۲)

واجد علی شاہ اختر کے حالات زندگی و تصانیف کا ذکر دو صفحوں پر محیط ہے ان کی تصنیفات کے متعلق نسّاخ لکھتے ہیں :-

Marfat.com

"چوں علاوۂ تحصیل کمال بانواع فنونِ فاضلہ شوق مفرط بنادرہ فنِ شعر وسخن وارد بسا تصنیفات وتالیفات چہ در نظم وچہ در نثر وچہ بلسانِ فارسی وچہ بزبانِ اردو وریختہ کلک گہر سلک اوست کہ گنجائش اسمائے تمامی آرا ورق ہا باید طویل وعریض۔ ایں است اسمائے ازانہا۔ مباحثہ بین النص والعقل۔ نصائحِ اختری عشق نامہ مبارک ودو دواوین شیوعِ فیض، قمری مضمون، سخن اشرف، گلدستۂ عاشقان، اخترِ ملک، نظم نامور وکتاب ہیبت حیدری (ترجمہ حملۂ حیدری) وقصائد مبارک (مجموعہ قصائد) ومثنوی حزنِ اختری وجوہر عروض ورسالۂ ارشادِ خاقانی (شرح رسالۂ عروض وقافیہ میر شمس الدین فقیر) وغیرہا" ص ۴

انتخاب کلام میں بھی بخالت سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ طویل انتخاب اصنافِ سخن کے ہیں لیکن اس سلسلہ میں یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ تمام شعراء کے حالات تفصیل سے نہیں ہیں بعض کے حالات بہت مختصر بھی ہیں :۔ مثلاً :۔

"خان تخلص یٰسین خاں الہ آبادی داروغۂ پرمٹ الہ آباد است احیاناً شعری گوید" (ص ۹۶)

"آصف تخلص مرزا محمد باقر شیرازی است کہ بتقریب تجارت در ہندوستان آمد ورفت می کرد" ص ۲۲

"نائب تخلص میرزا محسن شیرازی ساکن بمبئی" (ص ۵۰)

سخن شعراء کے برخلاف اس تذکرے میں کلام پر رائے بھی اس دور کے مطابق موجود ہے۔ البتہ ایسی رائے سب شاعروں پر نہیں دی گئی ہے مثلاً جواد الجواد جودت کی شاعری کے متعلق نساخ کا تبصرہ دیکھئے:۔

"..... ناظرین از شیریں سخنی ایں طوطی بنگالہ سرسری نگزرند کہ چک دچانۂ وارد ولب ولہجہ" (ص ۲)

قاضی محمد صادق اختر ہوگلوی کی تصنیفات اور شاعری پر نساخ کا تبصرہ یہ ہے :۔

"اکثر از تصانیف او لطیف وبامزہ از نظر گذشت۔ اشعار صاف وشستہ وعاشقانہ ذاخن بدل زن میگفت" ص ۵

محمود آزاد جہانگیر نگری پر ان کا تبصرہ ملاحظہ ہو :۔

"فکر بلند وطبع بلند دارد۔ سخن ومعنی را با طبع وقارش مناسبتی است نام ومتانت وفصاحت را با فکر نقادش تعلقی است مالا کلام عندلیبِ نغمہ سرائے نطقش رنگین گلہائے سخنانِ تازہ در منقار۔ وطوطی شکر خائے فکرش شکر ریز شیریں معانی جدید انبار انبار۔ برجمیع اصنافِ سخن

Marfat.com

قادراست و بہرہ وزبان فارسی و ریختہ اشعار آبدارش نغز و نادر ...." (ص ۱۴)

نساخ نے اس تذکرے میں اپنے بعض معاصر کے نثر کے اور بعض کے عربی کلام کے نمونے بھی دیئے ہیں، جیسے ساقی کے نثر کے نمونے ماخوذ از "پشہ نامہ" اور ذوقی کے عربی قصیدے۔ تذکرۃ المعاصرین میں "شاعر جنّی" کے نام سے ایک دل چسپ قصہ بھی لکھا ہے جو تقریباً ۹ صفحوں پر مشتمل ہے جس کا عنوان ہے "ذکر شاعرِ جنّی معاصرِ راقم این تذکرہ کہ بر عبدالحلیم عاصم در ایام خرد سالیش تسلط کردہ بود"۔ یہ قصہ بڑا پر لطف ہے اگرچہ آج کل کی سائنس کی دنیا میں اس پر مشکل سے اعتبار کیا جاسکتا ہے لیکن یہ اس دور کا تذکرہ ہے جب جنّ پر عوام کا اعتبار تھا۔

اردو کے مشہور اساتذہ مثلاً امیر احمد امیر مینائی، الطاف حسین حالی، داغ دہلوی اور رند اور سرسید احمد آہی کا ذکر بھی فارسی گو شعرا میں موجود ہے جس کا ذکر علامہ وحشت (ماہ نو کراچی مارچ ۱۹۵۱ء) ڈاکٹر عندلیب شادانی صدر شعبہ اردو و فارسی ڈھاکا یونیورسٹی (ساقی کراچی مارچ ۱۹۵۵ء) اقبال عظیم (مشرقی بنگال میں اردو) اور دوسرے صاحبوں نے کیا ہے۔ حالانکہ حالی اور آہی کا تذکرہ نساخ اس تذکرے کے پہلے ہی قند پارسی مطبوعہ ۱۸۷۲ء میں کر چکے تھے۔ داغ سے اس تذکرے کے لیے انھوں نے فارسی میں اشعار لکھوائے ہیں جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں "فکر شعر فارسی نمیکند بپاس خاطر راقم الحروف شعرے چند مندرجہ ذیل برائے درج این تذکرہ گفتہ" (ص ۱۰۲) سرسید کی شاعری کا ذکر کوئی نئی بات نہیں۔ گلستان سخن (ص ۱۲۵-۲۸) نساخ سے پہلے ذکر آچکا تھا اور نساخ نے اس تذکرے سے استفادہ کیا تھا۔

داغ کے متعلق نساخ نے سخن شعرا میں لکھا تھا "... نواب مرزا ئے دہلوی ولد چھوٹی بیگم شاگرد شیخ محمد ابراہیم ذوق ملازم نواب رامپور، راقم نے اس شخص کو دہلی میں دیکھا ہے۔ اچھی طبیعت پائی ہے" (سخن شعرا ص ۱۵۱) لیکن تذکرۃ المعاصرین میں داغ کا ذکر اس طرح درج ہے:

"داغ تخلص نواب مرزا خاں دہلوی از متوسطین ریاست رامپور ابن نواب شمس الدین خاں مرحوم ابن نواب احمد بخش مغفور رئیس فیروز پور جھرکا و لوہارو۔ از مشاہیر شعرائے ریختہ گوئے دہلی و ارشد تلامذۂ شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی است۔ فکر رسا و طبع شوخی دارد و اقسام شعرِ نغز نیکو میگوید استاد مسلم الثبوت است ..." (ص ۱۰۱)

Marfat.com

دونوں کا یہ فرق قابل غور ہے اور سخن شعرا کی تلخی کو زائل کرنے کے لیے آبِ حیات۔

"سخن شعرا" اور "تذکرۃ المعاصرین" دونوں میں مؤخر الذکر تذکرہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے زیادہ مفصل ہے اور کلام پر کہیں کہیں تفصیل سے رائے وغیرہ بھی ہے۔ یہی چیز ظاہر کرتی ہے کہ سخن شعرا کی ضخامت اور زیادہ سے زیادہ شعرا کی شمولیت تفصیل اور رائے میں مانع رہی لیکن یہی بات "تذکرۃ المعاصرین" میں حارج نہیں رہی۔ یہاں شعرا کی محدود تعداد تھی اور معاصرین کی قید نے اور بھی آسانیاں بہم پہنچا دی تھیں۔ چنانچہ اس نکتے کو سامنے رکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ نساخ نے اتنی تفصیل سے کام نہیں لیا جتنی کہ وہ لے سکتے تھے شاعر کے کلام پر اور بھی کھل کر رائے دے سکتے تھے، مختلف اصناف کی خوبیوں پر روشنی ڈال سکتے تھے یا کم از کم اپنے ان معاصرین کی زندگی کے حالات ہی اور تفصیل سے دے سکتے تھے جن کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا، ملاقاتیں تھیں، واقفیت تھی اگر وہ یہ کام کر جاتے تو ان کے اس تذکرے کی حیثیت تاریخ کی ہو جاتی مگر نساخ مواقع کے باوجود ایسا نہ کر سکے۔ مولانا آزاد کا تذکرہ آبِ حیات نمونہ کے طور پر ان کے سامنے تھا مگر اس سے انھوں نے کام نہیں لیا۔

بہر کیف نساخ کی مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ ان کا یہ کارنامہ یعنی تذکرۃ المعاصرین بھی کم اہمیت کا حامل نہیں۔ "سخن شعرا" کی طرح اس کی بھی افادیت ہے اور بنگال کے شعرا اور بنگال سے متعلق شعرا سے واقفیت حاصل کرنے کا فی زمانہ واحد ذریعہ ہے اور بنگال پر کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ۔ بنگال کے اردو گو شعرا سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے جس طرح "سخن شعرا" ناگزیر ہے اسی طرح فارسی گو شعرا سے روشناس ہونے کے لیے "تذکرۃ المعاصرین" بھی ضروری اور لازمی ہے اور ان دونوں تذکروں سے نساخ کی اہمیت سرزمین بنگال میں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں تذکروں ہی نے نساخ کو اب تک ادبی طبقے اور خاص کر تحقیق کی دنیا میں زندہ و پائندہ رکھا ہے ورنہ عوام کی ان کی دوسری تخلیقات اور شاعری سے عدم واقفیت یا بے اعتنائی سے یہ امید نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ اب تک ادبا کی محفل میں جگہ بھی پا سکتے تھے جب کہ اس سرزمین کے بہتیرے ادبا و شعرا اسی بے اعتنائی کے شکار ہو کر رہ گئے۔

Marfat.com

۴۔ قندپارسی

یہ ۸۰ صفحوں پر مشتمل ایک رسالہ ہے جو مطبع منشی نولکشور جولائی ۱۸۷۲ء میں طبع ہوا۔

یہ رسالہ ایک بیاض ہے جس میں فارسی گو شعرا، بزرگان دین، صوفیائے کرام وغیرہ کے فارسی کلام کے انتخاب کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ تقریباً دس فارسی گو شعرا کے کلام کا انتخاب درج ہے۔ اس رسالے میں بعض ایسی چیزوں کا انکشاف کیا گیا ہے جس سے موجودہ دور میں بعض گوشے جو تاریکی میں تھے یا جسے دنیائے شاعری فراموش کرتی جا رہی تھی پھر منصۂ شہود پر آجائیں گے مثلاً شیخ ابو علی سینا بلخی کی فارسی شاعری کے دو اشعار نموتاً "قند پارسی" میں دیے گئے ہیں مفتی محمد صدرالدین خاں آزردہ دہلوی کے آٹھ فارسی اشعار اس رسالے میں موجود ہیں۔ آزردہ بقول رام بابو سکسینہ "تینوں زبانوں یعنی عربی، فارسی، اردو میں شعر کہتے تھے۔۔۔۔ مگر کبھی دیوان کی صورت میں مرتب نہیں کیے گئے"[۱] دیگر تذکروں میں بھی اس کا ذکر موجود ہے پھر بھی چونکہ "قند پارسی" ایک بیاض ہے اس لیے اس پر حرف نہیں آتا، اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بہرکیف اس بیاض میں نامور اور گمنام شعرا دونوں ہی کے کلام کا کچھ نہ کچھ انتخاب موجود ہے۔ یہ شعرا ایرانی بھی ہیں اور ہندی بھی۔ دہلوی بھی ہیں، اور دکنی بھی۔ شیرازی بھی ہیں، کابلی بھی ہیں، اکبرآبادی بھی ہیں اور آروی بھی۔ کاکوروی بھی ہیں اور لاہوری بھی، عظیم آبادی بھی ہیں اور پنجابی بھی۔ الٰہ آبادی لکھنوی اور بنگالی بھی۔ نیز صوفیائے کرام کے اشعار کا انتخاب بھی اور پیشہ ور شعرا کا بھی۔ غرضیکہ نساخ نے ہر شعبۂ حیات کے فارسی گو شعرا کا انتخاب اس بیاض میں یکجا کر لیا ہے۔

سید لطیف الرحمٰن اپنی کتاب "نساخ سے وحشت تک" میں لکھتے ہیں:۔ "قند فارسی" فارسی اشعار کی بیاض ہے جو جولائی ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئی جس میں سرسید، حالی، داغ اور اسیر کا فارسی کلام بھی پایا جاتا ہے[۲]۔ میں نے بغور اس کتاب کا مطالعہ کیا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اسیر اور داغ کا ایک بھی فارسی شعر اس بیاض میں موجود نہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ رسالہ ایک بیاض ہے اور بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری ــــ

---

[۱] تاریخ ادب اردو ص ۲۰۹۔ [۲] "نساخ سے وحشت تک" ص ۴

Marfat.com

بیاض تذکرہ نگاری کا نقشِ اوّل ہے جب یہی نام یا تخلص بلحاظ حروف تہجی یا ابجدی ترتیب دے دیئے گئے اور کسی خاص قرینے سے مرتب کر دیئے گئے تو اس کا نام تذکرہ ہو گیا[۱]" "قند پارسی" میں شعرا کا نام ردیف وار تو ضرور ہے مگر کسی شاعر کا حال درج نہیں ہے لہٰذا متذکرہ بالا اصول کے مطابق اسے تذکرہ نہیں کہا جا سکتا لیکن جب بیاض کی افادیت واہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو "قند پارسی" کی بھی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے کیونکہ کم از کم شعرا کے شعروں کا انتخاب مع ان کے نام کے آسانی سے مل تو سکتا ہے اسی لیئے اسے نیم تذکرہ کہنا بے جا نہیں۔ قند پارسی سے اتنی بات تو تسلیم کر ہی لینی پڑے گی کہ نساخ کو اردو فارسی شاعری وادب سے نہ صرف شغف تھا بلکہ عشق بھی تھا اور اسی جذبۂ شوق کا نتیجہ یہ "قند پارسی" ہے۔

دیگر تذکروں اور بیاضوں کی طرح فارسی ادب وشاعری پر تحقیق کرنے والوں کے لیئے قند پارسی بھی ایک حد تک ممد ومعاون ہو سکتی ہے۔

"قند پارسی" کے متعلق نساخ کے معاصر حکیم اشرف علی مست لکھتے ہیں:-

"قند پارسی" بیاضِ پارسی ہے جس میں مؤلف نے سخن فہمی اور سخن شناسی کی داد دی ہے[۲]"، محترمی ڈاکٹر شادانی جیسے محتاط محقق اور بے لاگ ناقد کے خیال میں "قند پارسی" "... فارسی شعرا کے کلام کا انتخاب ہے[۳]" علامہ وحشت کے نزدیک "... شعرائے پارسی گو کے کلام کا نہایت پاکیزہ انتخاب ہے[۴]" سید اقبال عظیم فرماتے ہیں "قند پارسی مختلف شعرائے فارسی کا تذکرہ ہے[۵]" اقبال صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس میں شاعر کا حال درج نہیں ہے لہٰذا اسے تذکرہ کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

نساخ نے انتخاب سخن کے سلسلے میں غزلوں کا انتخاب کیا ہے اور کہیں کہیں قطعات لیکن رباعی، مثنوی، قصیدہ اور دوسرے صنفِ سخن کو اس بیاض میں انھوں نے جگہ نہیں دی ہے

۱؎ تذکروں کا تذکرہ ص ۱۹

۲؎ گنج تواریخ ص ۶

۳؎ ساقی ماہ مارچ ۱۹۵۵ء ص ۱۱

۴؎ اردوئے معلیٰ اکتوبر و نومبر ۱۹۰۰ء ص ۲

۵؎ مشرقی بنگال میں اردو ص ۵

Marfat.com

اس سے ان کی پسند اور طبیعت کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔

شعرا کے انتخاب کے سلسلے میں بعض بعض شعرا کو انھوں نے نظرانداز کر دیا ہے مثلاً عسجدی فردوسی، فرخی، اسدی، ناصر خسرو، ظہیر فاریابی اور قدیم شعرا میں ابوشکور بلخی، شہید بلخی، رودکی اور سنائی۔

انتخاب کے سلسلے میں مکمل غزل منتخب نہیں کی گئی ہے بلکہ ایک دو شعروں پر اکتفا کیا گیا ہے البتہ قطعے پورے شامل کیے گئے ہیں۔ ابن یمین کا بھی قطعہ انتخاب کیا گیا ہے اور عمر خیام اگرچہ رباعی گوئی کے لیے مشہور ہیں لیکن ان کا بھی ایک قطعہ ہی اس بیاض میں شامل ہو سکا ہے اسی طرح نظامی مثنوی میں مشہور ہیں مگر نساخ کی نظر انتخاب ان کے ایک قطعہ پر ہی پڑی ہے۔

۵ زبان ریختہ

زبان ریختہ ۱۶ صفحے کا ایک رسالہ ہے جو زبان اردو سے متعلق ہے اور مطبع نولکشور لکھنؤ سے ۱۸۷۴ء مطابق جمادی الاول ۱۲۹۱ھ میں طبع ہوا۔ زبان ریختہ تاریخی نام ہے اور اس سے تاریخ ۱۲۷۵ھ نکلتی ہے، رسالے کا پورا نام "رسالہ در تحقیق زبان اردوئے معلیٰ" ہے اور تاریخی نام زبان ریختہ سے موسوم ہے، یہ رسالہ الگ سے بھی چھپا تھا اور اسی سن کی طباعت کلیات میں بھی شامل ہے زبان ریختہ دوسری مرتبہ مطبع منشی نولکشور سے اکتوبر ۱۸۹۰ء مطابق ماہ صفر ۱۳۰۸ھ میں طبع ہوا تھا۔ اسباب تصنیف کے متعلق نساخ فرماتے ہیں:

"... شعرائے متقدمین و متاخرین زبان اردو کے اشعار دیکھنے لگا، ان کی زبان اور محاورے میں بہت فرق پایا گیا پئے تحقیق کمر ہمت چست باندھی خوب تفتیش کی، برسوں اسی فکر میں رہا، ایک عمر کو برباد کیا بارے جب بہت سے دیوان اور تذکرے نظر سے گزرے، بہت سی اردو کتابیں دیکھیں، بیشتر مسئلے اس کے حل ہو گئے۔ بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں تب جی میں آیا کہ زبان اردو کی کیفیت کو دل سے زبان پر لاؤں کہ اردو کس زبان کو کہتے ہیں اور وجہ تسمیہ اس کی کیا ہے اور نظم اردو کو ریختہ کیوں کہتے ہیں اور کب سے یہ زبان اقلیم ہندی میں مروج ہوئی ہے

Marfat.com

اور کیونکہ اصل ہندی میں تصرف ہوتا گیا اور کس طرح پر تغیر و تبدل واقع ہوا اور کس عہد کے شعرا کی زبان کا کیا طرز تھا"[۱]

اس کے بعد نہایت اختصار سے اردو کی وجہ تسمیہ، ریختہ کی وجہ تسمیہ، اردو کا خمیر کس طرح تیار رہا۔ دلی سے اردو دکن کیسے گئی اور وہاں کی مقامی زبان سے مل کر کیا اثرات پیدا ہوئے، وہاں کے شعرا کا نمونۂ کلام پھر دلی کی آمد سے کس طرح دہلی میں اردو شعرگوئی کی بنیاد پڑی محمد شاہ کے دور میں اردو کا عروج شعرا کے کلام کا نمونہ اس کے بعد حاتم، سودا، میر وغیرہ کا ریختہ میں کلام موزوں کرنا۔ مرزا مظہر جان جاناں کا اصلاح زبان کی طرف قدم اٹھانا اور عہد بہ عہد کے شعرا کے کلام کا نمونہ، انگریزی، فرانسیسی الفاظ کی شمولیت اور مثالیں اور مومن و ذوق و غالب کی صفائی زبان اور فصاحت و بلاغت سے مملو کرکے اس کا رتبہ بڑھانا اور زبان دہلی و لکھنؤ کا فرق پیدا ہونا وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

نساخ نے متذکرہ بالا سطور میں لکھا ہے کہ

"خوب تفتیش کی، برسوں اسی فکر میں رہا، ایک عمر کو برباد کیا بارے جب بہت سے دیوان اور تذکرے نظر سے گزرے، بہت سی اردو کتابیں دیکھیں بیشتر مسئلے اس کے حل ہو گئے بہت سی باتیں معلوم ہوگئیں تب جی میں آیا کہ زبانِ اردو کی کیفیت کو دل سے زبان پر لاؤں کہ اردو کس زبان کو کہتے ہیں؛ ان سطور کے مطالعے سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ نساخ کی تحقیق زبان کا نتیجہ اور طبع زاد ہے لیکن حقائق اور شواہد کے پیش نظر یہ دعویٰ صرف دعویٰ ہی دعویٰ رہ جاتا ہے۔

نساخ سے بہت پہلے مرزا محمد اسمٰعیل عرف مرزا جان طپش نے اپنے دیوان مرتبہ ۱۱۹۹ھ جس کا تاریخی نام "گلزار مضامین" ہے، میں فارسی میں زبان اردو کی ابتدا، تدریجی ترقی، متقدمین کے تصرفات اور اردو کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک نہایت دلچسپ مقالہ سپرد قلم کیا ہے"[۲] جو بطور دیباچہ دیوان متذکرہ بالا میں شامل ہے۔

---

[۱] زبان ریختہ ص ۲ - [۲] اردو اکتوبر ۱۹۲۹ء (اردو زبان کی ابتدا از ڈاکٹر عندلیب شادانی)

Marfat.com

اس دیباچے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ حیرت انگیز طور پر اسی دیباچے کا چربہ ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ نساخ نے اپنے رسالے میں کہیں اس کا کوئی تذکرہ بھی نہیں کیا ہے۔

مجھے دیوان دستیاب نہ ہو سکا لیکن محترمی جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی نے اپنی عنایتوں اور کرم فرمائیوں سے کام لے کر مجھے اپنا مضمون عطا کیا جو میری تحقیق میں ممد و معاون ثابت ہوا۔

نساخ کا رسالہ مفصل نہیں بلکہ بہت ہی مختصر ہے لیکن طپش کا نظریہ زیادہ واضح ہے۔ قدیم اساتذہ دکن کی مثالیں دونوں میں ایک ہی ہیں۔ البتہ متقدمین شعرائے دہلی کا جو نمونۂ کلام ہے وہ دونوں ہی علیحدہ علیحدہ ہے۔ مظہر، سودا وغیرہ کی مثالیں نساخ میں ہیں لیکن وہ نمونۂ کلام دیباچۂ کلیات طپش میں نہیں۔ شعرائے متاخرین کا نمونۂ کلام رسالۂ زبانِ ریختہ میں اضافہ ہے۔

دونوں کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نساخ کا رسالہ طپش کے دیباچے پر مبنی ہے۔ اگرچہ نساخ نے اس کا اعتراف نہیں کیا ہے۔

ذیل میں صرف تین مقامات ہمارے بیان کی تائید کے لیے کافی ہیں :-

زبانِ ریختہ

(۱) زبان فارسی و ترکی میں اردو کو لشکر کہتے ہیں اور چونکہ یہ زبان لشکری و حضوری وایستادگان پائے تخت شاہی کی زبان پر جاری ہوئی اسی لیئے اس زبان کا نام اردو پڑ گیا۔ چنانچہ صاحب دستور شگرف نے بھی جس مقام میں توضیح اقسام زبان پارسی کی کی ہے زبان دری کی تعریف میں یہ بات لکھی ہے کہ جس زبان میں حاضران دربار یابان درگاہ سلاطین گفتگو کرتے تھے اس زبان کو دربر دولت سلطان کی طرف منسوب کر کے

دیباچہ کلیات طپش مترجمہ ڈاکٹر شادانی

(۱) فارسی زبان میں اردو کے معنی لشکر کے ہیں جس میں شاہی خیمہ بھی ہو۔ چونکہ بادشاہ کے درباری اور ندیم اس زبان کو بولتے لگے لہٰذا دولت سرائے سلطانی سے منسوب کر کے اس کو اردو کہنے لگے اسی بنا پر دستور شگرف کے مصنف نے جس مقام پر اقسام زبان فارسی کی توضیح کی ہے زبان دری کی تعریف میں کہا ہے کہ سلطان کیانی کی درگاہ کے لوگ جس زبان میں بات چیت کرتے تھے اسی کو دری کہتے ہیں یعنی منسوب بہ

Marfat.com

دری کہتے ہیں۔ یہی حال زبان اردو کے اردو نام پڑنے کا بھی ہے۔"[1]

(۲) "…. زبان اردو روزمرہ دہلی کو کہتے ہیں اس شہر میں قدیم الایام سے برابر زبانِ ہندی مروج تھی۔ ہر شخص اسی زبان میں کلام کرتا تھا۔ جب پانسو اٹھاسی ہجری میں سلطان معز الدین مشہور بہ شہاب الدین محمد غوری نے ملک ہند پر چڑھائی کی، اہلِ ہند کو شکست دی پتھورا کا کام تمام کیا، تمام ملکِ ہند سلاطین غور کے قبضۂ اختیار میں آیا رفتہ رفتہ زبان قدیم میں لفظ عربی و ترکی ملتا گیا۔ حضرت امیر خسرو دہلوی نے انتقال ان کا سنہ سات سو پچیس ہجری میں واقع ہوا ہے۔ بہت سے شعر بطور ملمع کے کہے ہیں چنانچہ یہ شعر ان کا ہے۔

زحالِ مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

در دولتِ سلطانی۔ اسی طرح لفظ اردو اس زبان کے لیے مخصوص ہو گیا۔"[2]

(۲) زبان اردو کے معنی ہیں دہلی کا روزمرہ اور دہلی پرانے شہروں میں سے ایک بہت بڑا شہر ہے… پرانے زمانے میں دہلی ہند کے راجاؤں کا دارالسلطنت تھا اور اس زمانے میں جو زبان بولی جاتی تھی وہ ہندی الاصل تھی۔ مشیت ایزدی سے جب سلطان معز الدین سام ہندو فوج پر غالب آیا اور اس نے رائے پتھورا کا کام تمام کر دیا تو دہلی کی سلطنت سلاطین غور کے قبضے میں آگئی اور رفتہ رفتہ اہل اسلام کے انفاس مبارک سے اس زبان میں تغیر ہو گیا اور عربی و فارسی کے کچھ الفاظ لوگوں کی بات چیت میں گھل مل کر رواج پا گئے چنانچہ امیر خسرو دہلوی نے جو اپنی عمر کے آخری حصے میں سلطان (غیاث الدین) تغلق کے دربار میں ملازم تھے اور طوطی شکر مقال (۷۲۵ھ) اس کی تاریخ وفات ہے اسی زمانہ میں فرمایا تھا

زحالِ مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
جو تابِ ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے کہ جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

[1] : زبان ریختہ ص ۲۳

[2] رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۳۹ء

شبان ہجرش دراز چوں زلف و روز وصلش چو عمر کوتہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری تیاں
چو ذرہ حیراں چو شمع سوزاں . بہ عشق آں ماہ گشتم آخر
نہ نیند نیناں ، نہ انگ چیناں ، نہ آپ آوے نہ بھیجے پتیاں

(۳) "بہر کیف محمد شاہ بادشاہ کے اوائل عہد سنہ ۱۱۳۳ ہجری میں جب دیوان ولی دکھن سے شاہ جہاں آباد میں آیا اس کی شہرت ہوئی ہر جگہ مشہور رہا۔ سبھوں نے اس کو دیکھا بھالا۔ رواج شعر ہندی کا بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ ہوگیا۔ اس عہد کے سخن وران نامی و نکتہ پروران گرامی میں نجم الدین آبرو معروف بشاہ مبارک، شرف الدین علی خاں پیام، شیخ ظہور الدین حاتم، جعفر علی خاں ذکی، میر سجاد و محمد شاکر ناجی ہیں۔"

(۳) بہر کیف محمد شاہ بادشاہ کے اوائل عہد میں یعنی جلوس کے دوسرے سال میں جب ولی کا دیوان دکھن سے شاہ جہاں آباد پہنچا تو ہندی شعر کا رواج پہلے سے بھی زیادہ ہوگیا میاں نجم الدین آبرو. محمد شاکر ناجی، مصطفیٰ خاں یکرنگ، میر سجاد، شرف الدین علی خاں پیام، شرف الدین مضمون، جعفر علی ذکی اور چند دوسرے حضرات اس دور کے شاعر ہیں۔"

زبان ریختہ میں نساخ نے کچھ اضافہ بھی کیا ہے اور وہ اضافہ اساتذہ کا کلام مثلاً مظہر، درد. میر، سودا، حسرت، جرات، مصحفی، انشا، حسن، نصیر، مومن، ذوق، غالب، ناسخ، آتش اور نساخ کا کلام وغیرہ ہے اور اس کے علاوہ یہ چند سطریں اضافہ ہیں۔

"انھیں دنوں میں الفاظ لاطینی مثل کپتان وغیرہ و الفاظ پرتگیزی مثل نیلام و کمرا و پادری یعنی نان پاؤ وغیرہ و الفاظ فرانسیسی مثل فرامین وغیرہ و الفاظ انگریزی مثل جمعو، وگلاس و کالج وغیرہ بھی زبان اردو میں داخل ہوگئے۔ آخرش جب زمانہ حکیم مومن خاں مومن و شیخ ابراہیم ذوق و میرزا اسد اللہ خاں غالب و شیخ امام بخش ناسخ و خواجہ حیدر علی آتش کا آیا ان لوگوں نے زبان اردو کے روزمرہ کو خوب صاف کیا اور کلام کو فصاحت و بلاغت سے بھر دیا۔ اور کیتس ا ورہیگا

Marfat.com

(یہ لفظ دیباچہ دیوان طپش میں موجود ہے اور چھٹا تصرف کے تحت آیا ہے) وغیرہ بہت سے الفاظ کو استعمال سے خارج کرکے اس زبان کا رتبہ ایسا بڑھایا کہ اشعار اردو فارسی کے ہم پہلو کر کے دکھائے لیکن اس عہد میں دہلی اور لکھنؤ کی زبان میں بڑا فرق ہو گیا یعنی شعرائے دہلی کے بہت سے ترک کردہ لفظ و ترکیب کو لکھنؤ نے جائز رکھا اور بہت سے لفظ و ترکیب کو جو شعرائے دہلی کے نزدیک درست تھے شعرائے لکھنؤ نے ترک کر دیا۔ تفصیل اس کی باعث طول کلام ہے لیکن ایں ہیچ میرز کو اوائل فکر سخن سے اس امر کا خیال تھا کہ دہلی یا لکھنؤ کی زبان میں جو بات اچھی معلوم ہو اس کو اخذ کروں اور جو بات بری معلوم ہو اس کو ترک کردوں چنانچہ ویسا ہی کیا۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نساخ نے دیباچۂ دیوان طپش ہی کو پیش نظر رکھ کر اپنے اس رسالے یعنی زبان ریختہ کو لکھا ہے اور چونکہ دیباچہ فارسی میں تھا اس لیے اسے اردو میں ترجمہ کیا۔ مثالوں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ انھوں نے جو زبان کی تحقیق کا دعویٰ کیا ہے وہ فقط دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ نساخ دکھنی شعرا سے واقف نہ تھے اسی لیئے وہ مثالوں کو بھی تبدیل نہ کرسکے۔ البتہ وہ شعرا جن کا ذکر تذکروں میں موجود تھا ان کے کلام کے نمونہ کو انھوں نے اپنے رسالے میں تبدیل کر دیا ہے۔ نساخ کے "سخن شعرا" میں دکھنی شعرا کا کوئی ذکر نہیں ہے بالخصوص اس رسالے میں جن دکھنی شعرا کا ذکر ہے اور جن کا نمونہ کلام دیا گیا ہے ان میں سے سوائے ولی کے کسی کا بھی ذکر "سخن شعرا" میں موجود نہیں۔ اگر ان کی تحقیق ہوتی تو وہ ان شعرا کا ضرور اپنے تذکرے میں ذکر کرتے اور ان کے کلام کا نمونہ بھی دوسرا ہوتا۔ اب رہی یہ بات کہ کلیات طپش نساخ کے ہاتھ کہاں لگا، محترمی ڈاکٹر عندلیب شادانی اپنے مضمون 'اردو زبان کی ابتدا' میں کلیات طپش کے متعلق فرماتے ہیں "ہمارے زمانے کے بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ 'طپش کا کلیات ان کی زندگی ہی میں فورٹ ولیم کالج کی طرف سے شائع ہوا۔ لیکن یہ بیان سراسر خلاف واقعہ ہے طپش کا دیوان یا کلیات کبھی شائع نہیں ہوا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کلیات طپش کا صرف ایک ہی (قلمی) نسخہ اس وقت دنیا میں موجود ہے اور وہ میرے پاس ہے۔ یہ وہی نسخہ ہے جو طپش نے فورٹ ولیم کالج کی نذر کیا تھا[۱]" اور یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ نساخ کی

---

[۱]: اردو اکتوبر ۱۹۴۹ء

Marfat.com

فورٹ ولیم کالج میں آمد و رفت ہوتی رہتی تھی لہٰذا اس کلیات کا ان کی نگاہوں سے گزرنا بعید نہیں۔ وہ "سخن شعرا" میں خود فرماتے ہیں:۔

"... کلیات ان کا نظر سے گزرا۔ مرزا جان طپش کے ہاتھ کی لکھی ہوئی غزلوں میں تخلص ان کا طاءِ مہملہ سے لکھا تھا اس لیئے میں نے بھی تائے فوقانی سے نہیں لکھا۔"

اور خاص کر زبان ریختہ اور دیباچۂ کلیات طپش میں جو مماثلت ہے اور حوالے اور مثالیں بھی ایک ہیں۔ اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اس قلمی نسخہ کو ضرور دیکھا ہوگا۔

پھر بھی زبان ریختہ کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ غالباً اس زمانہ میں یہ فیشن تھا کہ کتابوں کو سامنے رکھ کر اس سے مصنفین استفادہ کرتے تھے۔ خیالات و زبان کو ہو بہو یا کچھ ترتیب میں تبدیل کر کے یا الفاظ میں تغیر و تبدل کر کے اپنی کتاب یا رسالہ میں لکھ لیتے تھے لیکن اس کا حوالہ دینا کہ فلاں کتاب یا رسالہ سے یہ چیزیں اخذ کی گئی ہیں، ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

نسّاخ ہی اس جرم کے مرتکب نہیں ہوئے کہ انہوں نے دیباچۂ کلیاتِ طپش پر تصرّف کیا بلکہ ان کے رسالے زبان ریختہ سے حکیم نجم الغنی رامپوری نے بھی اپنی کتاب بحر الفصاحت مطبوعہ ۱۳۰۳ھ منشی نولکشور پریس لکھنؤ میں "حقیقت اردو اور شاعری ریختہ کے بیان میں" کے زیر عنوان بہت کچھ استفادہ کیا ہے بلکہ بسا اوقات وہی خیال، وہی باتیں جو نسّاخ نے لکھی ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں لیکن نسّاخ کی طرح انھوں نے بھی اپنے ماخذ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

Marfat.com

(ب) دیگر تصانیف

انتخاب نقص

انتخاب نقص ۴۳ صفحات کا ایک رسالہ ہے جو مطبع نظامی کانپور سے محرم سنہ ۱۲۹۶ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔ مولوی سید لطیف الرحمٰن صاحب اس کی اشاعت سنہ ۱۲۹۴ھ[1] بتاتے ہیں۔ مولانا وحشت کی تحریر سے سالِ اشاعت[2] و ترتیب کی وضاحت نہیں ہوتی لیکن انہوں نے بھی سنہ ۱۲۹۴ھ ہی لکھا ہے۔ اس رسالے کے آخر میں جو تاریخی قطعات موجود ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس رسالے کا سالِ ترتیب سنہ ۱۲۹۴ھ[3] ہے اور سالِ طباعت سنہ ۱۲۹۶ھ

اس رسالے کا ایک مطبوعہ نسخہ ڈھاکا یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے اور میری نظر سے گزرا ہے۔

رسالے کی ابتدا میں حمد و نعت کے بعد نساخ نے اپنا نسب نامہ بھی لکھا ہے اور اس کے بعد غرض و غایت تصنیف لکھی ہے

"انتخاب نقص" میں میرزا دبیرؔ اور میر انیسؔ کے کلام کی زبان، عروض، محاورے معانی اور قواعد کی غلطیاں اور بعض دوسرے فنی نقائص دکھائے گئے ہیں۔

---

[1] نساخ سے وحشت تک ص ۱۴۱ [2] اردوئے معلیٰ اکتوبر نومبر سنہ ۱۹۰۶ء ص ۲ [3] انتخاب نقص ص ۲۰

Marfat.com

اس رسالے کو ان کا انتقادی کارنامہ سمجھنا چاہئیے۔ بہت سے اعتراضات صحیح ہیں اور بعض اعتراضات، اعتراض برائے اعتراض بھی ہیں۔ مرزا دبیر کے اشعار پر بیشتر یعنی تقریباً ڈیڑھ سو اشعار اور میر انیس کے تقریباً ساٹھ اشعار پر نساخ نے اعتراضات کئے ہیں۔ لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ نساخ نے ان بزرگوں کی ذاتیات پر کسی قسم کا حملہ نہیں کیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نساخ نے انیس و دبیر پر اعتراضات کیا کسی پرخاش کی بناء پر کئے تھے؟

''سخن شعراء'' یا ان کی ''خود نوشت سوانح عمری'' سے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ البتّہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہالیان لکھنؤ سے ان کی اچھی طرح نہیں بنتی تھی[1] اس کے باوجود وہ بات بڑھانا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ مٹیا برج کے ایک مشاعرہ میں شرکت کے دوران انہوں نے ''اپنے شاگردوں کو منع کر دیا تھا کہ وہ کسی لکھنؤ کے شاعر پر اعتراض نہ کریں[2]''

وہ (نساخ) اہلِ لکھنؤ کی بے جا تعلی اور رقابت سے نالاں ضرور تھے چنانچہ وہ اہلِ لکھنؤ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

''یہاں (لکھنؤ) کے لوگ زبانی محبت بہت دکھلاتے ہیں لیکن دل میں کچھ نہیں ہے۔ لکھنؤ کے لوگ باتیں خوب بناتے ہیں[3]''

احمد رضا صاحب نساخ تخلص کے تحت فرماتے ہیں:۔

''ان کے استاد مولوی رشیدالنبی وحشت سلسلۂ جرأت میں منسلک تھے اور براہِ راست رام پوری استفادے کی بناء پر وہ لکھنوی شعراء کے کمالِ سخن کے قائل نہ تھے۔ وحشت کے استاد ضیغم۔۔ نے شاہ رؤف احمد رافت رامپوری سے استفادہ کیا تھا۔ بقول مصحفی قیام لکھنؤ کے زمانے میں انہوں نے مصحفی سے بھی فائدہ اٹھایا تھا۔ اور جرأت سے بھی۔ جرأت اور مصحفی طرزِ ناسخ کے خلاف تھے۔۔ ان کی جدت طبع نے لکھنوی اساتذہ کے مقابلے پر ان کو ابھارا[4]''

---

[1] خود نوشت سوانح عمری ص ۹۵-۹۶ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔
[2] ایضاً ص ۹۴

"سخن شعرا" میں نساخ انیسؔ و دبیرؔ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"انیسؔ تخلص میر ببر علی ولد میر مستحسن تخلص بہ خلیق خلف میر حسنؔ صاحب مثنوی "بدر منیر" متوطن دہلی مقیم لکھنؤ، مرثیہ گویوں میں ممتاز ہیں اور تحت لفظ پڑھنے میں کمال رکھتے ہیں۔ سوائے مرثیہ کے اور کسی صنعت میں مطلق دخل نہیں رکھتے۔ بلکہ مرثیہ بھی ان کا ایسا نہیں کہ عیوب شاعری سے پاک ہو۔"[1]

"دبیرؔ تخلص مرزا سلامت علی ولد مرزا غلام حسین کاغذ فروش لکھنوی شاگرد مظفر حسین ضمیرؔ۔ مرثیہ اچھا کہتے ہیں مگر ایسا نہیں کہ عیوب شاعری سے پاک ہو۔ راقم نے ان کو عظیم آباد میں دیکھا۔"[2]

مندرجہ بالا اقتباسات سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ نساخ کو اگر ان سے رنجش نہ تھی تو وہ عقیدت بھی نہ تھی جو اہلِ لکھنؤ کو انیسؔ اور دبیرؔ سے تھی۔ اس کے علاوہ آتشؔ و ناسخؔ کے جو حالات انہوں نے اپنے تذکرے میں لکھے ہیں ان سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ نساخ اہلِ لکھنؤ اور بالخصوص ان کے مسلّم اساتذہ کی برتری کے قائل نہ تھے۔ آتشؔ و ناسخؔ کے حالات "تذکرہ "سخن شعرا" میں ملاحظہ ہوں:۔

"آتشؔ تخلص۔ خواجہ حیدر علی خلف خواجہ علی بخش لکھنوی شاگرد مصحفی ۱۲۶۳ھ میں انتقال کیا۔ دیوان ان کے نظرِ راقم سے گزرا سوائے غزل کے اور کسی صنفِ سخن پر قادر نہ تھے۔"[3]

"ناسخؔ تخلص۔ شیخ امام بخش لکھنوی، صاحب تذکرہ سراپا سخن سید محسن علی محسن نے ان کو ولد شیخ خدا بخش تاجر لاہوری کر کے لکھا ہے لیکن یہ تاجر مذکور کے غلام مشہور تھے۔ غرض اشعار ان کے بیشتر مثالیہ و بلند مضمون ہوتے ہیں، اکثر اشعار شعرائے متقدمین و متاخرین فارسی گو کو بہت اچھی طرح سے ترجمہ کیا ہے۔ مشہور ہے کہ کچھ روز محمد عیسیٰ تنہا شاگرد مصحفی سے اصلاح لے کر منحرف ہو گئے تھے۔ سوائے غزل اور رباعی کے اور کسی صنفِ سخن میں دخل نہیں رکھتے تھے۔ ۱۲۵۴ھ میں فوت کی۔ کلیات ان کا نظر سے گذرا" (صفحہ ۴۹۱)

اس اندازِ بیان و تحریر سے نساخ کی اہلِ لکھنؤ سے رنجش اور دلی کدورت کا اظہار ہوتا

---

[1] سخن شعرا ص ۔۔ [2] سخن شعرا ص ۔۔ [3] سخن شعرا ص ۔۔

Marfat.com

ہے۔ اگرچہ مولانا وحشت فرماتے ہیں کہ:۔

"نساخ نیک باطن تھے اور انہوں نے جو اعتراضات اہلِ لکھنؤ کے کلام پر کئے حصولِ شہرت کی غرض سے یا بدنفسی سے نہیں کئے ہیں بلکہ کچھ اہلِ لکھنؤ کی چھیڑ چھاڑ سے تنگ آکر اور کچھ طبع تحقیق پسند کی ولولہ انگیزیوں سے[۱]"

۲۲۳

اندازہ یہی ہے کہ "انتخاب نقص" لکھتے وقت نساخ کے پیشِ نظر بھی یہی بات ہو کہ انیس و دبیر کی شہرت اور ان کی شاعری کی عظمت کے بت کو توڑنے سے وہ شہرت و عظمتِ لکھنؤ پر ضرب کاری لگائیں گے۔ اگرچہ اس کا کوئی ثبوت یا تاریخی سند موجود نہیں لیکن اسبابِ تصنیف "انتخاب نقص" میں تحریر کا جو انداز ہے اس سے ہلکی سی روشنی میرے اس قیاس پر پڑتی ہے۔ نساخ لکھتے ہیں:۔

ایک مدتِ دراز سے فصاحت و بلاغت جناب سلامت علی دبیر و جناب میر ببر علی انیس کا شہرہ سنا جاتا تھا اور بزعم بعضے روئے زمین پر کمالِ فضل میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا اور بگمان برخے اس بعید کی قلمرو ہندوستان تک ہی حد نہ تھی اور اس میں تو گویا سب کا اتفاق پایا کہ جناب شیخ امام بخش ناسخ و جناب خواجہ حیدر علی آتش ان کے روبرو کچھ آبرو نہیں رکھتے تھے۔ مگر یہ امر صرف عوام ہی کی زبان پر جاری دیکھا اور خواص جو کہ فنِ شاعری سے آگاہ ہیں ان کو اس بارے میں سست پایا۔ بہر حال راقم کو ان کے کلام کا اشتیاق پیدا ہوا اور ان کے مرثیوں کی جستجو دماغ میں سمائی اور اکثر مجالسِ محرم میں شریک ہونے کی علتِ غائی یہی بات تھی۔ چنانچہ چند بار جو مقام عظیم آباد موصوف بہ پٹنہ میں ان کے مرثیوں کے سننے کا اتفاق ہوا تو کچھ اور ہی حقیقت ظاہر ہوئی اور جا بجا شبہاتِ فنِ شاعری کے خاطر میں پیدا ہوئے لیکن چونکہ ہنگامہ میں سننے کا اتفاق ہوا تھا اس سبب سے یہ خیال ہوا کہ اگر ان کے کہے ہوئے کچھ مرثیے ہاتھ لگیں تو حالِ واقعی دریافت ہو۔ اس لئے بعضے دوستوں کو ذریعۂ فتح الباب کا ٹھہرایا لیکن کسی کی حلقہ زنی سے یہ مہم انجام کو نہ پہنچی ... جسبِ اتفاق کلام ان کا طبع ہوا اور ہر جگہ پہنچا

---

[۱] اردوئے معلیٰ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ

Marfat.com

راقم کے مطالعہ میں بھی آیا تو عجیب طرح کا بے ربط و ضبط پایا۔ چنانچہ معنی اور اسلوب ترکیب اور مراعاتِ الفاظ ایک طرف بعض اشعار کے وزن و قافیہ و ردیف میں بھی فتور نظر آیا۔

راقم کو جو کبھی کبھی اور کہیں کہیں ان کے مرثیوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اس میں نقصان نظر آئے جا بجا سے بطور نمونہ مشتے از خروارے لکھے جاتے ہیں[۵]۔"

اور یہی چیز ثابت کرتی ہے کہ "انتخاب نقص" کے لکھنے کا ایک خاص مقصد تھا۔ چنانچہ اہل لکھنؤ پر نساخ کے اعتراضات ایک بھرپور وار تھے جس نے ان کے ایوان شاعری میں تہلکا مچا دیا۔ نساخ کے اعتراضات میں سے اکثر کا جواب لوگوں سے نہ بن پڑا۔ مولانا شبلی نے بھی "موازنہ انیس و دبیر" میں ان اعتراضات میں سے بیشتر اعتراضوں کو درست قرار دیا ہے۔ "انتخاب نقص" نساخ اور شعرائے لکھنؤ کے درمیان ایک بڑے معرکے کا سبب بن گئی جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں "ادبی معرکہ" کے عنوان سے درج کی گئی ہے۔

---

۵ انتخاب نقص صہ ۲۰۳

Marfat.com

خود نوشت سوانح عمری

نسّاخ نے اپنی حیات کے واقعات وحالات کو اس کتاب میں یکجا کیا ہے یعنی یہ کتاب نسّاخ کی "آپ بیتی" ہے۔ تقطیع ۶ × ۱۰½ ہے۔ صفحوں کے نمبر مصنّف کے ہاتھ کے نہیں دیئے ہوئے ہیں بلکہ لائبریری نے اپنی طرف سے پنسل سے صفحوں کے نمبر دیئے ہیں یوں تو بتایا جاتا ہے کہ اس کی ضخامت ۲۷۲ صفحے ہے لیکن صفحوں کے نمبر دینے میں ترتیب کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ بعض بعض جگہ صفحے سادہ ہیں اور اُن پر بھی نمبر شمار درج ہیں اور کہیں کہیں صفحوں کے بجائے ورق پر شمار دیا ہوا ہے۔

یہ "آپ بیتی" نامکمل ہے۔ کاتب کا نام اس پر درج نہیں ہے۔ اور نہ ہی کہیں تاریخ کتابت ہی لکھی گئی ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نسّاخ کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے مگر اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نسّاخ نے ابھی اپنی "آپ بیتی" مکمل بھی نہیں کی تھی کہ پیغام اجل آپہنچا"

یہ کتاب ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں ایشیاٹیک سوسائٹی آف بنگال لائبریری کلکتہ میں موجود[۱] ہے کاغذ ارولی ہے اور خط نستعلیق ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں ہیں۔ کتاب کے آخر میں تھوڑے سے اوراق سادہ ہیں "کے" اور "کی" کے لکھنے میں کوئی فرق نہیں برتا گیا ہے۔ اشعار کے لئے خالی جگہ پڑی ہے۔ ممکن ہے کہ طباعت کے وقت اشعار یا خالی غزل کی جگہ

۱؎ مخطوطہ سکشن نمبر ۹۷۰، فولیو ۱۸۲۔

Marfat.com

پُر کرنے کا اُن کا خیال رہا ہو۔

نسّاخ نے اپنی "سوانح عمری" کا اعلان "ارمغانی" کے سرورق پر کر دیا ہے مگر یہ ہنوز حلیہ طبع سے مزّین نہیں ہو سکی ہے۔

اسباب تصنیف کے متعلق نسّاخ لکھتے ہیں:۔

"خاکسار عبدالغفور متخلص بہ نسّاخ ڈپٹی کلکٹر ڈھاکہ برادر خرد نواب عبداللطیف خاں بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ وزیر ریاست بھوپال۔۔ حسب خواہش احباب اپنی زندگی کے مختصر حالات و سوانح اس رسالہ میں درج کرتا ہے[1]"

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس کتاب میں کوئی تاریخ ترتیب درج نہیں۔ لیکن مندرجہ بالا سطروں میں ہی ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے اس "آپ بیتی" کی تحریر کے زمانے کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ نسّاخ نے دو باتیں لکھی ہیں "ڈپٹی کلکٹر ڈھاکہ" اور "نواب عبداللطیف سی۔ آئی۔ ای۔ وزیر ریاست بھوپال"۔

نسّاخ ڈھاکا میں مختلف اوقات میں ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے۔ اسی قسم کے ایک تقرّر کے متعلق وہ لکھتے ہیں:۔

"۔۔۔ کلکتہ میں آیا معلوم ہوا کہ میری بدلی ڈھاکہ میں ہو گئی۔ چنانچہ ڈھاکا کو گیا اور ۳۱ ماہ دسمبر ۱۸۸۵ء کو چارج لیا اور کام شروع کیا۔ گیارہ یا بارہ جنوری ۱۸۸۶ء کو بھوپال سے جناب اخوی صاحب قبلہ نے مجھ کو تار دیا کہ وہ قائم مقام وزیر ریاست بھوپال مقرر ہوئے[2]"

نواب عبداللطیف کے اس تقرّر کے متعلق براڈلے برٹ (BRADLAY BIRT) لکھتے ہیں:۔

"تقریباً فوری نوٹس پر ۱۸۸۶ء میں نواب عبداللطیف سے سرکاری طور پر

---

[1] خود نوشت سوانح عمری نسّاخ صد ۱-۲

[2] خود نوشت سوانح عمری نسّاخ صد ۲۲۲-۹۔

Marfat.com

استدعا کی گئی کہ وہ بھوپال روانہ ہو جائیں تاکہ ریاست کے وزیر اعظم کی اہم ذمہ داریوں کو سنبھالیں[۱]"
براڈلے سے سن لکھنے میں سہو ہو گیا ہے۔ یہ سن تقرر ۱۸۸۶ء نہیں بلکہ ۱۸۸۵ء تھا
چنانچہ ابوالفضل نور محمد اپنی بنگلہ کتاب "نواب عبداللطیف" میں لکھتے ہیں:۔
"۱۸۸۵ء میں عبداللطیف نے ریاست بھوپال کے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا[۱]"۔
دی محمڈن نے بھی دسمبر ۱۸۸۵ء ہی لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔
"۔۔۔ دسمبر ۱۸۸۵ء میں نواب صاحب تقریباً ایک دن کے نوٹس پر کلکتہ سے وزیر اعظم کا عارضی عہدہ سنبھالنے کے لئے بھوپال روانہ ہوئے[۲]"
نساخ کی "آپ بیتی" بھی اس سال کے واقعہ سے آگے نہیں بڑھتی۔ اصل واقعات اور حالات کا یہیں خاتمہ ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ حال معلوم ہوتا ہے تو یہ کہ نساخ ۱۵ فروری کو منشی گنج میں صرف تین ہفتے کے لئے ڈپٹی کلکٹر ہو کر گئے اور بس۔
جیسا کہ قبل لکھا گیا ہے کہ نساخ نے اپنی سوانح عمری کی تصنیف کا ذکر "ارمغان" کے سرورق میں کر دیا تھا اور "ارمغان" کا سال ترتیب ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء اور سال طباعت ۱۳۰۴ھ مطابق نومبر ۱۸۸۶ء ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ نساخ کی سوانح عمری اپنے آخری مراحل میں چھپنے کے قریب تھی مگر ناگزیر حالات کے باعث نساخ اسے مکمل

۱۔ براڈلے برٹ کے الفاظ یہ ہیں: "Almost at a moment's notice in December 1886, he (Nawab Abdul Lateef) was asked officeally to proceed to Bhopal to under take the important duties of prime minister" PP 132 (Twelve men of Bengal in the 19th Century, 4th Edition, Calcutta)"

۲۔ نواب عبداللطیف (بنگلہ) مطبوعہ احمد بخشنگ ہاؤس۔ زندہ بہار ڈھاکا ص ۱۵
The press on the death of Late Nawab Abdul Lateef (PP. 134)

کرسکے اور نہ یہ طبع ہی ہو سکی۔ لہٰذا ان بیانوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نساخ کی یہ خود نوشت سوانح عمری ۱۸۸۶ء میں مرتب ہوئی اور اس کی ترتیب کا مہینہ زیادہ سے زیادہ فروری سے اکتوبر تک ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ فروری ۱۸۸۶ء کے حالات یا واقعات سے آگے کے حالات یا واقعات نہیں ملتے لہٰذا فروری یا مارچ ۱۸۸۶ء اس کی نامکمل "آپ بیتی" کا سال ترتیب قرار دیا جا سکتا ہے۔

نساخ نے "واقعات کے بیان کرنے میں کسی ترتیب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا ہے(۱)" اور نہ واقعات و حالات کے سلسلہ میں الگ الگ ترتیب، عنوان اور باب قائم کیا ہے بلکہ واقعات کا انحصار زیادہ تر یادداشت پر ہے اور اسی لئے جیسے جیسے واقعات یا کوائف زندگی یاد آتے گئے انہوں نے قلمبند کر لیا۔ اسی لئے بہت سے گوشے تشنہ ہیں۔ مثلاً اپنے خاندان کے بزرگوں میں حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت مہاجرؓ اور حضرت عبدالرحمان کے مختصر ذکر کے بعد عبداللہ البقرانی کا ذکر کرتے ہیں جو ۵۱۲ھ میں "دمشق" میں واصل بحق ہوئے اس کے بعد اپنے جد امجد شاہ عین الدین کا ذکر کرتے ہیں جو ۱۰۳۲ھ میں دہلی آئے۔ اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے اور نہ یہی بتایا گیا ہے کہ ان بزرگوں کا خاندان دمشق اور پھر بغداد کیسے آیا۔ اسی طرح قاضی عبدالرسول اور قاضی عبدالوہاب کے تذکرے کے بعد اپنے والد بزرگوار قاضی فقیر محمد کا ذکر کرتے ہیں اور کلکتہ میں ان کے قیام اور ذریعہ معاش کا اس سے پتہ چلتا ہے مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ عہدہ قضاۃ ان کے خاندان میں کتنی پشت تک قائم رہا۔ اپنے بچپن اور تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ مگر واقعات کا تسلسل قائم نہیں رکھا ہے۔ قاضی فقیر محمد کی دو شادیوں کا اور اپنے سوتیلے بھائیوں کا ذکر کیا ہے مگر بہن کو چھوڑ گئے۔ اپنی تعلیم کے مکمل تذکرے سے گریز کیا ہے اور یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ کب فارغ التحصیل ہوئے اور علم کہاں تک حاصل کیا۔ از قبیل بہت سے ایسے گوشے ہیں جن کو نساخ نے صاف نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی سوانح حیات میں بعض واقعات زندگی کو بے لاگ بیان کیا ہے اگرچہ

---

(۱) نساخ خود نوشت سوانح حیات کی روشنی میں نگار ماہ مارچ ۱۹۵۹ء صفحہ ۳۴، نقوش "آپ بیتی نمبر" صفحہ ۵۲۳

Marfat.com

اس پر خود ستائی کا خول بھی چڑھا ہوا ہے۔

نساخ نے بنگال و بہار کے اکثر و بیشتر علاقوں کے علاوہ لکھنؤ اور دہلی کا بھی سفر کیا۔ اور ان مقاموں میں سے بعض بعض جگہ کے لوگوں، رہن سہن اور عادات و اطوار کا بھی جائزہ اختصار سے تذکرہ لکھا ہے۔ مثلاً وہ بریسال کے مقدموں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''بریسال میں جتنے پیچیدہ اور مشکل مقدمات میں نے دیکھے آج تک ایسا مقدمہ کہیں دیکھا نہیں۔ وہاں جعل کی بڑی کثرت ہے[۱]''

لکھنؤ کے اشخاص کے متعلق ان کی رائے ہے:۔

''یہاں کے اکثر لوگ زبانی محبت بہت دکھلاتے ہیں لیکن دل میں کچھ نہیں ہے لکھنؤ کے لوگ باتیں خوب بناتے ہیں[۲]''

ڈھاکا۔ بریسال اور سلہٹ کے لوگوں کے متعلق نساخ لکھتے ہیں:۔

ڈھاکہ، سلہٹ، بریسال وغیرہ پورب کے ضلع کے لوگوں کو نہ خدا کا خوف ہے، نہ رسولؐ کا خوف ہے۔ نہ آدمیوں کا خوف ہے اور نہ محبت نہ مروت۔ زن و شوہر میں باپ بیٹی میں ماں بیٹی میں بھائی بھائی میں بہن بہن میں جو محبت ہونا چاہئے نہیں ہے۔ سب کو فقط روپے کی فکر ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ جو کچھ بھی ہو میرے ہاتھوں میں آوے اور دوسرے عزیز و اقربا میرے دست نگر ہوں۔ بیشتر لڑکے اپنے والدین کو ستاتے ہیں۔ بیشتر مرد اپنی زوجہ کے کابین کی فکر میں رہتے ہیں جب پاتے ہیں پھاڑ ڈالتے ہیں[۳]'' دلی میں وضع قطع کی تبدیلی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

'' ماہ اکتوبر سنہ ۱۸۸۵ء کو تین مہینے کی رخصت لے کر دہلی کو گیا۔۔۔۔ اس دفعہ جو گیا تو دیکھا کہ بعض بعض ہندو، مسلمان انگریزی کپڑے پہننے لگے ہیں[۴]''، غرض اس قسم کے سماجی حالات پس منظر کے طور پر ادھر ادھر پائے جاتے ہیں۔

۱؎ خود نوشت سوانح عمری نساخ ص۷ ۲؎ ایضاً ص۱۲۹ ۳؎ ایضاً ص۲۲۷
۴؎ ایضاً ص۲۲۲

Marfat.com

نساخ کی سوانح عمری سے ان کی معاشی تگ و دو، اُن کے زمانے کی مشہور ہستیوں کے نام، ان کے بعض شاگردوں کا نام اور زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا زمانہ، اُن کی (نساخ) مختلف علاقوں میں تبدیلیوں اور قیام کی مدت، دلی، لکھنؤ اور عظیم آباد کے سفر کا حال اُن کی کچھ تصانیف کی ترتیب کا مقام اور زمانہ، ان کی دیانتداری دایمانداری بعض عادات و اطوار، بزرگوں سے ان کی عقیدت، شاعری کے علاوہ بعض دیگر فنون کے سیکھنے کا حال معلوم ہوتا ہے۔ ایک بات عام طور پر پوری سوانح عمری میں یہ ضرور محسوس ہوتی ہے کہ نساخ کے لکھنے کا انداز تعلیانہ ہے اور اس سے خوئے خود پسندی کا ہر جگہ اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جس کی تعریف کرتے ہیں اس کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں مثلاً مدرسہ ہوگلی کے استاد رمضان اللہ (رمضان علی) کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"مولوی رمضان اللہ شرح ملا پڑھانے میں بے مثل تھے ان سے بہتر شرح ملا پڑھانے والا نظر نہیں آیا[1]"

اپنے اُستاد حضرت ضیغم کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

"... ایسا جامع کمالات آدمی نظر نہیں آیا بلکہ شاید ان کے عہد میں ساری دنیا میں ایسا آدمی نہ تھا۔ کوئی علم کوئی حرفہ کوئی فن نہ تھا جس میں ان کو معقول دخل نہ تھا وہ بہت سی باتوں میں کمال رکھتے تھے[2]"

مولوی نجف علی کے متعلق ان کے تاثرات ملاحظہ ہوں :۔

"سر آمد علمائے زمان مولوی نجف علی خان متخلص بہ خستہ باشندہ جھجر سے ملاقات ہوئی ان کو زبانِ عربی و دری میں ایسا دخل تھا کہ شاید ہند میں اور کسی کو نہ تھا آپکی تصنیفات میں سینکڑوں کتابیں ہیں ان میں سے "مقاماتِ حریری" کی بے نقط شرح اور شرح دساتیر موسوم بہ "سرنگ دساتیر" ہے[3]"

اس قسم کے تاثرات جگہ جگہ موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نساخ کی طبیعت

---

[1] خود نوشت سوانح عمری نساخ صنا۔ [2] خود نوشت سوانح عمری نساخ صفہ ۱۵

[3] ایضاً صلا

اعتدال پسند نہ تھی وہ اچھائی یا برائی کے اظہار میں اپنی حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور یہی چیز ان کی سیرت کے سمجھنے میں بڑی مددگار ثابت ہوتی ہے ان کی سوانح عمری سے ان کی ہمہ گیر شخصیت کا بھی اظہار ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی سوانح عمری میں ان تمام لوگوں کی ایک طویل فہرست دی ہے جن سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں اور جس جس جگہ ایسے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اس جگہ کا نام بھی لکھ دیا ہے جس سے ان ہستیوں کے قیام کا پتہ ملتا ہے۔

شاعروں، عالموں اور مشہور شخصیتوں کے علاوہ بعض علاقوں کے مشہور پھلوں کا بھی ذکر انہوں نے اپنی سوانح حیات میں کیا ہے مثلاً الہ آباد کے امرود، لکھنؤ کے خربوزے سلہٹ کے کینولے، اناس اور چائے، مونگیر بنگلہ کا کیلا امرت ساگر نامی وغیرہ۔

غرض یہ کہ ان کی سوانح عمری بعض فنی خرابیوں کے باوجود معلوماتی بھی ہے اور اہم بھی کیونکہ اس قسم کی سوانح عمری میں حقائق کا بے کم و کاست اور بے لاگ تجزیہ ملنا ممکنات سے نہیں اور جبکہ یہ سوانح عوام کی نظروں کے سامنے پیش ہو تو سوانح نگار اپنی ان برائیوں اور کمزوریوں کو ہرگز ظاہر نہیں کرے گا جن سے اس کی شخصیت کے نقوش پبلک میں جاکر مدھم پڑ جائیں۔ سوانح نگار کلی طور پر" نہ اپنے گناہوں کی صحیح فہرست پیش کر سکتا ہے نہ اپنا صحیح جج بن سکتا ہے[۱]"

نساخ کا بھی یہی حال ہے انہوں نے اپنی جن خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے اس سے ان کا بڑا پن ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سوانح عمری سے ان کے مصائب کا پتہ چلانا بہت ہی دشوار امر ہے۔ اسی لئے ہم اس سوانح عمری میں ان کے پرائیویٹ لائف کے وہ جلوے اور وہ نقوش جو ہر انسان کے ذاتی جوہر ہوتے ہیں اور جن کے لئے ہم "محتسب را درون خانہ چہ کار" کے مصداق دروازہ گھر کا بند کر دیتے ہیں، اس میں نہیں پاتے ہیں۔

نساخ کی تصانیف کے سلسلہ میں سید لطیف الرحمٰن صاحب نے "انصاب زبان اردو حصہ اول" کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

---

[۱] نقوش آپ بیتی نمبر ص ۶۱

Subject of Examination in the Oordoo Language appointed by the Senate of the Calcutta University for the L.A Examination of 1864. 1st part.

Edited by Capt, W, Nassawlees L.L.D

This Copy was printed for the Registrar of the Calcutta University, Calcutta printed at the College press, 1863.

"نصاب اردو۔ نسّاخ نے یہ کتاب کلکتہ یونیورسٹی کے نصاب کے لئے ترتیب دی تھی۔ یونیورسٹی نے اوّل ستمبر ۱۸۶۲ء میں چھپوائی۔ اس کتاب کے دو حصّے ہیں۔ حصّۂ نثر و حصّۂ نظم۔ حصّۂ نثر میں میرحسن کی مثنوی "سحرالبیان" کی فصیح و سلیس نثر ہے۔ حصّۂ نظم میں ذوق، مومن، قبول وغیرہ کی غزلیں اور سودا کے قصائد ہیں۔ حصّۂ نثر "بے نظیر" سے ماخوذ ہے۔"[1]

لیکن اس کتاب کے بائیں ہاتھ کے سرورق پہ انگریزی میں اس طرح لکھا ہوا ہے:-

انتخاب میں میرحسن کی مثنوی قصّۂ بے نظیر و بدرمنیر کا نثری قصّہ سید تہوّر حسین کا لکھا ہوا ہے۔ کتاب میں ۱۵۲ صفحات ہیں۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ نیشنل لائبریری کلکتہ میں موجود ہے اور میری نظر سے گزرا ہے۔ کتاب کے آخر میں اس طرح تحریر ہے:-

"الحمدللہ کہ یہ کتاب دلپذیر یعنی نثر بے نظیر اوّل ستمبر ۱۸۶۲ء کو دارالامارۃ کلکتہ میں چھپ کر تیار ہوئی۔ مصنف مذکور کی کتاب جوں کی توں نصاب میں داخل کردی گئی ہے۔" کتاب کے شروع میں سیّد تہوّر حسین کا دیباچہ بھی موجود ہے جس میں انہوں نے اس منظوم قصّے کو نثر کا جامہ پہنانے کے متعلق لکھا ہے مگر دیباچہ مکمل نہیں اور ابتدا کے

---

[1] "نسّاخ سے وحشت تک" صفحہ ۱۴۲-۱۴۱

Marfat.com

قصہ کے چند اوراق بھی اس نسخے میں موجود نہیں ہیں :۔

اس کتاب کا ایک اور نسخہ ڈھاکا یونیورسٹی لائبریری (حبیب الرحمٰن کلکشن) میں بھی موجود ہے۔ اس کے بائیں ہاتھ کے سرورق پر اس طرح لکھا ہوا ہے :۔

The Nusr-i-Bi-Nuzeer, reprinted for the use of the Junior members of Her Majesty's Indian Civil and military Services Second Edition, revised and corrected by W. Nassau lees. LL.D. Member and Secretary of the board of Examiners. This book is one of the best books for a certifecate of high proficiency in oardoo] Calculate printed at the College press, 1862.

ان دونوں نسخوں میں نساخ کا نام کہیں بھی مذکور نہیں جبکہ "نصاب زبان اردو" حصہ دوم میں سرورق پر ان کا نام موجود ہے۔ لہٰذا تیقن کے ساتھ اس کتاب کو بھی نساخ کی تصانیف و تالیفات میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ پتہ نہیں سید لطیف الرحمٰن نے کس بنیاد پر اسے ان کی تصانیف میں شامل کیا حالانکہ بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اسے بھی ان کی تالیف میں شمار کیا جائے کیونکہ پوری کتاب کے پڑھنے کے بعد بھی کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی کہ جس کی وجہ سے اس کتاب کو نساخ کے نام سے منسوب کیا جا سکے۔

Marfat.com

باب دوم

عبدالغفور خاں نسّاخ کے ادبی معرکے

نسّاخ نے مرزا سلامت علی دبیر اور میر ببر علی انیس کے مرثیوں کے بعض شعروں پر اعتراض کیے۔ اور ان بزرگوں کی فنّی، عروضی نیز زبان و محاورہ، ترکیب الفاظ، معانی و قواعد وغیرہ کی غلطیاں نکالیں اور اسے ایک رسالے "انتخاب نقص" کی شکل میں ۱۲۹۶ھ میں نظامی پریس کانپور سے طبع کرایا۔ ان کا یہ انتقادی کارنامہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اور اس سے نسّاخ کی زبان دانی اور فنِ شاعری سے گہری واقفیت کا پتا چلتا ہے۔

نسّاخ کے اعتراضات کے محرکات کیا تھے اس سے بحث کی جا چکی ہے۔ پورے رسالے کے بغور پڑھنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ ان کے اکثر اعتراضات اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن بعض اعتراضات ایسے بھی ہیں جو کمزور بلکہ اعتراض برائے اعتراض کی نوعیّت کے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا دبیر اور میر انیس کے مرثیوں کا جو مجموعہ نسّاخ کے زیرِ مطالعہ تھا اس میں کتابت اور طباعت کی بھی غلطیاں تھیں۔ نسّاخ نے ان اغلاط کو بھی مصنّفین کے سر منڈھ دیا ہے بہر کیف ذیل میں ان تینوں اقسام کے چند نمونے دیے جاتے ہیں۔

(الف) وہ اعتراضات جو نسّاخ نے میرزا دبیر پر اعتراض برائے اعتراض کیے ہیں:۔

(۱) یثرب میں کئی سال سے رہتی تھی میں دکھیا ۔۔۔ چھوڑے ہوئے یثرب کو اک عرصہ مجھے گذرا

ہم دیکھیں گے آج عالمِ ہستی کے طبق کو ۔۔۔ کرتے ہیں نبیؐ آج وصی نائب حق کو

اعتراض:۔ "اوّل شعر میں عرصہ کا عین دوسرے شعر میں عالم کا عین ۔۔۔۔ تقطیع میں گر جاتا ہے حالانکہ عین کا گرانا جائز نہیں۔"

Marfat.com

اردو میں "ع" کا تلفظ عموماً عربی قاعدے پر نہیں کرتے۔ بلکہ "ع" کی آواز "الف" کی ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عندلیب شادانی فرماتے ہیں :۔

"اردو فارسی میں "ع" کا لفظ "الف" کے مطابق ہوتا ہے[1]"۔

مولانا شبلی فرماتے ہیں[2] :۔

"حرفوں کا تقطیع میں گرانا اگرچہ واقعی ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن اساتذہ کے ہاں کثرت سے اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ عزت شیرازی کا شعر ہے۔

"مرا پند خردمنداں بجانِ خود نمی آرد
بایں افسانہا مجنونِ عشق عاقل نمی گردد"

شعرائے اردو کے یہاں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں :۔

عالم حسن ہے عجیب عالم — چاہیئے عشق بھی اس عالم سے (میر)
لے گئے دنیا سے لوگ علم و عمل — دے گئے وہ جسقدر پیدا کیا (حفیظ)
کیا برائی ہے دبے پاؤں جو آؤ جاؤ — برقِ بے ہوز یب بدن پاؤں میں گھنگرو نہ ہے

حقیقت یہ ہے کہ اردو میں الف اور عین کی آواز میں کوئی فرق نہیں چند خواص کو چھوڑ کر اردو والے ہمیشہ آم اور عام کو ایک ہی طرح بولتے ہیں۔ مرزا دبیر فنِ عروض اور فنِ تقطیع سے ناواقف نہ تھے کہ موزوں اور ناموزوں میں تمیز نہ کر سکتے۔ اور کسی حرف کے گرنے کا انھیں احساس نہ ہوتا اور یہ بات کچھ مرزا دبیر ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اردو کے بہت سے اساتذہ کے یہاں "ع" اس طرح نظم ہوا ہے کہ اگر اسے الف کا ہم آواز نہ مانیں تو تقطیع سے گر جائے گا مرزا دبیر کے مذکورہ بالا اشعار میں "ع" کا گرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے "ع" کو الف کا ہم آواز مانا ہے اس لیے عین کے گرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا

(۲) لاشہ کے منھ کو دیکھ کے کہنے لگے سپاہ — بیچارگی کا وقت ہے اکبر خدا گواہ
ماں ہنگی گھر میں باپ یہاں نرغۂ سپاہ — یہ ریگ گرم اور یہ بدن نرم آہ آہ

---

[1] تحقیق کی روشنی میں صفحہ ۲۰۶۔ [2] موازنہ انیس و دبیر صفحہ ۲۸۶

Marfat.com

پر ہے جہاد میں یہ وہی بدرپے زوال　　　حقا کہ حق پہ لڑتے ہیں ہینگے جو خوش خصال

اعتراض :۔ "دوسرے اور تیسرے شعر میں "ہینگے" کے الفاظ جو واقع ہیں وہ مدت سے متروک ہیں۔ اردو فصحائے متاخرین نے اپنے کلام میں باندھنا موقوف کیا ہے"۔

ناسخ اور آتش کے زمانے میں اگرچہ زبان کو بہت کچھ صاف کیا جا چکا تھا پھر بھی بعض الفاظ ایسے تھے جن کا استعمال عام بول چال میں ہوتا تھا۔ اسی طرح کا یہ لفظ "ہینگے" بھی ہے۔ چنانچہ آتش نے اس لفظ کو شعر میں نظم بھی کیا ہے۔

اڑتا ہے شوق راحت منزل سے اسپ عمر　　　مہمیز کہتے "ہینگے" کسے تازیانہ کیا

(۳) غائب ہوا ہے خم سے فلاطون بھی دہل کر

قارون سے زمیں کہتی ہے دے باج نکل کر

اعتراض :۔ "نہیں معلوم فلاطون اور قارون کو کیوں تکلیف دی ہے۔ یہ غریب تو نہ پہلوان ہیں نہ بہادر، معاملات جنگ و جدال کو ان سے کچھ مناسبت نہیں"۔ اعتراض بیجا ہے۔ مصرعۂ اولیٰ میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ افلاطون مرتے وقت ایک مٹکے میں بند ہوگیا تھا۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ افلاطون بھی دہشت زدہ ہو کر اپنی پناہ گاہ یعنی مٹکے سے نکل بھاگا دوسرے مصرعے میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی بددعا سے قارون مع اپنے خزانوں کے زمین میں دھنس گیا تھا، شاعر کا مقصد یہ ہے کہ قارون کو زمین کے اندر بھی پناہ نہیں مل سکتی، اس لیے زمین اس سے کہتی ہے کہ اب تو نکل اور خراج ادا کر۔

(۴) گل ہے چراغ چشم ثریا مثال کا　　　ماتھا نواں فلک ہے شکوہ و جلال کا

اعتراض :۔ "اس شعر میں چشم کو ثریا لکھا ہے یہ کیسی تشبیہ ہے اگر چشم کو ثریا کہیے تو آنکھ معیوب ہو جاتی ہے"۔

اس شعر میں آنکھ کو مرزا دبیر نے معیوب ہی دکھایا ہے۔ یہ شعر تعریف چشم کور عبداللہ عفیف رضؓ میں ہے جو نابینا تھے۔ پورا بند اس طرح ہے۔

گل ہے چراغ چشم ثریا مثال کا　　　ماتھا نواں فلک ہے شکوہ و جلال کا

شہرہ ہے ان سفید بھنووں نے کمال کا　　　ہے رنگ بھی ہلال کا خم بھی ہلال کا

Marfat.com

مردم عبث ہیں آنکھوں کے یاں اشتیاق میں
ہوتے نہیں چراغ مہ نو کے طاق میں

(ب) کتابت کی غلطی :-

(۱) خامے کو سمجھ بید کا چابک پس ازارقام
حرفوں میں سے مانند عنقا اس کا اڑا نام

اعتراض :"عنقا کا عین تقطیع میں گر جاتا ہے ...... حرف ثانی لفظ عنقا کا متحرک نہیں ہے جیسا کہ مرزا صاحب نے قیاس کر کے لکھا ہے بلکہ عنقا بروزن فعلا با تسکین ہے"

یہ شعر اصل میں اس طرح ہے :-

خامہ کو سمجھ بید کا چابک پس ازارقام
خرجیں میں سے مانند عقاب اس کا اڑا نام

(۲) تیز بھائی کے لیئے تیغ جفا ہوتی ہے   کوئی نہیں پوچھتا ہے مجھ سے کہ کیوں روتی ہے

اعتراض :"اس شعر کے مصرع ثانی کے "کوئی" یا نہیں کے لفظ کو تخفیف کر کے بروزن تیز پڑھا جائے تو مصرع موزوں ہوگا حالانکہ ان دونوں کلموں میں ایک کلمہ بھی سبب خفیف میں داخل نہیں ہے اور کسی فصیح متاخر نے ان کلموں کو سبب خفیف قرار نہیں دیا پس مصرع ناموزوں ہے"

شعر اس طرح پر ہے[1] :-

تیز بھائی کے لیے تیغ جفا ہوتی ہے   پوچھتا کوئی نہیں مجھ سے کہ کیوں روتی ہے

(۳) کہتی تھی سکینہ قتل بابا دیکھا   بھیا علی اصغر کا خون میں لاشہ دیکھا
زنداں میں پھنسی اور طمانچے کھائے   اس تین برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

اعتراض :"اس رباعی کا دوسرا مصرع ناموزوں ہے"

دراصل رباعی اس طرح ہے[2]

---

[1] مرثیہ مرزا دبیر مطبوعہ نولکشور پریس کانپور بار چہارم صفحہ ۱۴۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۴۶

Marfat.com

کہتی تھی سکینہ خیمہ جلتا دیکھا — خنجر کو گلوئے شہ پہ چلتا دیکھا
زخمی ہوئے کان اور طمانچے کھائے — اس تین برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

میں تو اسے کہتی کہ سر سرورِ دیں ہے
پر فرق یہ ہے ریش سفیدان کی نہیں ہے
نام ان کا جوانانِ نبی عرش نشیں ہے
شیروں کا ہے وہ شیر حسینوں کا حسیں ہے

اعتراض:۔ "تیسرے مصرع میں جوانانِ نبی کا لفظ بصیغۂ جمع نسبت شخصِ واحد کے لکھنا مہمل و بے معنی ہے۔

اصل میں "جوانانِ نبی عرش نشیں" کی جگہ "جوانوں میں شہ عرش نشیں ہے تھا"

میں تو اسے کہتی کہ سر سرورِ دیں ہے
پر فرق یہ ہے ریش سفیدان کی نہیں ہے
نام ان کا جوانوں میں شہ عرش نشیں ہے
شیروں کا ہے وہ شیر حسینوں کا حسیں ہے[1]

شیریں ادا وہ رخش پر بیدرد ہے رہرواں
کوڑے کا دھیان لائے جو راکب تو یہ کہاں

اعتراض:۔ "اگر لفظ رہرواں منادی ہے تب بھی بہ قاعدۂ اردو جائز نہ ہو گا۔ رہرواں یعنی رہرو کے نہیں آیا ہے اور جمع رہرو اگر کہیئے تو مقام اس کا نہیں"۔

شعر مطبوعہ کلام میں اس طرح ہے:۔

شیریں ادا وہ رخش پر بیدرد ہے زیرِ راں
کوڑے کا دھیان لائے جو راکب تو یہ کہاں

اس قسم کی غلطیاں اور بھی ہیں۔

---

[1] مرثیہ مرزا دبیر مطبوعہ نولکشور پریس کانپور، بار چہارم صفحہ ۸۸

Marfat.com

(ح) صحیح اعتراضات :۔

ناگاہ مخاطب ہوا یوں خالق سبحاں !
موسیٰ مرا اک دوست ہے مابینِ بیاباں
یا علی کہتا تھا جب یاورِ شاہ کونین !
جان نہ اس شوق سے رہتی تھی بدن کے مابین
بابا کا لہو پہلے تو چہروں پہ لگایا !
پھر دونوں نے مابین گلیم ان کو لٹایا

اعتراض :۔" ان شعروں میں مابین کے معنی صرف درمیان کے لیے گئے ہیں۔ یہ برخلاف لغت و محاورہ کے ہے کیونکہ دو چیزوں کے درمیان میں جو چیز ہو اس کی نسبت مابین کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔"

نسّاخ کا اعتراض درست ہے۔ ڈاکٹر شادانی صاحب لکھتے ہیں[1] :۔

" ..... ' مابین ' کے معنی فقط ' میں ' (فارسی در اور عربی فی) ہرگز نہیں "

(۲) ہوتا ہے عقد فاطمہؓ سے بوتراب کا !
کس ماہتاب سے ہے قران آفتاب کا
سبطین شہ قلعہ شکن آتے ہیں رن میں
سرتاج شجاعانِ زمن آتے ہیں رن میں
اللہ کی قدرت کے چمن آتے ہیں رن میں
گویا کہ حسین اور حسن آتے ہیں رن میں
حیراں ہیں بشر رن میں ملک چرخ بریں پر
ہے آج قرانِ مہ و خورشید زمیں پر

اعتراض :۔" ان شعروں میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے عقد کو اور دو

---

[1] تحقیق کی روشنی میں صفحہ ۲۸۴

Marfat.com

صاحبزادوں کے جنگ میں جانے کو قران مہر و ماہ سے تشبیہ دی ہے یہ نہایت بے جا ہے کہ تمام اہلِ نجوم کا اس پر اتفاق ہے کہ مہر و ماہ کا قرانِ منحوس ہوتا ہے اور اس قران کا نام منجموں کی اصطلاح میں اجتماع اور ہیئت میں محاق ہے"

اہل منجم کے عقیدے کے مطابق اگر مہر و ماہ کے قران کو منحوس مانا جائے تو یہ اعتراض درست ہے چنانچہ آتش لکھتے ہیں :۔

بچھوایئے نہ چاندنی میں بام پر پلنگ
منحوس ہے قران مہ و آفتاب کا

اور اگر صرف تشبیہ کو مدِ نظر رکھا جائے تو اعتراض کی کوئی بات نہیں ۔

(۳) شہ نے کہا کر دیوے گا اللہ سب آسان
ہاں کاغذ و داوات وقلم لاؤ تم اس آن
جب کاغذ و داوات وقلم سامنے آیا
کچھ شہ نے لکھا اور اسے سب سے چھپایا

اعتراض :" داوات کی دال کے بعد الف کیسا اور کون سی لغت میں اور کس استاد کے کلام میں آیا ہے ۔ اگر کہیئے کہ جہلائے ہند داوات کہتے ہیں تو وہ لفظ ہندی ہوگیا۔ فارسی ترکیب میں نہیں آسکتا۔

اعتراض درست ہے۔

(۴) بھائی حسن ہے باپ تمھارا ہے مرتضیٰ
حسب و نسب سے آپ کے پر ہم کو کام کیا

اعتراض :" حسب بسکون ثانی اس معنی میں کہیں نہیں آیا بلکہ بفتح ثانی نسب کے وزن پر ہے حسب بسکون ثانی وفق اور طبق کے معنی میں ہے۔

اعتراض صحیح ہے۔

(۵) اس شب کا راویوں نے لکھا ہے یہ ماجرا
بے آب اور طعام تھے سب آلِ مصطفےٰ

Marfat.com

اعتراض :۔" اس شعر میں جو بے آب اور طعام کا لفظ ہے اس طرح کی ترکیب کا لکھنا اردو میں جائز نہیں کیونکہ بے آب مرکّب لفظ فارسی ہے اس کے بعد حرف عطف اور جو آیا ہے وہ ہندی ہے اس لیے معطوف علیہ کی نفی یا اثبات معطوف کے واسطے کفایت نہ کرے گی. بنا بر علیہ بے آب اور بے طعام با عادۂ حرف نفی یا بے آب و طعام بعاطفِ فارسی کہنا چاہیے۔"

اعتراض درست ہے ۔

میر انیسؔ کے مرثیے کے اشعار پر نساؔخ کے اعتراضات۔

(الف) اعتراض برائے اعتراض :۔

(۱) آمادۂ نبرد تھی دونوں طرف سے فوج
نہ غم میں بے قرار تھا شاہِ زناں کا زوج

اعتراض :۔" شاہ زناں کا لفظ فارسی میں آیا نہیں پس غلط ہے . شاید میر صاحب نے شاہ مرداں پر قیاس کر کے لکھا ہے حالانکہ وہاں مردان کے معنی مطلق رجال کے نہیں بلکہ مردان سے مراد مردانِ خدا و جوانمرد و اصحاب فاضلہ ہیں یا سیّدۃ انسا رکا ترجمہ کیا ہے۔"

شاہ زناں حضرت شہر بانو زوجہ حضرت امام حسینؑ کا لقب تھا. مرثیہ انیس جلد اول مطبوعہ نولکشور کانپور بار ششم ۱۹۱۵ء اور مطبوعہ نولکشور پریس بار ہفتم ۱۹۳۷ء میں حاشیہ پر شاہ زناں پر یہ نوٹ درج ہے :۔

" شاہ زنان لقب حضرت شہر بانو یزدجرد پدر آنحضرت بود و زوج بمعنی شوہر مراد از امام حسین علیہ السلامؑ ۔"

نساؔخ کا یہ اعتراض درست نہیں کہ میر انیسؔ نے شاہِ مرداں پر قیاس کر کے شاہ زناں کی ترکیب ایجاد کی ہے بلکہ شاہ زناں حضرت شہر بانو کا لقب تھا۔

(۲) یہ سن کے ضعیفہ کا لگا کانپنے اندام
بولی یہ بھلا آنے کا ہے کون سا ہنگام

ؔ مرثیہ انیس جلد اول صفحہ ۱۵۵

Marfat.com

اعتراض :" خوف وہراس کی جگہ اندام کانپنے لگے بصیغہ جمع بولا جاتا ہے اور جہاں اندام کا بافراد مذکور ہوتا ہے اس سے اور ہی اندام مراد ہوتا ہے خصوصاً اس مقام میں اندام کا لانا نامناسب ونا زیبا ہے"۔

لفظ اندام پر ناسخ کو دو اعتراض ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ اندام ایسے موقع پر بصیغہ جمع بولا جاتا ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اندام (واحد) کے معنی شرمگاہ کے ہیں اور یہ خیال بھی صحیح نہیں۔ مجرد اندام کے معنی شرمگاہ کے نہیں ہیں کہیں بطور کنایہ البتہ یہ مفہوم پیدا کیا جاسکتا ہے مگر اس شعر میں ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں۔

(۳) تھا بیچ میں ان لاشوں کے اک لاشۂ بے سر
گردن پہ نمایاں کئی جاگہ خطِ خنجر

اعتراض :" جاگہ کا لفظ مدتوں سے متروک ہے"۔

لفظ جاگہ متروک ضرور ہے لیکن انیسؔ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں :۔

" انیسؔ اپنے کلام میں شروع سے آخر تک اپنی روایات خاندانی پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ وہ جگہ کو جاگہ کہتے تھے اور اکثر آئیاں اور بجائیاں بھی بول جاتے تھے اور فخریہ کہتے تھے کہ یہ میرے گھر کی زبان ہے حضرات لکھنؤ اس طرح نہیں فرماتے۔[۱]"

(ب) کتابت کی غلطی :۔

(۱) ناگاہ بجا فوج عدو میں طبلِ جنگ
کھلنے لگے ہر صف میں علمہائے سیہ رنگ

اعتراض :" لفظ طبل لغت میں بسکون ثانی آیا ہے اس مصرعہ میں تحریک کس سند سے لکھا گیا ہے معلوم نہیں۔

شعر اس طرح پر ہے[۲]۔

---

[۱] لکھنؤ کا دبستان شاعری صفحہ ۶۹۵ ، [۲] مرثیہ انیس جلد ا مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ بار ہفتم ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۱۸

Marfat.com

ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دہلِ جنگ کھلنے لگے ہر صف کے علمہائے سیہ رنگ

(۲) اترا یہ سخن سن کے وہ کونین کا عالی خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی

اعتراض :"یہ کونین کا عالی محاورہ میں آیا نہیں اس کی سند چاہیئے۔"

شعر یوں ہے[1] :۔

اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی

(۳) تھا زیرِ زرہ گاؤ سر اس طرح کا بکتر خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جمدھر

اعتراض :۔گاؤ سر کے کیا معنی لفظ گاؤ سر زرہ کی صفت واقع ہو سکتا ہے نہ بکتر کی۔

شعر دراصل اس طرح پر ہے[2] :۔

اور زیرِ زرہ پہنے تھا اس طرح کا بکتر خنجر نہ اثر جس پہ کرے اور نہ جمدھر

(۴) قاسم سے بھی لو ہم کو چھڑاتا ہے مقدّر رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی مری دختر

اعتراض :"اس شعر میں ہوتی کی ہا تقطیع میں گر جاتی ہے یہ جائز نہیں۔"

شعر اس طرح واقع ہے[3]۔

قاسم سے بھی لو ہم کو چھڑاتا ہے مقدر رانڈ اب ہوئی اک رات کی بیاہی مری دختر

(ج) جائز اعتراضات :۔

رنگِ رخِ کفارِ عرب ہو گیا فق سے اک ضرب میں باطل کو جدا کر دیا حق سے

اعتراض :"رنگ فق سے ہو گیا محاورہ عوام کا ہے۔"

اعتراض درست ہے۔ فق سے ہونا محاورہ نہیں ہے۔ البتہ فق ہونا یا فق ہو جانا محاورہ ہے۔

(۲) شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں قاصر ہیں سخن سنج و سخن فہم و سخن داں

اعتراض :۔سحباں کی فصاحت البتہ مشہور ہے۔ وائل کی فصاحت کہیں سے ثابت

---

[1] مرثیہ انیس جلد اول مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ صفحہ ۲۰ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۵

[3] مرثیہ انیس جلد اول مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ صفحہ ۱۹۶

Marfat.com

نہیں۔ وائل ایک شخص کا نام ہے اس کی طرف قبیلہ بنو وائل منسوب ہے۔ اور سحبان اسی قبیلہ سے تھا۔

اعتراض درست ہے۔

(۳) مابین لحد ساتھ برادر نہیں جاتا بھائی کوئی بھائی کے لیے مر نہیں جاتا

اعتراض :۔ "اس شعر میں مابین کے معنی صرف درمیان کے لیے گئے ہیں یہ غلط ہے۔

اعتراض صحیح ہے مابین کے معنیٰ میں ا ہرگز نہیں۔

(۴) یاں تیغ جگر بند علی میان سے نکلی کس زرق سے کس برق سے کس شان نکلی

اعتراض :۔ توابع کا جدا ہونا جائز نہیں پس زرق و برق کو جدا کرنا ناجائز اور غلط ہے۔

اعتراض صحیح ہے۔

رسالۂ "انتخاب نقص" ناسخ کے تنقیدی شعور کا ثبوت ہے اور اس سے اس دور کے تنقیدی نظریے پر روشنی پڑتی ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ رسالہ اردو تنقید کے ارتقاء کی یقیناً ایک اہم کڑی ہے

"انتخاب نقص" کے اعتراضات کے متعلق مولانا وحشت مرحوم نے لکھا تھا۔

" اعتراضات کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ناسخ کی تحقیق پر بے اختیار دل سے آفرین نکلتی ہے۔ وسعت نظر، نکتہ فہمی، استعدادِ علمی کس کس کی داد دیجیے۔ قریب قریب سب اعتراض بجا اور برمحل ہیں[1]۔"

لیکن مسیح الزماں صاحب کے خیال کے مطابق "انتخاب نقص" سے پتہ چلتا ہے کہ ناسخ شاعروں کا کلام ہمدردی اور لطف کی نظر سے نہیں پڑھتے بلکہ بیشتر نکتہ چیں کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور غور و فکر سے کام لینے کے بجائے اعتراض کرنے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں[2]۔"

مسیح الزماں صاحب کا یہ خیال درست نہیں جس دور میں ناسخ نے اعتراضات کیے تھے اس دور کا تنقیدی شعور یہی تھا۔ اور ناسخ نے اپنے دور اور ماحول کی مطابقت سے میرزا دبیر اور میر انیس کی غلطیاں [illegible] ہیں اور یہ ان کا اہم کارنامہ ہے کہ انھوں نے ان غلطیوں سے عوام

---

[1] اردوئے معلیٰ اکتوبر نومبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۲

[2] اردو تنقید کی تاریخ جلد اول صفحہ ۲۱۳

Marfat.com

کو روشناس کر کے ادبِ اردو کی خدمت کی اور بیجا پیروپرستی کی وبا میں خوب نشتر لگے۔ یہی نہیں ان کی اس جرأت سے ان کی بے باکی اور بے خوفی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ ناقد کا کام بھی یہی ہوتا ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرے۔ ان اعتراضات سے انیسؔ و دبیرؔ کی بزرگی اور فن پر کوئی برا اثر پڑا اور نہ نساخؔ کی کینہ توزی کا اظہار بلکہ حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ لکھنؤ کے ادیبوں نے نساخ اور ان کے اعتراضات کے ساتھ جیسا کا برتاؤ کیا وہ درحقیقت ناقد کے شایانِ شان نہ تھا۔

نساخؔ کے اعتراضات اکثر و بیشتر صحیح ہیں اور ان کے اعتراضات نے لکھنوی شعرا کے ایوان شاعری میں ایک بھونچال پیدا کر دیا۔ بات بھی تھی حیرت انگیز۔ لکھنوی شعرا، اردو کو اپنی ملکیت سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک پورب کے باشندے زبانِ اردو سے ناآشنا تسلیم کیے جاتے تھے چنانچہ ایک پوربیئے کی ضرب کو وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔

مسیح الزماں صاحب لکھتے ہیں:۔

"انتخاب نقص کی اشاعت سے لکھنؤ میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ لوگ اس کے اعتراضات سے کافی متاثر ہوئے۔ بیٹھکوں اور کوچوں میں اسی کا چرچا ہونے لگا اور کافی لوگوں نے اس کے جوابات لکھ کر شائع کرائے۔ یہ تمام رسالے تقریباً ایک ہی وقت میں شائع ہوئے کیونکہ ان میں سے کسی کے مطالعے سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ ان کے مصنف کے علم میں انتخاب نقص کا کوئی اور جواب بھی ہے[1]"

انتخاب نقص کے جواب میں پہلا رسالہ "تطہیر الادساخ لنسخ النساخ" تھا۔ اس رسالے کے مصنف محمد رضا معجزؔ ناسخؔ کے شاگرد تھے۔ معجزؔ کا یہ رسالہ شعلہ طور پریس کانپور سے ماہ رمضان المبارک ۱۲۹۶ھ میں شائع ہوا۔ یہ رسالہ ۱۵ صفحوں پر مشتمل ہے اور مصنف کا دعویٰ ہے کہ:۔

"بحمد اللہ این اولین ردّیست کہ سبقت در طبع یافتہ[2]"

اس رسالے کا ایک مطبوعہ نسخہ اورینٹل لائبریری خدا بخش خاں بانکی پور میں بھی موجود ہے جو ناقص الاول ہے اور میری نظر سے گزرا ہے۔

---

[1] اردو تنقید کی تاریخ پہلی جلد صفحہ ۲۱۸ [2] تطہیر الادساخ لنسخ النساخ صفحہ ۱۵

Marfat.com

دوسرا رسالہ منشی مظفر علی ہنر نے "ردِ ناسخ وجواب انتخاب نقص" کے نام سے لکھا تھا جس کے متعلق نظم طباطبائی صاحب لکھتے ہیں :-

" انھوں نے ردِ ناسخ میں ایک کتاب لکھی صولت نے اس کی تاریخ میں یہ مادہ (کامل کو جو ناقص کہے خود ہوگا وہ ناقص) بہت بے تکلف نکالا ۱۲۹۹ھ منشی ہنر صاحب نے وہ ساری کتاب اوّل سے آخر تک مجھے بھی سنائی تھی۔ بہت ہی دندان شکن جواب تھے۔ افسوس ہے کہ چھپی نہیں اس کے تھوڑے دنوں بعد ان کے مکان میں آگ لگ گئی اور ساری محنت ان کی تلف ہوگئی[1]"

تیسری کتاب "سنانِ دلخراش" لکھی گئی، یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری ۔ اور تلاشِ بسیار کے باوجود بھی میں اس کا پتہ نہ چلا سکا۔ اس کتاب کے متعلق مسیح الزماں صاحب لکھتے ہیں:-

" ان تمام رسائل میں سب سے اہم "سنانِ دلخراش" ہے کیونکہ یہ منشی منیر شکوہ آبادی جیسے مشہور شاعر کے زورِ طبع کا نتیجہ ہے۔ اس کی ابتدا میں مرثیہ گوئی کی مختصر تاریخ دی گئی ہے اور اس کے بعد ناسخ کے اعتراضات کے جواب ہیں[2]"

مسیح الزماں صاحب نے اپنی کتاب میں مطبع کا نام اور سن طباعت نہیں لکھا ہے جس سے یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس میں کتنے صفحات تھے اور کہاں اور کس سال میں یہ کتاب چھپی تھی۔

ناسخ کے کلام پر سب سے پہلے اعتراضات "گستاخی معاف در ایراداتِ ناسخ" میں کیے گئے۔ اس کتاب کے مصنف سید مرتضیٰ ابن سید علی صاحب امروہوی متخلص بہ گستاخ ہیں۔ یہ کتاب شعلۂ طور پریس کانپور سے ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں چھپی تھی۔ اس کا ایک ناقص الآخر مطبوعہ نسخہ خدا بخش اورینٹل لائبریری بانکی پور میں موجود ہے اور میری نظر سے گزرا ہے۔

"گستاخی معاف" کے بعد دوسری کتاب "تفضیح" ہے۔ اس کے مصنف آغا علی ساکن لکھنؤ دوم مدرس مدرسہ عالیہ محمود آباد ہیں[3]۔ اس کتاب کا تاریخی نام "تفضیح" ۱۲۹۹ھ ہے۔ اور ماہ جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ میں اودھ پریس لکھنؤ سے اشاعت پذیر ہوئی تھی۔ اس کتاب کا حجم ۲۲۳ صفحے ہے۔ اور

---

[1] واجد علی شاہ اور ان کا عہد صفحہ ۸۸ [2] اردو تنقید کی تاریخ پہلی جلد صفحہ ۲۱۸۔
[3] تفضیح صفحہ ۲۔

Marfat.com

چار صفحوں پر مشتمل ضمیمہ متعلق صفحہ ۱۲۱ ہے۔ آخری صفحے پر عیش اور نفیس کے قطعات تاریخ ہیں۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ برٹش میوزیم میں اور مائیکرو فلم ڈھاکہ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ اور میری نظر سے گزرا ہے۔ اسباب تصنیف کے متعلق آغا علی لکھتے ہیں:

"اتفاقاً یہ خیال آیا کہ جب باخرد سخن سنج نے ایسے شعرائے نامی کے کلام سے انتخاب نقائص میں جسارت کی کہ جن کو ہندوستان کے فصحا مانے ہوئے ہیں۔ اس کا کلام دیکھنا چاہیے...... آپ کا کلیات منگایا...... دیکھا تو... چند منتخب غزلوں میں بھی کوئی غزل ایسی نہیں جس میں ایراد واعتراض کی گنجائش نہ ہو۔[1]"

اعتراضات مرغوب دل، شاہد عشرت، دفتر بے مثال، اشعار ناسخ اور چشمہ فیض پر کئے گئے ہیں تفضیح میں ناسخ کے اعتراضات کے جواب کہیں بھی نہیں دیے گئے ہیں۔

ناسخ کے کلام پر لکھنوی ادبا کے اعتراضات کے جواب میں ناسخ کے شاگرد ارشد مولوی عصمت اللہ انسخ نے طومار اغلاط لکھی جو ۱۲۹۷ھ میں میڈیکل پریس آگرہ میں طبع ہوئی۔ یہ ۶۴ صفحات کا رسالہ ہے اور ایک صفحہ غلط نامہ کا الگ شامل ہے۔ انسخ کا بیان ہے کہ "لکھنؤ کے چھ نامی شاعر یعنی جناب شیخ امام بخش ناسخ و خواجہ حیدر علی آتش و جناب خواجہ محمد وزیر و جناب وزیر علی صبا و جناب مفتی اسمٰعیل منیر و منشی امیر احمد امیر کے کلام میں بادی النظر میں جہاں جو نقص نظر آئے اس کو اس رسالے میں جمع کیا۔ اور نام تاریخی اس کا طومار اغلاط رکھا۔[2]"

اس کے مطبوعہ نسخے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال لائبریری کلکتہ اور ڈھاکہ یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں۔ اور میری نظر سے گذرے ہیں۔

طومار اغلاط کے جواب میں مولوی آغا علی مدرس مدرسہ ریاست محمود آباد نے ایک کتاب "جواب اعتراضات الملقب بہ تردید الایرادات" لکھی جو ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء میں اودھ پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ اس کا حجم ۲۳۲ صفحے ہے۔ اس کتاب میں انسخ کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور ضمناً ناسخ کے کلام پر اعتراضات بھی کیے گئے ہیں۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ خدا بخش خاں لائبریری بانکی پور

---

[1] تفضیح صفحہ ۳ [2] ایضاً صفحہ ۳

Marfat.com

میں موجود ہے اور میری نظر سے گذرا ہے۔

لیکن ایک بات ان اعتراضات اور جوابات سے ضرور ظاہر ہوتی ہے کہ لکھنؤی اساتذہ کا رویّہ معاندانہ رہا اور ذاتیات پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ جو تنقیدی نقطۂ نظر سے کچھ بھلا نہیں معلوم ہوتا کیونکہ نسّاخ نے انیسؔ اور دبیرؔ کی ذاتیات اور شخصیت پر کہیں بھی حملہ نہیں کیا۔ بالخصوص حضرت گستاخ اور آغا علی صاحب کا رویّہ نسّاخ کے ساتھ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ الشیخ نے البتہ نسّاخ کی روش سے ہٹ کر کچھ شوخ انداز ضرور اختیار کیا لیکن یہ انداز بھی ممکن ہے لکھنؤی اساتذہ کی روش پر بطور احتجاج اختیار کیا گیا ہو۔

بہرکیف "انتخاب نقص" کے طفیل میں ایک اچھا خاصا تنقیدی مواد ادب اردو میں داخل ہوا جو مستقبل کے تنقیدی ارتقا کی اہم کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اور ہمارے ادب کے عہد بہ عہد تنقیدی ارتقا کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور انیسویں صدی کے شعراء و ادباء کے تنقیدی شعور اور اندازِ نظر کے سمجھنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔

(ب) نسّاخ کے اعتراضات کے جوابات

(۱) رضا علی معجز (تطہیر الادساخ):-

اعتراضات کے جوابات کے ضمن میں بھی دو طرح کے جوابات آئے ہیں (۱) اعتراضات کے معقول جوابات (۲) اعتراضات کے بے جا جوابات۔

(۱) معقول جوابات:-

(۱) قاتل کی طرف دیکھ کے زینب نے سنایا
گردوں کی ستائی کو عبث تو نے ستایا

اعتراض نسّاخ:- دوسرا مصرع حضرت زینب کا قول ہے اور اس میں لفظ گردوں واقع ہے۔ حالانکہ عورتوں کے محاورہ میں کسی جگہ پر یہ لفظ نہیں آیا اور خوبی یہ ہے کہ جس لفظ کے ساتھ اس نے ترکیب پائی ہے وہ خاص بول چال عورتوں کی ہے حیرانی کی جگہ ہے کہ اس کو اجتماعِ ضدین

Marfat.com

کہا جائے یا صنعتِ ملمّع نام رکھا جائے غرضیکہ معنوں میں فتور نہیں لیکن ترکیب الفاظ فصحا کی شان سے بعید ہے اگر قسمت کی ستائی لکھ دیتے تو سب طرح مناسب تھا۔

جواب معجز:۔ قسمت کی ستائی ہرگز محاورہ نہیں فلک کی ستائی اور گردوں کی ستائی محاورہ ہے۔

معجز کا جواب درست ہے۔ صاحب نور اللغات لکھتے ہیں[1]:۔

گردوں کی ستائی...... یہ محاورہ گردوں اور فلک کے ساتھ مخصوص ہے۔ فلک کے ہم الفاظ کے ساتھ مستعمل نہیں۔

(۲) اعتراضات کے بے جا جوابات:۔

خاموش دبیر اب کہ ہے جی تن سے روانہ اللہ سے کر عرض کہ اے ربِ زمانہ

از بہرِ حسین و حسن اے خالقِ دانا جو مجھ سے جلیں تو انہیں دوزخ میں جلانا

اعتراض نساخ:۔ ان شعروں میں ربِ زمانہ اور دانا کا قافیہ جائز نہیں۔ بسبب مضاف الیہ ہونے لفظ زمانہ کے پس یہ قافیہ غلط ہے اور دوسرے مصرع میں ربِ زمانہ اور تیسرے مصرع میں خالقِ دانا بیکار و فضول ہے۔

جواب معجز:۔ مصرع ثانی بیت اول اس طرح ہے۔

کر عرض یہ حق سے کہ مخالف ہے زمانہ

جواب درست نہیں۔ یہ دونوں اشعار اسی طرح مرثیۂ دبیر جلد اول مطبوعہ نولکشور پریس کانپور بار چہارم دسمبر ۱۹۱۶ء میں صفحہ ۱۵۶ پر موجود ہیں۔ معجز نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جواب نہ پاکر خود ترمیم کردی ہے۔

تا سالِ ابد ہو نہ اس آئینہ کے تمثال برسوں میں بھی ہے کھینچنا اس شکل کا اشکال

اعتراضِ نساخ:۔ سالِ ابد کسی شاعر یا منشی کے کلام میں دیکھا نہیں اور نہ کسی صاحب علم یا عامی کو بولتے سنا اس کی سند چاہیئے۔

جواب معجز:۔ مصرع اول بیت اس طرح ہے۔

---

[1] نور اللغات جلد ۴ صفحہ ۲۶۲

Marfat.com

اس آئینہ کے تا بہ ابد ہوئے نہ تمثال

یہ جواب بھی معجز صاحب کی ترمیم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہی شعر اسی طرح مرثیہ دبیر مذکورہ بالا میں اب بھی موجود ہے۔

(۳) بھائی حسن ہے باپ تمھارا ہے مرتضیٰ

حسب ونسب سے آپ کے پر ہم کو کام کیا

اعتراضِ نساخ :۔ حسب بسکون ثانی اس معنی میں کہیں نہیں آیا بلکہ بفتح ثانی نسب کے وزن پر ہے اور حسب بسکون ثانی وفق وطبق کے معنی میں ہے۔

جوابِ معجز :۔ مصرع ثانی بیت اس طرح سے ہے۔

ہم کو حسب نسب سے تمھارے غرض ہے کیا

یہ مصرع بھی معجز صاحب کے کاوشِ دماغ کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے ورنہ یہ شعر بھی مطبوعہ نسخہ مذکورہ میں اسی طرح اب بھی موجود ہے۔

(۴) شہ نے کہا کر دیوے گا اللہ سب آسان ہاں کاغذ و داوات و قلم لاؤ تم اس آن

جب کاغذ و داوات و قلم سامنے آیا کچھ شہ نے لکھا اور لے سب سے چھپایا

اعتراضِ نساخ :۔ داوات کی دال کے بعد الف کیسا ہے اور کون سی لغت میں اور کس استاد کے کلام میں آیا ہے۔ اگر کہیئے کہ جہلائے ہند داوات کہتے ہیں تو وہ لفظ ہندی ہو گیا۔ فارسی ترکیب میں نہیں آسکتا۔

جوابِ معجز :۔ مصرع ثانی بیت اوّل اس طرح سے ہے۔

ہاں لاؤ تو قرطاس و دوات و قلم اس آن

اور مصرع اوّل بیت اس طرح ہے۔

جب سامنے قرطاس و دوات و قلم آیا

معجز صاحب کا یہ جواب بھی اور ترمیم شدہ مصرعے ان کی اپنی دماغی کوششوں کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں۔ اشعار مذکور مرثیہ دبیر حصہ اوّل مطبوعہ نولکشور پریس کا نپور بار چہارم ۱۹۱۶ء میں آج بھی اسی طرح موجود ہیں جس طرح نساخ نے اپنی کتاب "انتخاب نقص" میں درج کیا ہے۔

Marfat.com

مولوی نجم الغنی صاحب بحر الفصاحت میں لکھتے ہیں :-

"..... مولوی عبدالغفور نسّاخ انتخاب نقص میں لکھتے ہیں کہ داوات میں الف زیادہ ہے صاحب تطہیر الادساخ کہتے ہیں کہ مصرع یوں ہے ؎

جب سامنے قرطاس و دوات و قلم آیا

نواب سیّد جعفر علی خاں جعفر رئیس شمس آباد نے اپنے مطوّل خط میں مجھ کو لکھا ہے کہ میں ایسے جوابات کو پسند نہیں کرتا بہت پرانا مرثیہ ہے۔ اس وقت عموماً داوات کہتے ہوں گے۔ وہی مرزائے مرحوم نے بھی نظم کیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آئندہ کے مرثیوں میں ترک کر دیا ہے۔ دبیر ایک ہی دن میں دبیر نہیں ہوئے بارہ برس کے تھے کہ ضمیر مرحوم کے شاگرد ہوئے استاد بھی کم علم تھے لہٰذا ایسی غلطی کا سرزد ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔"[1]

اعتراضات اغلاطِ مرثیہ میر انیس اور ان کے جوابات

(۱) معقول جواب :-

(۱) یہ سن کے ضعیفہ کا لگا کانپنے اندام　　بولی یہ بھلا آنے کا ہے کون سا ہنگام

اعتراض نسّاخ :- خوف و ہراس کی جگہ اندام کانپنے لگے بصیغہ جمع بولا جاتا ہے اور جہاں اندام کا بافراد ہونا مذکور ہوتا ہے اس سے اور ہی اندام مراد ہوتا ہے خصوصاً اس مقام میں اندام کا لانا نہایت نامناسب و نازیبا ہے۔

جوابِ معجز :- مقام خوف و ہراس میں اندام کا کانپنا بافراد میر مظفر علی اسیر کے دیوان مطبوعہ "گلدستہ امامت" میں ملاحظہ ہو اسیر ؎

رعب چھایا ہے یہ جلاّدِ فلک پر آپ کا　　کانپتا ہے آج تک اندام یا مشکل کشا

نیزے سے تمھارے ہے عالم کو خطر آب تک　　خورشید کا کب لرزاں اندام نہیں ترا

انھیں اشعار سے ثابت ہے کہ مطلق اندام سے کوئی عضو خاص مراد نہیں ہوتا مگر اور بھی سندیں اساتذہ اردو و فارسی کے حاضر ہیں۔

خواجہ وزیر :- ہے آب و خاک صَنَم و ہوا میں بھی تفرقہ　　اس درجہ اضطراب میں اندام ہو گیا

---

[1] بحر الفصاحت صفحہ ۱۱۴۱

Marfat.com

سچ کہتے ہو کہ میں رگِ جاں سے قریب ہوں — تم روح بن گئے تو میں اندام ہو گیا

اسیر:- مثلِ تصویر ہے کیا غم ہمیں عریانی کا — کب ہے اندام سے پیراہنِ اندام جدا

انوری:- مجمع از محنت رات درد — ہمہ آتش لباس و آب اندام

اگر مطلق اندام سے عضوِ خاص مراد ہوتا تو یہ اساتذہ اس ترکیب سے نظم نہ کرتے بلکہ محاورہ میں جب عضوِ خاص کو بولتے ہیں تو باضافت بولتے ہیں مثل اندامِ نہانی وغیرہ کے۔

(۲) بچھی تھی ایک نور کی چادر جو دور دور — ہنستا تھا کہکشاں پہ یہ جادہ کو تھا غرور

اعتراضِ نسّاخ :- پہلے مصرع میں لفظ ایک اور لفظ دور دور دونوں حشو ہیں۔ ان لفظوں میں کچھ حسنِ عبارت ہے نہ لطفِ معنی بلکہ جب ایک چادر کہا گیا ہے تو لفظ دور دور جو بہ تکرار واقع ہوا ہے مہمل ہو جاتا ہے۔

جوابِ معجز :- اس مصرع میں لفظ ایک اور دور دور دونوں حشو نہیں ہیں۔ نہ مصرع مہمل ہے بلکہ مقصود قائل یہ ہے کہ ایک چادر نور کی دور دور تک بسیط تھی۔ یعنی ایک کا لفظ ساتھ دور دور کے افادہ معنی ترقی کرتا ہے۔ اور تکرار دور دور دال ہے اوپر وسعت و فسحت کے لہٰذا ایک کا لفظ اکثر محاورہ میں زائد آتا ہے اور مخلِ فصاحت نہیں ہے۔

چنانچہ آتش نے کہا ہے ؎

مُردے سے بدتر زا احوال مجھ مجنوں کا تھا — خانۂ زنجیر میں دن رات ایک شیون سا

میر ببر:- عجب شاہ کا دلدل بھی تھا سریع السّیر — کہ رخشِ ماہ کو اک داغ انفعال دیا

بعد تکرار دور دور لفظ ایک کا حذف کرنا عین محاورہ ہے آتش:-

ہر ایک شہر خریدار ہے دل و جاں سے — وہ جنسِ حسن ہی — تو ہے دور دور پسند

۲۔ جوابِ ناصواب :-

(۱) رنگِ رخِ کفّارِ عرب ہو گیا فق سے — اک ضرب میں باطل کو جدا کر دیا حق سے

اعتراضِ نسّاخ :- رنگ فق سے ہو گیا محاورہ عوام کا ہے۔

جوابِ معجز :- میر انیس مرحوم اور ان کے والد میر خلیق مرحوم اور ان کے دادا میر حسن مرحوم سب اپنے اپنے زمانے میں ممتاز و منتخب فصحائے اہلِ زبان میں تھے جو وہ کہہ گئے وہ محاورہ خاص سمجھنا چاہیئے۔

Marfat.com

اہلِ ڈھاکہ و بنگال کو کیا معلوم کہ فصحائے اہل زبان لکھنؤ کا کیا محاورہ ہے اور عوام کا کیا روزمرہ ہے اور کیسا ہے۔ مبالغہ برائے نام تخلص ہیں کریں۔ مگر بند تقلید سے آزاد نہ ہوں گے۔ بالفرض رنگ فق سے ہو گیا عوام کا محاورہ ہے تو اس میں غلطی کیا ہے اور اغلاط کلام میں محسوب کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور شعرائے بھی الفاظ و محاورات عوام باندھے ہیں.... "

نسّاخ کا بھی یہی کہنا ہے کہ محاورہ عوام کا ہے غلطی خواہ کسی سے ہو وہ غلطی ہی میں شمار کی جائے گی۔ جواب مناسب نہیں۔

(۲) بس اے انیسؔ بس کہ دعا کا ہے یہ مقام ہو مغفرت خلیق کی یا ربِّ ذوالکرام

اعتراض نسّاخ:۔ اس شعر میں ذوالکرام کے کچھ معنی نہیں مہمل ہے کیونکہ کرام جمع کریم کی ہے نہ کہ کرم کی۔

جوابِ معجز:۔ مصرع ثانی یوں ہے ع

ہو مغفرت خلیق کی یا خالق الانام

یہ مصرع بھی معجز صاحب کی ترمیم کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مذکورہ نسخے میں اور مرثیۂ انیسؔ کے اس ایڈیشن میں بھی جو ۱۹۳۲ء میں ساتویں بار چھپا ہے۔ "ربِّ ذوالکرام" ہی لکھا ہوا ہے۔

(۳) شرمندہ زمانے سے گئے وائل و سحباں قاصر ہیں سخن سنج و سخن فہم و سخن داں

اعتراض نسّاخ:۔ سحباں کی فصاحت البتہ مشہور ہے وائل کی فصاحت کہیں سے ثابت نہیں ہے۔ وائل ایک شخص کا نام ہے اس کی طرف قبیلہ بنو وائل منسوب ہے اور سحباں اسی قبیلے سے تھا۔

جوابِ معجز:۔ مصرع یوں ہے ع شرمندہ زمانے سے گئے دعبل و سحباں

دعبل خزاعی شاعر عرب کا مشہور ہے اور اگر بالفرض وائل بھی کہا ہوتا تو کیا قباحت تھی مبالغۃً کہہ سکتے ہیں کہ وائل جو پدر قبیلہ تھا وہ بھی شرمندہ زمانے سے گیا۔ چنانچہ اردو میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے باپ سے کام ہو سکے گا۔ اگرچہ اس کا باپ اس کام میں مہارت نہ رکھتا ہو۔ لیکن مبالغۃً محاورہ ہے۔

انیسؔ نے ہرگز مبالغہ کے طور پر وائل کا نام نہیں لیا ہے جیسا کہ معجز صاحب کا خیال ہے اور نہ انھوں نے دعبل کا نام استعمال کیا ہے ورنہ اس اعتراض کے بعد ساتویں ایڈیشن میں بھی اس کی تصحیح ضرور کر دی گئی ہوتی دعبل ان کے دماغ کی اختراع ہے اور جواب ان کا درست نہیں۔

Marfat.com

(۲) منشی منیر شکوہ آبادی کی "سنانِ دلخراش" کی غیر موجودگی میں ان کے جوابات کے جو نمونے دستیاب ہو سکے ہیں وہی پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) دل تنگ آخر ہو گیا مجھ دل ملول کا — سیدھا ہوا نہ ہاتھ جناب بتول کا

اعتراضِ نساخ :- اول شعر میں ہو گیا کی ہا ...... تقطیع میں گر جاتی ہے حالانکہ ایسی "ہا" کا گرنا جائز نہیں۔ ہائے مختفی کا گرنا البتہ عروض میں جائز ہے۔ اور سوائے "دل ملول" کا لفظ فارسی زبان میں آیا نہیں۔

جوابِ منیر :- "دل ملول" پر جو شبہ کیا ہے کہ فارسی میں نہیں ہے بلا سے نہ ہو ...... ایسے چند الفاظ میاں مسکین کے زمانے سے اب تک مرثیے کے خصائص سے ہو گئے ہیں ...... اگر مرثیہ گویوں نے صرف مرثیے کے واسطے چند الفاظ مخصوص ٹھہرائے ہوں تو کیا جائے ردّ و انکار ہے[۱]"

(۲) ۱۔ ہند آئی جو یاں عقدِ شہِ جن و بشر میں — بچھی صفِ ماتم پسرِ ہند کے گھر میں (دبیر)

۲۔ گھر پہنچا تو زعفر نے کہا تخت اٹھاؤ — اب فرش کہاں کا صفِ ماتم کو بچھاؤ (انیس)

اعتراضِ نساخ :- "...... صفِ ماتم یہ الفاظ بہ ترکیب اضافی قاعدۂ فارسی کے ساتھ درست نہیں کیونکہ ان میں ایک لفظ ہندی ہے اور ایک عربی یا فارسی ہے اور ایسے الفاظ کی ترکیب ناجائز ہے مگر اعلام میں درست ہے۔ صف کا لفظ اگرچہ عربی ہے لیکن بوریا اور چٹائی کے معنی میں عربی اور فارسی میں نہیں آیا بس صف کا لفظ بہ معنی بوریا ہندی ہے اور اسی سبب سے لفظ ماتم کی طرف مضاف ہو نہیں سکتا۔

جوابِ منیر :- صف بچھانا ابتدائے مرثیہ گوئی سے الی الآن ڈیڑھ پونے دو سو برس سے مرثیہ گویوں نے اپنی اصطلاح مقرر کر رکھی ہے۔

"یہ جو فرمایا کہ ترکیب ہندی اور فارسی و عربی درست نہیں مگر اعلام میں ——— قاعدۂ مرقومہ والا مسلم مگر شعرا کو اس پر عمل واجب مرثیہ گو اکثر اس پر عمل کرتے ہیں کبھی نہیں کرتے[۲]"

---

[۱] منقول از اردو تنقید کی تاریخ صفحہ ۱۲۰ (پہلی جلد)

[۲] اردو تنقید کی تاریخ پہلی جلد صفحہ ۱۲۰، ۱۱۹

Marfat.com

(۳) گویا کہ تھا شبیہ علم سربسر نشاں ڈوبا تھا خوں سے پنجۂ پرنور اور نشاں

اعتراضِ نسّاخ :۔ اس شعر میں سربسر کا قافیہ اور آیا ہے یہ قافیہ غلط ہے کیونکہ اور بروزن در نہیں آیا بلکہ بروزن طور آیا ہے اور اس لفظ کو کسی شاعر نے در کے ساتھ قافیہ کیا نہیں اسکی سند چاہیئے۔

جوابِ منیرؔ :۔ اگر ہزار جگہ ایسا ہی لکھا ہوا دیکھیں گے جب بھی اربابِ انصاف اور واقفانِ حال کبھی نہ مانیں گے کہ میر انیس سا فصیح اہلِ زبان اور محاورہ داں یوں کہے کہ خون سے ڈوبا تھا۔ یہ تو وہ کہے جو روابط اور حرفِ صلہ سے واقف نہ ہو۔ میر انیس کے کلام میں اگر کہیں ضعفِ بندش احیاناً واقع ہوگا تو ضیقِ مقام اور دو دو سو بند کہنے سے ہوگا۔ یہ نہ ہوگا کہ باوصف گنجائش کے "میں" کی جگہ "سے" کہہ جائیں دوسرے ان کے غلام بھی "اور" کو "سر" کا قافیہ نہ کرتے[1]۔

ان نمونوں کے علاوہ منشی منیرؔ شکوہ آبادی کے جوابات کے نمونے مجھے نہ مل سکے۔ اس لیے ان کے جوابات پر یہاں تبصرہ کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔

(ح) نسّاخ کے کلام پر اعتراضات

جیسا کہ پیشتر ذکر کیا جا چکا ہے کہ نسّاخ کے رسالے "انتخابِ نقص" نے لکھنؤ اور بادکے یہاں ہیجان پیدا کر دیا تھا اور انتخابِ نقص کے جوابات کے علاوہ نسّاخ کے کلام کی تنقیص بھی کی گئی تھی۔ اس سلسلے میں اوّلیت گستاخی معاف مصنفہ سید مرتضیٰ صاحب گستاخ کو حاصل ہے۔

سید مرتضیٰ گستاخ کے اعتراضات (گستاخی معاف)

(۱) جائز اعتراضات :۔

۱۔ گیسوئے پر پیچ کا ہجراں میں بندھا ہے خیال لپٹی رہتی ہے مری گردن میں ہردم مارِ غم

اعتراض :۔ مار مذکر ہے مؤنث نہیں ۔۔۔۔۔۔ اگر مار کو جمع کیا ہے تو رہتے ہیں "چاہیئے" رہتی ہے کو مؤنث کے سوا اور کیا سمجھیں۔

---

[1] منقول از اردو تنقید کی تاریخ پہلی جلد صفحہ ۲۲۲

Marfat.com

اعتراض درست ہے ۔ مار مذکر ہے مؤنث نہیں ۔

(۲) خط اس محبوب گل رخسار نے اے دل جو منڈوایا
تو نے بھی حسن نے حجّام کے ہاتھوں بہارِ خط

اعتراض :۔ اہلِ شہر خط بنوانا اور ڈاڑھی منڈوانا کہتے ہیں ہاں قصباتی نوسیکھ البتہ خط منڈوانا کہتے ہیں ۔

اعتراض صحیح ہے محاورہ خط بنوانا ہی درست ہے ۔

(۲) بے جا اعتراضات :۔

(۱) کر نہ ہاتھ لگی بوسۂ دہن پایا میں رازداں تو ہوا لیک غیب داں نہ ہوا

اعتراض :۔ ان دنوں ادھر کے فصحا "لیک" نہیں کہتے "ہاں قصباتی کہتے ہیں ۔

اعتراض جائز نہیں نساخ نے اپنا طریقہ" زبان ریختہ" میں ظاہر کر دیا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں[1] ۔

"...... ابتدا میں بھی میرزا بھی اوائل فکر سخن سے اس امر کا خیال تھا کہ دہلی یا لکھنؤ کی زبان میں جو بات اچھی معلوم ہو اس کو اخذ کروں اور جو بات بری معلوم ہو اس کو ترک کر دوں چنانچہ ویسا ہی کیا ۔"

اپنے اسی مسلک کے مطابق انھوں نے ایسے الفاظ کا استعمال اپنے دیوان " دفتر بے مثال" میں جائز رکھا ہے ۔ جسے اہلِ لکھنؤ ترک کر چکے تھے ۔ مثلاً " آن کر" " ہووے" "لیک" وغیرہ ۔

(۲) وہ مل رہے ہیں پاؤں سے پرزوں کو پھاڑ کر
قاصد زہے نصیب ہوا پائمال خط

اعتراض :۔ پرزوں کا پھاڑنا آپ کا ایجاد ہے ۔

اعتراض غلط ہے پھاڑنا کا تعلق خط سے ہے پرزوں سے نہیں ۔

(۳) بوسہ نہ لوں گا وہم ہے نزدیک آئیں آپ کہنا ہے مجھکو کان میں کچھ سن تو جائیں آپ

اعتراض :۔ مصرع دوم بے معنی و مہمل ہے ۔

---

[1] زبان ریختہ صفحہ ۱۱۱

Marfat.com

معترض کو بتانا تھا کہ مصرع کیوں سہل ہے شعر صاف ہے اور روزمرّہ کا مصرع ہے۔

---

(۲) آغا علی (تردید الایرادات)

(۱) جائز اعتراضات:۔

(۱) ہر صاف دروں گرد ہے خوبانِ جہاں کی ہم صحبتِ شمع ہے اک عادتِ فانوس

شمع دلِ پُرسوز کے اندر ہے محفوظ

اب بادِ مخالف سے چراغ پرطاؤس

اعتراض:۔ "اک" شعرِ اوّل کے مصرعۂ ثانی میں اور "اب" شعرِ دوم کے مصرعۂ ثانی میں محض بے کار ہے۔

اعتراض درست ہے۔

(۲) کیا ہے سینہ و پہلو کو چھان کر روزن ہے نوکِ تیر مگر نوکِ خارِ حسرتِ دل

اعتراض:۔ یہ چھان کر روزن کرنا خلافِ محاورہ ہے۔ چھاننا خود روزن کرنے کے معنی میں مستعمل ہے۔

اعتراض جائز ہے۔

(۳) روز و شب کے حال کے پرچہ لگا دیتے ہیں رُز

یار کی ڈیوڑھی کے نقارے ہیں یہ شمس و قمر

اعتراض:۔ علاوہ تکرار کے "لگا دیتے ہیں" بھی غیر فصیح اور نہایت مستہجن ہے۔

اعتراض درست ہے۔

ہاتھ اٹھانے میں جو ہوتا ہے بغل گیری کا شک وصل کا دیتا ہے اب نسّاخ کو پیغام رقص

اعتراض:۔ یہاں "اب" محض فضول ہے بلکہ بدتر ازاں۔

اعتراض بجا ہے۔

بے جا اعتراضات:۔

(۱) نقش کیا کیا فتیلہ اور کہاں کا تعویذ عشق صادق ہے جو پوچھو تو ہے اچھا تعویذ

Marfat.com

اعتراض :۔ فتیلہ اردو میں فلیتہ کی جگہ ہرگز فصیح نہیں۔ گو یہ ازروئے لغت صحیح ہے مگر اردو میں فلیتہ ہی فصیح ہے۔ نظم و نثر اساتذہ میں بھی یہ لفظ یوں ہی آیا ہے۔ اور خاص و عام سب اسی طرح بولتے ہیں۔

عام لوگوں کی بول چال میں فلیتہ ضرور مستعمل ہے لیکن خواص فتیلہ ہی بولتے ہیں اور اگر فتیلہ صحیح نہیں ہوتا تو فتیل سوز، فتیلہ داغنا، فتیلہ سوز وغیرہ الفاظ صحیح نہ ہوتے۔ صاحب "نوراللغات" لکھتے ہیں:۔

"فتیلہ (اردو) مذکر۔ صحیح فتیلہ ہے۔ اردو میں زبانوں پر بیشتر فلیتہ ہے۔"[1]

(۲) لئے تھے وصل میں لعلِ شکرفشاں منہ میں — بنی ہے قندِ مکرّر مری زباں منہ میں

اعتراض :۔ یہ میں میں البتہ چھری کے لائق ہے۔

اگر "منہ میں" پر اعتراض ہے تو وہ میں میں نہیں ہے اور اگر ردیف "میں" پر اعتراض ہے تو سراسر مہمل ہے۔ "میں" کی ردیف میں اکثر اساتذہ کے یہاں غزلیں موجود ہیں۔

(۳) وہ قدر بے غضب کا بے کم و کاست — نساخ کی باتوں کی طرح راست

اعتراض :۔ بھلا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ راست گوئی کا کیا ثبوت ہے اور ایسی جگہ پر تو خودستائی بالکل اناڑی پن ہے۔

...... ایک جگہ حضرت ——— فرماتے ہیں ؎

راستی نساخ کا پیشہ ہے سچ ہے بقول ذوق

بھلا یہ قول باور کرنے کے لائق ہے۔ ایک تو خدا کے فضل سے شوقین ڈپٹی کلکٹر اور اس پر ادعائے شاعری پیشہ تو یہ اور ایں ہمہ دعویٰ راست گوئی۔

اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں شعرا خودستائی کرتے آئے ہیں۔ اور ہر شخص کو اپنے متعلق دعویٰ ہوتا ہے۔ خواہ وہ درست ہو یا غلط مثلاً غالب کا دعویٰ ہے ؎

صادق ہوں اپنے قول میں غالبؔ خدا گواہ — کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

---

[1] نوراللغات جلد چہارم صفحہ ۵۹۸

Marfat.com

(۳) آغا علی (تفضیح)

(۱) جائز اعتراضات

(۱) خط نے گھٹا دیا رخِ پُر نور کا فروغ   ہوتا ہے وقتِ شام زوال آفتاب کا

اعتراض: شام کے وقت آفتاب کے چھپنے کو غروب بولتے ہیں۔ زوال بعد دوپہر ہوتا ہے نہ وقت شام

اعتراض درست ہے۔

(۲) آفتابِ حشر کی مانند چمکے داغِ دل   روزِ ہجراں پر گماں روزِ محشر ہوگیا

اعتراض: ردیف نہیں کھپی۔ ہوا کا محل تھا گماں ہوگیا۔ خلاف محاورہ ہے۔

اعتراض جائز ہے۔

(۳) دھواں ہے زلف اور شعلہ ہے عارض   ترا قدِ رواں شمعِ رواں ہے

اعتراض: یہ سروِ رواں پر قیاس فرما کر شمع رواں ایجاد فرمائی گئی ہے۔ اس وقت تک تو شعرائے اردو زبان نے شمعِ رواں کو تکلیف نہیں دی تھی۔

اعتراض درست ہے۔

(۴) عشق ابرو میں لے نشتر دکھاتے جوہر   اپنے قبضے میں اگر خنجرِ براں ہوتا

اعتراض: مصرعہ اول میں حرف ندا فارسی ہے اس کی یائے تحتانی گر گئی یہ اسقاط شرع الشعر میں حرام ہے۔

اعتراض بجا ہے۔

(۲) بے جا اعتراضات:

(۱) اے ماہرو جلن جو مرے داغِ تن میں ہے   سوزش کب ایسی مہر کے داغِ کہن میں ہے

اعتراض: مہر کا داغ کہن نیا داغ ہے آج تک سنا نہیں۔

معترض نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصرعوں پر دھیان نہیں دیا۔ مہر کا داغ نیا داغ نہیں بلکہ اس کے ساتھ لازم ہے اور اسی داغ سے شاعر نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یعنی مہر کا داغ جو قدیم سے ہے اس کے اندر بھی ایسی سوزش نہیں جو میرے داغِ تن میں ہے اور داغ کہن کو

Marfat.com

پس منظر میں دکھا کر اپنے داغ تن کو چلمن میں افضل دکھایا ہے۔

(۲) غسل دینے کو ہے کافی چشم گریاں بعد مرگ   غم نہیں نساخ کو غربت میں کچھ غسال کا

اعتراض بعد مردن گریہ چشم محل نظر ہے۔

ہماری شاعری میں شاعر مرنے کے بعد بول بھی سکتا ہے تو رونے میں کیا قباحت ہے۔ یہ تو شاعرانہ مفروضات ہیں۔ غلطی کی اس میں کیا بات ہے۔ ناسخ لکھتے ہیں:۔

بجھنے کی دل کی آگ نہیں بعد مرگ بھی   ہوگا درخت گور پہ میری چنار کا

محمد رضا معجز نے بھی مراثی انیس و دبیر کے جوابات کے سلسلے میں نساخ کے کلام پر چند اعتراضات کیے ہیں۔ ان کے بھی ایک دو نمونے درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) مجھکو اور شوق چمن جوڑ نہ تہمت صیاد   کیا بہانے کی ضرورت ہے کر آزاد مجھے

اعتراض:۔ تہمت جوڑنا کہاں کے خواص کا محاورہ ہے۔

اعتراض غلط ہے۔ صاحب نور اللغات اور صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی تہمت جوڑنا محاورہ اپنی لغت میں درج کیا ہے۔ صاحب فرہنگ آصفیہ لکھتے ہیں:۔

تہمت جوڑنا۔ دھرنا۔ دینا۔ لگانا۔ یا۔ لینا۔

ہر ایک جوڑتی ہے مجھ پہ تہمتیں لاکھوں

کہے ہے مجھکو ہر اک ہے اسے کسی کا غم۔ (رنگین)[1]

(۲) درفشاں ہے ہر ایک فوارہ   ابر نیساں کو دھار پر مارا

اعتراض:۔ دھار پر مارنے کا محاورہ تو عوام کے روزمرہ سے بھی متجاوز ہے اور خاص او باشانہ بول چال ہے۔

اعتراض صحیح ہے۔

---

[1] فرہنگ آصفیہ جلد اول صفحہ ۶۴۶

Marfat.com

بابِ سوم

نسّاخ کی مختلف حیثیتیں :

(۱) شاعر ــ

تصانیف کے سلسلے میں نسّاخ کی شاعری کا تجزیہ کیا جا چکا ہے لہٰذا ان باتوں کی تکرار سے احتراز کرتے ہوئے صرف اسی قدر کہنا ہے کہ انھوں نے ماحول کے زیرِ اثر کبھی طرزِ لکھنؤ کی پیروی کی تو کبھی رنگِ دہلی کی۔ اسی لیئے دونوں دبستانوں کے خد و خال کے واضح نقوش ان کی شاعری (غزل ہو یا قطعہ، رباعی ہو یا سہرا) میں ہم پاتے ہیں یعنی لکھنوی شاعری کی جملہ خصوصیات مثلاً زیورات اور لباس کی تفصیل، محبوبہ کے اعضائے بدن کا تذکرہ، رشکِ ناہید کے رقص و سرود کا ذکر، داغِ جنوں، محیر العقول مبالغہ، توسل، ثقیل، مشکل اور غریب الفاظ کا استعمال، دور از کار مضامین کی تلاش، رعایتِ لفظی وغیرہ گویا ان کی اس طرز کی شاعری کاغذی پھولوں کا ایک گلدستہ ہے جس میں رنگ تو ہے مگر خوشبو کا کہیں پتہ نہیں اور رنگِ دہلی میں سادگیٔ زبان و بیان چست اور استوار فارسی ترکیبیں، داخلی جذبات کی عکاسی کے سلسلے میں بخت نصیبی، نالہ آہ و فریاد، دیدارِ یار کی تمنّا، وصل و نامرادی وغیرہ لیکن ان خصوصیتوں کے باوجود ان کی شاعری میں ایک چیز بری طرح کھٹکتی ہے اور وہ ہے شدّتِ احساس اور خلوصِ جذبات کا فقدان اور اسی کمی کی وجہ سے ان کی شاعری میں تڑپ نہیں۔ بات یہ ہے کہ نسّاخ کی پرورش جس ماحول میں ہوئی اس میں خود اس چیز کی شدید کمی تھی دوسرے نسّاخ کو نہ غمِ روزگار تھا اور نہ غمِ جاناں اور یہی وجہ ہے کہ ان کا دل بھی گداز نہ تھا اور اسی لیئے ان کی شاعری میں وہ کسک، وہ تڑپ اور وہ سوز ہم نہیں پاتے جو ایک دردآشنا کا خاصہ ہوتا ہے شاعر اپنے فن کا خالق ہوتا ہے لیکن فن کار جب تک اپنے فن میں اپنے محسوسات اور اپنے جذبات کو خلوص کے ساتھ پیش نہ کرے اس فن میں جان نہیں پڑ سکتی خواہ اس فن میں کتنا ہی دماغ سوزی سے کام لیا گیا ہو کیونکہ فن دماغ سوزی نہیں، دل سوزی اور جگر کاوی چاہتا ہے اور یہ چیز اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ فن کار نے اپنے تجربات و مشاہدات کو خونِ دل و

Marfat.com

جگر کی رنگینی دی ہو جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

یہی چیز نسّاخ کی شاعری پر بھی صادق آتی ہے۔ نسّاخ نے دماغ سوزی کی ہے لیکن دل سوزی اور جگر کاوی نہیں کی ہے۔ اپنے فن کو خونِ دل سے نہیں سینچا ہے اور اسی لیے ہم ان کی شاعری میں وہ بات بھی نہیں پاتے جو ایک چوٹ کھائے ہوئے دل کی تڑپ میں ہوتی ہے کیونکہ "از دل خیزد بر دل ریزد" لیکن جب کوئی بات دل سے نکلی ہی نہ ہو تو پھر دل پر بیٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ واردات قلبیہ اور وارداتِ محبت کے اشعار کی ان کے یہاں کمی ہے مگر اس میں آپ بیتی یا ذاتی احساس کو دخل نہیں ہے۔ یہ چیز ان کے یہاں محض رسمی طور پر آئی ہے کیونکہ نسّاخ وہبی شاعر نہ تھے بلکہ ایک کسبی شاعر تھے۔ ان کی شاعری ایک خاص ماحول میں پنپی اور جب پروان چڑھی تو مختلف قسم کے گل بوٹے کھلانے لگی۔

نسّاخ کی شاعری میں ایک کام کی بات ہم یہ پاتے ہیں کہ انھوں نے لکھنوی طرز کی بھی پیروی کی اور دہلوی انداز بیان کی بھی۔ اس آزادہ روی کے یہ معنی ہوئے کہ ان کے نقطۂ نظر سے کسی ایک دبستان کی پیروی لازمی نہیں۔

جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے کہ نسّاخ کو نہ غمِ روزگار تھا نہ غمِ جاناں یعنی نہ تو وہ معاشی مشکلات میں گرفتار تھے اور نہ عشق کی بلاؤں میں مبتلا۔ اس وقت کے لحاظ سے اعلیٰ عہدے پر فائز تھے اور انہیں گزران کے اچھے مواقع حاصل تھے۔ پھر شاہانہ ماحول جو ملا اس میں بھی انبساط و عیش کی فراوانی تھی یہی وجہ ہے کہ نشاطیہ عنصر اس وقت کے ماحول کے مطابق ان کی شاعری میں وافر پایا جاتا ہے اور یہ عنصر ان کی معاملہ بندی میں زیادہ جھلکتا ہے۔

معاملہ بندی کے موجد جرأت مانے جاتے ہیں لیکن جرأت کے یہاں اس قسم کی لذت پائی جاتی ہے جسے لمساتی یا حسیاتی کہہ سکتے ہیں مگر نسّاخ کی معاملہ بندی میں وہ ڈھکے چھپے پردے

Marfat.com

بیچ میں حائل نہیں رہتے۔ ان کے یہاں ہوس کا انتظار اور ہوس رانی کا کھل کر بیان ہے معشوق بھی اس شاد کامی میں برابر کا شریک نظر آتا ہے جو کبھی چٹکی لیتا ہے تو کبھی عاشق کی انگلیاں چٹکاتا ہے اور کبھی بالوں میں کنگھی کرتا ہے۔ نساخ کے یہاں جس عاشق کا ذکر ہے وہ بھی جذبۂ پاک اور عشق کے اسرار و رموز سے آگاہ نہیں بلکہ ہوس پرست ہے اور اسی لیے وہ کھینچا تانی اور دراز دستی سے لذت یاب ہوتا ہے۔

نساخ کی وقوع گوئی یا معاملہ بندی میں ٹھہراؤ نہیں۔ دبی دبی سی خواہش کا اظہار نہیں بلکہ لذتیت، ہم آغوشی، بوسہ بازی اور چوما چاٹی کا بیان علی الاعلان ہے اور اسی لیے معاملہ بندی میں نساخ کے یہاں عشق جنسی آلودگی کا ایک ذریعہ ہے جس نے ہوس، گرسنگی اور جنسیت کی آلائش پیدا کر دی ہے اور محبت کی پاکیزگی اور لطافت کو ختم کر دیا ہے۔ ذیل کے چند شعروں سے ان کے اس اندازِ فکر کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

کیوں سما جائے نہ ہر بند میں ان کی الفت
وصل میں انگلیوں کو میری وہ چٹکاتے ہیں

شرم پھر کس کی شبِ وصل میں گل کر دیں چراغ
سوزِ دل تو نہیں اپنا کہ چھپا بھی نہ سکوں

وہ پھنساتے ہیں نئے دام میں مجھ کو نساخ
وصل میں کرتے ہیں کنگھی جو مرے بالوں میں

اٹھے گا لطف بھلا کیا دراز دستی کا
شبِ وصال میں ان کو اگر حجاب نہ ہو

وصل کی شب کم رہی مستی لگانا چھوڑ دو
چھوڑنے کے ہم نہیں تم کو بہانا چھوڑ دو

آتے ہی جو ان سے پہلے بولے
از بہرِ خدا ذرا تامل

جو شب کو ان سے میں دیدار کا ہوا طالب
تو بولے پردے سے کچھ اور آرزو تو نہیں

Marfat.com

ساتھ ان کے سونے کی تدبیر ہے
کام لیں گے طالعِ بیدار سے
دیکھو لبِ لعل آئینے میں
پوچھو نہ ہماری آرزو کی
پھر دم میں ترے آتے ہیں کب ہوش میں رہ کر
تڑپا کرو تم وصل میں آغوش میں رہ کر

ابن ہاشمی صاحب لکھتے ہیں۔

"نساخ نے غالب کی نکتہ طرازی اور بلند پروازی اور جرأت کی معاملہ بندی اور اور دل پذیری کے بین بین ایک اسلوب اختیار کیا ہے ...... معاملہ بندی اور وقوع گوئی کی ہے لیکن کھنچی اور رکی ہوئی۔ یوں کہنا چاہیے کہ نساخ نے معاملہ بندی کو جرأت کی سطح سے ذرا بلند کر کے غالب کے مقام پر پہنچانا چاہا ہے"۔[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن ہاشمی صاحب نے حسرت موہانی مرحوم کے "انتخاب" کے علاوہ نساخ کے دیوان "ارمغاں" اور "ارمغانی" کا مطالعہ نہیں کیا ہے ورنہ ان کی یہ رائے نہ ہوتی۔

جرأت اور مومن کی وقوع گوئی سے نساخ کی معاملہ بندی اور وقوع گوئی اس معنی میں مختلف ہے کہ جن باتوں کو جرأت اور مومن نے رمز و کنایہ میں بیان کیا تھا۔ نساخ نے ان پردوں کو بھی اتار پھینکا اور جو کچھ کہا اس درجہ کھل کر کہا کہ بعض اوقات ان کے کلام میں ایسی سوقیت پیدا ہو گئی ہے جو مذاقِ سلیم پر بار گزرتی ہے۔

نساخ کی شاعری کا ایک اور پہلو ــــ نساخ نے بعض واقعات اور احساسات کی نفسیاتی توجیہہ کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نساخ نے توجیہہ کو اپنا خاص رنگ قرار دیا ہے کیونکہ اسے وہ طرح طرح سے بیان کرتے ہیں۔ اس جگہ چند اشعار

---

[1] صحیفہ جون۔ اگست ۵۹ء ص ۲۱۶

Marfat.com

بطور مثال غیر مناسب نہ ہوں گے ؎

کیا غیر سے واں ہوئی لڑائی | ہے شام میں رنگ کیوں سحر کا
در و دیوار پہ ہے اک رونق | جلوہ فرما وہ مہ لقا ہو گا
نہلتے وہ نہ ہوں اغیار کے ساتھ | ہیں مرے دیدۂ تر جوش پہ آج
کیا وہ ہنستے ہیں رقیبوں میں کہیں | اشک آنکھوں سے بہا کیا باعث
لائی ہے کوئی زبانی پیغام | کیوں ادھر آئی صبا کیا باعث

پھاڑ کے غیر کا دامن وہ مگر نادم ہیں
بزم میں بیٹھے ہیں کیوں سر بگریباں ہو کر

وہ سہی قد باغ میں آنے کو ہے | سرو میں کیوں آج رعنائی نہیں
ان کے گھر سے نہیں نکلتا غیر | اب مگر گردش آسماں میں نہیں
دل پُر خوں کو کیا ہے پامال | شوخ ہے رنگِ حنا کیا باعث

شانۂ پنجۂ دشمن سے نہ الجھی ہو زلف
آگے اس طرح دل اپنا تو پریشان نہ تھا
کیا خانۂ رقیب کا در بند ہو گیا
وہ اور ہو دیں گے مرے مہماں غلط غلط

مولانا حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے ؎ ''

معمولی قابلیت و استعداد کے لوگوں کی معراج یہ ہے کہ جس پگڈنڈی پر اگلی بھیڑوں کا گلہ چلا جاتا ہے اُسی پر آنکھیں بند کر کے گلے کے پیچھے پیچھے ہولیں اور ایک کے ادھر اُدھر آنکھیں اٹھا کر نہ دیکھیں ۔ جو ہنر یا پیشہ اختیار کریں اس میں اگلوں کی چال ڈھال سے سر مو تجاوز نہ کریں اور ان کے نقشِ قدم پر قدم دھرتے چلے جائیں ''

ناسخ کی شاعری پر بھی یہی قول کم و بیش صادق آتا ہے ۔ انھوں نے بھی اساتذہ

؎ یادگارِ غالب ص ۱۲۵

لکھنؤ و دہلی کی پیروی کی اور انہیں کے نقشِ قدم پر چلے اور چونکہ ان کی شاعری اکتسابی تھی اس لیئے شاعری میں باوجود اپنی زبان دانی، علمیت اور قابلیت کے کوئی نمایاں مقام حاصل نہ کر سکے لیکن ان کی قادر الکلامی، استادی اور شاعرگری سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے ایسے علاقہ میں شاعری کی شمع روشن کی جو دہلی اور لکھنؤ سے ہزاروں کوس دور تھا اور جہاں کی عام زبان بنگلہ تھی اور اردو کو ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ اس نظر سے اگر ان کی شاعری کو دیکھا جائے تو وہ یقیناً ایک بلند مقام کے مالک نظر آتے ہیں۔

(۲) تذکرہ نویس :

اردو یا ریختہ گو شعرا کے فارسی میں تذکرے تو بہت ہیں لیکن اردو میں لکھے ہوئے تذکروں کی تعداد فارسی کے تذکروں کے مقابلے میں کم ہے انھیں اردو تذکروں میں ایک تذکرہ نساخ کا تذکرہ سخن شعرا بھی ہے۔ تذکرہ نگاری کا محرک ڈاکٹر فرمان کے مطابق "انسان کا وہی فطری جذبہ ہے جو اپنے بعد اپنی ایسی یادگار چھوڑ جانا چاہتا ہے جس کی وجہ سے اس کا نام تاقیامت دعاؤں کے ساتھ لیا جائے اور وہ زندہ جاوید ہو جائے۔"[۱] نساخ کے سخن شعرا لکھنے میں نساخ کا مؤلف بننے کا جذبہ کارفرما تھا چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں ـــــ "عرصۂ قلیل میں تذکرہ ہائے کثیر دیکھے سبھوں نے دادِ سخن دہی ہے جانفشانی و جانکاہی کی ہے ہر مضمون شیرازۂ حیات ہے، ہر معنی شاخِ نبات ہے، ہر انداز شیریں غیرتِ شانِ انگبین ہے، ہر طرز نمکین رشکِ لب شیریں ہے۔ میں نے بھی چاہا کہ شربتِ تالیف سے کوزے بھروں اور اس قند کو مکرر کروں"[۲] اور اسی جذبے کے تحت انھوں نے سخن شعرا بھی مرتب کیا اور مؤلفِ تذکرہ بن گئے دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجیے کہ نساخ نے دوسرے تذکروں سے اپنے تذکرے کا چراغ روشن کیا اور جو محرکات دیگر تذکرہ نگاروں کی تذکرہ نگاری کے ہوئے، کم و بیش وہی نساخ کی

---

[۱] تذکروں کا تذکرہ نمبر نگار پاکستان سنہ ۱۹۶۴ء ص ۱۷۔ [۲] سخن شعرا ص ۳

Marfat.com

تذکرہ نگاری کے بھی محرک ہوئے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ نساخ اپنے تذکرے کی وجہ سے ہی آج اردو ادب میں زندہ بھی ہیں ورنہ ان کی شاعری تو بھولی بسری چیز ہو کر رہ گئی ہے اور وہ اگر اس تذکرے کے مولف نہ ہوتے تو شاید دنیائے اردو ادب میں ان کا نام تک نہ ہوتا۔

نساخ نے ایک بیاض اور تین تذکرے لکھے جس میں ایک اردو شعرا کا تذکرہ دوسرا فارسی شعرا کا اور تیسرا ایک مخصوص صنف سخن قطعات سے متعلق ہے۔ بیاض ان کی فارسی گو شعرا کے چیدہ چیدہ اشعار کا مجموعہ ہے لیکن ان کی شہرت زیادہ تر ان کے اردو تذکرہ سخن شعرا کی وجہ سے ہے اور سخن شعرا کے متعلق محققین کی رائے بھی مختلف رہی ہے۔

(۱) محترم ڈاکٹر شادانی صاحب کا خیال ہے کہ "نساخ کی شہرت کا دارو مدار ان کی شاعری پر نہیں بلکہ ان کی ایک اہم تصنیف یعنی سخن شعرا پر ہے۔ دراصل سخن شعرا ہی نساخ کی سب سے زیادہ قیمتی تصنیف ہے۔"

(ص ۱۲ ساقی کراچی۔ ماہ مارچ ۱۹۵۵ء)

سخن شعرا ایک ضخیم تذکرہ ہے جو اردو میں ہے اور جس میں ۲۴۸۵ شاعروں اور شاعرات (۳۹) کا ذکر شامل ہے یعنی گارساں کے تذکرے کے بعد یہ دوسرا تذکرہ ہے جس میں شعرا کی اتنی کثیر تعداد موجود ہے۔ نساخ نے ہند و پاک کے تمام شعرا کا کم و بیش ذکر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شعرائے بنگال کی ایک بڑی تعداد اس تذکرے میں موجود ہے جن کا ذکر ہم دوسرے تذکروں میں تقریباً نہیں پاتے۔ اس سے اس بات کے سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے کہ اردو زبان اس وقت برصغیر ہند و پاک کی عام زبان تھی۔ اسے زبردست اہمیت حاصل تھی اور سرزمین پنجاب سے لے کر مشرق کے دور افتادہ علاقہ سلہٹ تک اس زبان کے شعرا و ادبا موجود تھے اور شعر کی تخلیق میں مشغول اور گیسوئے اردو کو سنوارنے میں منہمک تھے۔ اس لحاظ سے اس تذکرے کو لسانی اہمیت حاصل ہے اور ماضی کے شعرا کی ایک کثیر تعداد سے معلومات حاصل کرنے کا سخن شعرا ہی ایک واحد ذریعہ ہے کیونکہ نساخ نے عام مروجہ روش کے خلاف ہٹ کر اپنے دور کے ان تمام شعرا کو

Marfat.com

اپنے تذکرے میں جگہ دی ہے جو بنگال میں اس وقت دادِ سخن دے رہے تھے حالانکہ ان شعراء کے متعلق دوسرے تذکرے قطعی خاموش ہیں۔ شمالی ہند کے تمام تذکروں میں ان بنگالی شعراء کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا گیا اور اس طرح اردو شاعری کی وہ کڑی جو کلکتہ سے پورب میں بھی موجود تھی وہ سخنِ شعراء کے پہلے اور بعد بھی ان مسلسل کڑیوں میں شامل نہیں تھی جس کا سلسلہ پنجاب کی سرزمین سے لے کر سلہٹ و چاٹگام کی سرزمین تک پھیلا ہوا تھا اور یہی چیز سخنِ شعراء کی اہمیت کو چار چاند لگاتی ہے اور اس کی اہمیت کو بہت بڑھاتی ہے۔
سخنِ شعراء میں ان بنگالی نژاد شعراء کی تعداد تین سے زیادہ ہے اور فی زمانہ ان کی شاعری اور شعر گوئی کے متعلق سوائے سخنِ شعراء کے کہیں بھی مشکل ہی سے معلومات دستیاب ہوتی ہیں، گویا ان سے واقفیت کا ذریعہ اب سخنِ شعراء کے سوا کوئی اور نہیں۔ اس معاملے میں اگر نساخ اپنے عائد کردہ اصول یعنی ایجاز و اختصار پہ سختی سے عمل نہ کر کے ان شعراء کے حالات ذرا اور تفصیل سے دیتے تو اردو ادب پہ ان کا احسان ہوتا۔ بہرکیف اس لحاظ سے سخنِ شعراء واقعی ایک قیمتی تصنیف ہے اور ڈاکٹر عندلیب شادانی صاحب کی رائے بڑی مستحکم اور صائب معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مولانا رضا علی وحشت مرحوم کا خیال ہے کہ:

"سخنِ شعراء (۱۲۸۱ھ) نساخ مرحوم کی بہترین یادگار ہے ..... یہ تذکرہ بلحاظ جامعیت کل اردو تذکروں پہ سبقت لے گیا ہے۔"

(صہ ۲ اردوئے معلیٰ۔ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۰۸ء)

علامہ وحشت کی رائے کے مطابق سخنِ شعراء تمام تذکروں پر بلحاظ جامعیت فوقیت رکھتا ہے لیکن اس تذکرے کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ نساخ نے تذکرہ نگاری میں کوئی جدت نہیں کی ہے بلکہ ہیئت اور ساخت کے اعتبار سے اس تذکرے کی ہیئت سراپا سخن کے نہج پہ ہے۔ دونوں میں ہی حالات اختصار سے دیے گئے ہیں اور کلام پر رائے نہ کے برابر ہے۔ سراپا سخن نساخ کا ماخذ بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نساخ کو چونکہ طویل تذکرہ لکھنا تھا اس لیے اختصار نویسی کو انھوں نے پیشِ نظر رکھا اور سراپا سخن کے مطالعہ نے انھیں اس سلسلے میں مدد پہنچائی لیکن سراپا سخن کی طرح نساخ کا تذکرہ

Marfat.com

صرف معشوق کے اعضاء پر مبنی نہیں ہے بلکہ لکھنوی اور دہلوی دونوں طرزان کے تذکرے میں موجود ہیں صرف اختصار کی ہیئت کو انھوں نے اپنایا اور عام تذکروں کی طرح ردیف وار شعراء کا تذکرہ لکھا۔ اسی لیے ان کے تذکرے میں وہ دقتیں پیدا نہ ہو سکیں جو سراپا سخن میں ہیں۔ سراپا سخن میں شعراء کا ذکر ردیف وار نہیں ہے بلکہ اس کی سرخی عضویات سے متعلق ہے۔ قیاس ہے کہ ہیئت کا نمونہ ناسخ نے اسی تذکرے سے لیا ہے چند مثالیں دونوں تذکروں سے ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

سراپا سخن	سخن شعراء
(۱) مرزا باقر ادراک ولد مرزا انور علی استاد نواب محسن الدولہ بہادر باشندۂ لکھنؤ صاحب دیوان شاگرد خواجہ وزیر وزیر (صفحہ ۲۷۹)	(۱) ادراک تخلص مرزا باقر ولد مرزا انور علی استاد نواب محسن الدولہ بہادر باشندۂ لکھنؤ شاگرد خواجہ وزیر صاحب دیوان ہیں۔ (صفحہ ۱۹)
(۲) اشرف حسین اشرف عزیزوں میں خادم حسین خاں صدر اعلیٰ کانپور۔ باشندۂ بنارس شاگرد میر ہادی علی بیخود (صفحہ ۲۸۵-۲۸۶)	(۲) اشرف تخلص اشرف حسین باشندۂ بنارس شاگرد ہادی علی بیخود عزیزوں میں خادم حسین اعلیٰ صدر امین کانپور رہے ہیں (صفحہ ۲۶-۲۷)
(۳) نواب اصغر علی خاں اعجاز خلف نواب نجابت علی خاں بن نواب شجاع الدولہ بہادر باشندۂ لکھنؤ صاحب دیوان شاگرد شیخ امام بخش ناسخ (صفحہ ۳۰)	(۳) اعجاز تخلص نواب اصغر علی خاں لکھنوی خلف نجابت علی خاں بن نواب شجاع الدولہ شاگرد شیخ امام بخش ناسخ صاحب دیوان ہیں (صفحہ ۳۵)
(۴) مرزا اعظم بیگ مرحوم اعظم باشندۂ شاہ جہاں آباد (صفحہ ۱۶۰)	(۴) اعظم تخلص مرزا اعظم بیگ دہلوی (صفحہ ۳۷)
(۵) میر اکبر علی خاں آہ تخلص ولد سیّد ولایت علی خاں بن میر محمد حسین خاں مخاطب بہ مرصع رقم خاں صاحب تذکرۂ مرصع باشندۂ	(۵) آہ تخلص میر اکبر علی خاں لکھنوی ولد سیّد ولایت علی خاں بن محمد حسین خاں مخاطب بہ مرصع خاں صاحب تذکرۂ مرصع صاحب دیوان

Marfat.com

لکھنؤ صاحب دیوان ہیں (ص ۲۲۵)	ہیں (ص ۵۸)

یہ چند مثالیں تو وہ ہیں جنہیں نساخ نے سراپا سخن سے براہ راست لیا ہے۔ اب ان مثالوں کے بھی چند نمونے ملاحظہ ہوں جنہیں نساخ نے سراپا سخن سے نہیں لیا ہے یہاں بھی ہیئت کے اعتبار سے وہی اختصار ملیں گے جو سراپا سخن کا خاصہ ہے مثلاً :۔

سراپا سخن	سخن شعراء
(۱) عظیم الدین خاں عرف بھورے خاں مرحوم آشفتہ عزیز دلی میں سعادت خاں بن مکرم خاں کے باشندۂ دہلی صاحب دیوان اول شاگرد میر محمدی مائل کے بعدہٗ اصلاح شعر میر فرزند علی مضمون سے لی۔ ان کے ہر مقطع میں مضمون زلف ہوتا ہے (ص ۲۶۷)	(۱) آشفتہ تخلص عظیم الدین خاں مرحوم عرف بھورے خاں افغان باشندۂ دہلی میر محمدی مائل اور فرزند علی مضمون سے اصلاح لیتے تھے بیشتر مقطع میں ان کے زلف کا مضمون ہوتا ہے آخر ایام میں شعر گوئی ترک کرکے کسب باطن کی طرف مشغول ہوئے تھے صاحب دیوان گذرے۔ (ص ۲۵)
(۲) بخشی عملہ سلطانی اسد الدولہ منشی حسن یار خاں افضل ولد باقر علی خاں بن محمد یار خاں رسالدار باشندۂ لکھنؤ صاحب دیوان شاگرد خواجہ حیدر علی آتش (ص ۳۳)	(۲) افضل تخلص منشی حسن یار خاں بہادر مخاطب بہ اسد الدولہ ولد باقر علی خاں بن محمد یار خاں رسالدار باشندۂ لکھنؤ شاگرد خواجہ آتش۔ ان سے کلکتہ میں ملاقات ہوئی تھی یہ شعر اس تذکرے کے لیے دیئے تھے دیوان ان کا نظر سے گذرا (ص ۴۱)
(۳) مرزا محمد علی عرف مرزا کچھو مرحوم قدوی، باشندۂ دہلی مقیم عظیم آباد لنبے وقت کے استاد ان کے شاگرد بہت ہیں (ص ۹۶)	(۳) قدوی تخلص مرزا محمد علی کچھو مقیم عظیم آباد شاگرد شاہ گھسیٹا عاشق احمد شاہ بادشاہ کے وقائع نگار تھے۔ دیوان ان کا نظر سے گزرا۔ (ص ۳۵۹)
(۴) شیخ قیام الدین عرف محمد قیام قائم	(۴) قائم تخلص محمد قیام الدین باشندۂ چاند پور

Marfat.com

باشندۂ چاند پور توابع سنبھل مقیم دہلی اوّل شاگرد میر درد علیہ الرحمۃ بعد سودا کے دیوان ریختہ اور تذکرۂ مخزن نکات ان سے یادگار ہے (ص ۱۰۴)	متعلق سنبھل مراد آباد شاگرد میر درد و سودا شعر خوب کہتے تھے بنہ ۱۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔ دیوان ان کا نظر سے گزرا۔ ایک تذکرۂ شعرا بھی ان سے یادگار ہے (ص ۳۸)

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہیئت (FORM) سخن شعرا میں تذکرۂ سراپا سخن کی اختیار کی گئی ہے اور نساخ نے کوئی جدت نہیں کی ہے۔ ان کا کارنامہ بس اسی قدر ہے کہ ۱۲۹۱ھ تک کے شعرا کا اور خاص کر بنگالی شعرا کا ذکر شامل کر کے انہوں نے اردو ادب پر احسان کیا ہے۔

علامہ وحشت کے بیان کے دوسرے حصے "رائے بے باکانہ ظاہر کی گئی ہے" میں اتنی گہرائی نہیں جس کا وحشت صاحب نے اظہار کیا ہے۔ اوّل تو کلام پر عام طور پر کسی رائے کا اظہار کیا ہی نہیں گیا ہے اور اگر کہیں کیا بھی گیا ہے تو عام مروجہ روش اختیار کی گئی ہے یعنی محض ایک دو جملوں میں رائے ختم کر دی گئی ہے۔ وہ بھی بہت کم خوش نصیبوں کے حصے میں آئی ہے۔ ان کے یہاں رائے کا اظہار اتنا بھی نہیں جتنا کہ ان کے ماخذ تذکروں میں ہے مثلاً:-

گلشنِ بے خار	سخنِ شعرا
(۱) سید محمد میر اثر	(۱) سید محمد میر اثر
"ان کے بعض خیالات دردمند اور دلپسند ہیں۔ ان کی مثنوی بہت مشہور ہے کہ جس کی بنا محاورہ کی بحث پر ہے اور اس وجہ سے عام پسند ہے۔ (ص ۱۴۰)"	"اشعار ان کے پر درد ہوتے ہیں"۔ (ص ۱۰)
(۲) میر امانی اسد	(۲) میر امانی اسد
"شگفتہ طبیعت والے تھے اور مزاج میں ظرافت تھی۔ (ص ۳۲)"	"...... (ص ۲۴)" (کوئی رائے نہیں دی گئی)

Marfat.com

(۳) خواجہ امین الدین امین ۔

"ان کی طبیعت میں قناعت پسندی ہے اور وہ صاحب اثر لئے آدمی ہیں" (ص ۲۸)

(۴) میرزا قلی آشفتہ ۔

"وہ ایک جوان آدمی تھے ۔ دل کے نرم اور دوسروں کی تکلیف کا احساس کرنے والے ...... ان کے اشعار صاف شستہ اور خیالات اہل انصاف کے نزدیک پسندیدہ ہوتے ہیں۔"

(ص ۹)

(۳) خواجہ امین الدین امین ۔

" ...... " (ص ۴۸)

(کسی رائے کا اظہار نہیں)

(۴) حکیم مرزا رضا قلی آشفتہ ۔

" ...... " ص ۴۸

(کوئی رائے نہیں دی گئی ہے)

چند مشہور شعراء کے متعلق دونوں کی رایوں کا موازنہ بطور نمونہ ملاحظہ ہو :-

(۱) حسن غلام حسن

"اچھی فطرت اور عمدہ طبیعت پائی تھی اکثر اصناف سخن پر کسی قدر قدرت رکھتے تھے لیکن مثنوی خوب کہتے تھے مثنوی سحر البیان کہ جو بدر منیر کے نام سے مشہور ہے کافی شہرت رکھتی ہے۔ شاعرانہ کمزوریوں سے قطع نظر کر کے عوام کے محاورے کے مطابق بری نہیں بلکہ انہوں نے حق بلاغت ادا کیا ہے (ص ۵")

(۱) حسن سید غلام حسن

"شعر پر مزہ اور شور انگیز خوب کہتے تھے۔ مثنوی بدر منیر لاجواب کہی ہے۔"

(ص ۱۳۰)

(۲) ذوق شیخ محمد ابراہیم ۔

ان کی بلاغت کا طوطی بولتا ہے اور فصاحت کا ڈنکا بجا ہوا ہے۔ وہ اپنی رنگین خیالی سے لالہ و گل کی بے مثل منظر کشی کرتے ہیں اور

(۲) ذوق شیخ محمد ابراہیم

جمیع اصناف سخن پر قادر تھے مضامین تازہ و عالی و عاشقانہ خوب باندھتے تھے۔ راقم الحروف کے زعم میں ریختہ گویوں

Marfat.com

دلوں کو مسخر کر لیتے ہیں۔ ان کا ہر مصرع فوری اثر کرتا ہے اور ہر شعر دلوں کو زخمی کرتا ہے ..... ان کو شاعری میں جتنی قدرت حاصل ہے اتنی اور کسی میں نہیں دکھائی دی ...... ان کے کلام میں بھرتی کی چیزیں بہت کم ہوتی ہیں۔ وہ تمام اصنافِ سخن پر بڑی قدرت رکھتے ہیں .... وہ ایک منتخب روزگار ہستی ہیں" (صـــ ١٠١)

(٣) سوداؔ۔ مرزا محمد رفیع

"وہ ایک بلند پایہ شاعر اور مکمل استاد تھے فنونِ شاعری میں سب سے آگے تھے۔ ان کے کلام میں حلاوت و چاشنی ہوتی ہے اور جدت تو ان کا خاص حصہ ہے۔ ان کے کلام کی مثال ایسے آفتاب کی ہے جس میں گہن نہیں لگتا۔ ان کے مضامین عالی اور خیالات بلند ہوتے ہیں۔ ان کو تمام اصنافِ شاعری پر پوری قدرت حاصل ہے ..... میرے خیال میں تو ان کی غزل قصیدہ سے بہتر اور قصیدہ غزل سے بہتر ہوتا ہے ..... سوداؔ کے اقسامِ شاعری کا جہاں تک تعلق ہے مثنوی اچھی نہیں کہتے۔ ذلیل قسم کی ہجو بہت کہی ہیں .... ان کے مضامین دلآویز ہوتے تھے" (صـــ ١٣٦-٣٧)

میں اس قدرت کا شاعر پیدا نہیں ہوا۔" (صـــ ١٦٦)

(٣) سوداؔ۔ مرزا محمد رفیع

"سوائے مثنوی کے جمیع اصنافِ سخن پر قادر تھے لیکن ہجو و قصیدہ گوئی میں اپنے عہد میں بے مثل تھے"۔ (صـــ ٢٢٢)

Marfat.com

(۴) غالب ۔ اسد اللہ خاں

"چمنِ معانی کے طوطی بلند پرواز اور گلشنِ
رنگیں بیانی کے بلبلِ نغمہ پرواز آپ کی بلند
خیالی کے مقابلے میں بلند آسمان پستیٔ زمین ہے
اور ان کی گہرائی فکر کے سامنے قارون کرسی
نشین معلوم ہوتا ہے۔ ان کا شاہینِ تخیل
سوائے عنقا کے کسی کا شکار نہیں کرتا اور
فرسِ طبیعت میدانِ فلک کے علاوہ جولانی
نہیں دکھاتا۔ اگر آجکل قیمتی سرمائے کی تلاش
مقصود ہو تو ان ہی کی دوکان میں ملے گی.....
شروع شروع میں اپنی دشوار پسند طبیعت کی
بنا پر مرزا عبدالقادر بیدل کے رنگ میں دقت
آفرینیاں کیں آخر میں آکر یہ رنگ چھوڑا اور
دوسرا پسندیدہ رخ اختیار کیا..... ان کی غزل
مثلِ نظیری کے بے نظیر ہوتی ہے اور ان کا
قصیدہ مثلِ عرفی کے قصیدے کے بہت
دل پسند ہوتا ہے شعر کے مضامین کو پورے
طور پر سمجھتے ہیں اور تمام نکات اور لطافتوں
کی تہ کو پہنچ جاتے ہیں اور یہ وہ فضیلت ہے
جو صرف چند اہلِ سخن کو حاصل ہے.....“

(ص ۱۹۵)

(۴) غالب ۔ اسد اللہ خاں

"طبیعت ان کی بہت دشوار پسند ہے۔ اشعار
فارسی ان کے اشعار ظہوری، ترشیزی و میرزا
عبدالقادر بیدل کے ہم پہلو ہوتے ہیں اشعار
اردو میں بھی وہی انداز ہے“ (ص ۳۴۲)

سخنِ شعراء کے ماخذ "گلشنِ بے خار" کے مقابلے میں کلام پر رائے مختصر ہی نہیں بلکہ بہت مختصر ہے ان کی بے باکی رائے کا مظاہرہ محض دو تین جگہوں پر ہوا ہے وہ بھی ایک خاص مقصد

Marfat.com

کے تحت ورنہ عام طور پر نساخ کی رائے مروجہ روایت کے مطابق ہے مثلاً :۔

آتش کے متعلق نساخ کی رائے ہے ۔

"سوائے غزل کے اور کسی صنفِ سخن پر قادر نہ تھے" (صہ)

انیس کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"سوائے مرثیہ کے اور کسی صنفِ سخن میں مطلق دخل نہیں رکھتے بلکہ مرثیہ بھی ان کا ایسا نہیں کہ عیوبِ شاعری سے پاک ہو" (ص ۵۶)

قاسم علی لکھنوی ہجن کے سلسلے میں لکھتے ہیں :۔

"دو تین غزلیں ان کے پاس ہیں۔ انہیں غزلوں کو لوگوں کے سامنے پڑھا کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ غزلیں ان کی کہی ہوئی ہیں یا کسی اور سے کہلوائی ہیں" (ص ۱۲۰)

سلامت علی دبیر پر ان کی رائے ہے :۔

"مرثیہ اچھا کہتے ہیں مگر ایسا نہیں کہ عیوبِ شاعری سے پاک ہو" (ص ۱۵۸)

عاشور علی خاں عاشور کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"لکھنؤ کے بہت سے معتمد شاعروں سے سنا کہ یہ خود شعر کہتے نہ تھے صرف اپنے شاگردوں کی غزلیں بنا دیتے تھے" (ص ۳۲۰)

فضل مولیٰ خاں فضل لکھنوی کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"ان میں ایک بڑا عیب تھا کہ دوسروں کے شعروں کو اپنے نام سے پڑھتے تھے" (ص ۳۶۸)

شیخ امام بخش ناسخ کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"یہ تاجر مذکور (خدا بخش تاجر) کے غلام مشہور تھے چنانچہ خود شیخ ناسخ نے اس امر کے مندفع کرنے کے لیے رباعی ۔ ۔ ۔ کہی ہے واللہ اعلم بالصدق والصواب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اشعار ان کے بیشتر مثالیہ اور پرمضمون ہوتے ہیں۔ اکثر اشعار شعرائے متقدمین و متاخرین فارسی گو کو بہت اچھی طرح سے ترجمہ کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بسوائے غزل اور رباعی کے اور کسی صنفِ سخن میں دخل نہیں رکھتے تھے" (ص ۴۹۱)

یہ چند رائیں ہیں جن پر ان کی بے باکی رائے کے اظہار کا اطلاق کریں یا ان کی سنی سنائی

Marfat.com

پر محمول، ورنہ عام طور پر نساخ کا رویہ معاندانہ نہیں بلکہ مصالحانہ ہے۔ انیس، دبیر، آتش اور ناسخ پر ان کی رائے کچھ سخت ہے اور یہ غالباً لکھنوی شعرا کی تعلی کے جواب میں ہے ورنہ انہوں نے دوسرے لکھنوی شعرا کے متعلق اپنی رائے اسی روایتی رنگ میں دی ہے اتنے بڑے تذکرے میں اس قسم کی چند بے باک رائیں کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں لہٰذا اس تذکرے کو اہم اس لیے قرار نہیں دے سکتے کہ "رائے بے باکانہ ظاہر کی گئی ہے اور اسی طرح یہ بھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ نساخ کا تذکرہ "بلحاظ جامعیت کل اردو تذکروں پر سبقت لے گیا ہے"۔ اس کی اہمیت اس کے شعرا کی تعداد بلا تمیز اچھے اور برے مشاق اور مبتدی شاعروں اور سرزمین بنگلہ کے شعرا ان کے اپنے معاصرین و شاگردان معاصرین اور تلامذۂ مصنف کی شمولیت کی وجہ سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نساخ نے نامور شعراء کے انتخاب شامل کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا ہے۔ اس سے بلا شبہ ان کے نظریۂ شعری اور میلانِ طبع پر روشنی پڑ سکتی ہے لیکن اس سے اس تذکرے کی اہمیت نہیں بڑھ سکتی۔ تذکرۂ سخن شعرا ایک مہتم بالشان کارنامہ ہے اور اردو ادب میں ایک نمایاں اضافہ مگر تمام تذکروں پر بلحاظ جامعیت، بلحاظ بے باکی رائے کے اظہار اور انتخابِ کلام کے فوقیت نہیں رکھتا۔

(۳) عبدالحی صفا بدایونی نے قدیم تذکروں میں "گلشنِ بے خار" کو سب سے ممتاز مانا ہے پھر سخنِ شعرا، پھر گلستانِ سخن صابر پھر تذکرۂ شعرائے دکن نادر کو اہم قرار دیا ہے۔ سخنِ شعرا کی اہمیت صفا بدایونی کے نزدیک "عمدگی انتخاب" ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نساخ نے اپنے تذکرے میں نمونۂ کلام کے لیے دوسرے تذکرہ نگاروں کے مقابلے میں غزلوں اور تذکروں سے شعر کا انتخاب کیا ہے البتہ جہاں مجبوری مانع رہی ہے وہاں جو شعر بھی دستیاب ہو گیا اسے تذکرے میں شامل کر لیا ہے۔ ان کا اپنا خیال بھی اس سلسلے میں یہی ہے کہ "اس طرح کا تذکرہ لکھوں جس میں اشعار آبدار میں اطناب و اعجاز ہو" اور حق یہ ہے کہ انھوں نے اس کی سختی سے پابندی بھی کی ہے۔ تذکروں سے کلام کا انتخاب کرتے وقت بھی نساخ نے اپنے اصول کو برقرار رکھا ہے۔ اسی لیے جن تذکروں

Marfat.com

سے انھوں نے شعر بطور نمونہ لیا ہے۔ اسے بھی پرکھ لیا ہے۔ آنکھیں بند کر کے نقل نہیں کیا گیا ہے۔ ان کے پورے تذکرے میں اشعار چن چن کر لیئے گئے ہیں۔ پوری پوری غزلیں نہیں ہیں حتیٰ کہ اپنے شاگردوں کے کلام کے بھی اشعار انھوں نے غزلوں سے نکال لیئے ہیں پوری غزل نہیں دی ہے اور نہ اپنی ہی پوری غزل داخلِ تذکرہ کی ہے۔ اگرچہ اپنے کلام کا نمونہ کافی و وافر دو دیوانوں سے شامل کیا گیا ہے مگر شعر انتخاب کرکے اساتذہ کے کلام کے ساتھ بھی ان کا یہی رویّہ رہا ہے۔ شعر کا انتخاب عموماً اپنے رجحانِ طبع کے مطابق کیا جاتا ہے۔ نسّاخ نے بھی یہی کیا ہوگا مگر ان کے تذکرے کے انتخاب کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ باوجودیکہ ان کا میلانِ طبع اس وقت تک لکھنوی تھا شعر بھی اسی لکھنوی انداز میں کہتے تھے مگر دہلوی انداز کے اشعار انہیں جہاں بھی اچھے، مزیدار اور چبھتے ہوئے ملے ہیں انھوں نے اپنے تذکرے میں شامل کر لیئے ہیں چنانچہ ان کے تذکرے میں ایک ہی شاعر کے کلام میں جہاں دونوں رنگ کے کلام موجود ہیں انھوں نے ان دونوں طرزوں کو اپنے تذکرہ میں جگہ دی ہے اور اس کے لیئے جدا جدا تذکرے سے کلام انتخاب کیا ہے مثلاً :

میر اکبر علی اختر کے چار اشعار شامل کیئے گئے ہیں ان میں دو مجموعۂ نغز سے اور دو سراپا سخن سے لیئے گئے ہیں اور دونوں کا انداز جداگانہ ہے ملاحظہ ہو ؎

تماشے کی ہے جا مژگاں پہ جو لختِ جگر نکلا
عجب یہ نخل ہے جس میں بشکلِ گل ثمر نکلا (نغز صـ۵۷)

اللہ اللہ رے تری جلوہ گری کا عالم
نہ لگے گردکو بھی جس کی پری کا عالم

خوابِ راحت میں دلا اس کو نہ تو ہاتھ لگا
چونک اٹھے گا ابھی وہ جو کبھو ہاتھ لگا (سراپا سخن صـ۲۱۴)

بزم میں کس کی رات جاگے تھے
ہے جو اب تک خمار آنکھوں میں (سراپا سخن صـ۹۸)

Marfat.com

ناسخ کی شاعری پر نساخ نے ذرا سخت رویہ اختیار کیا ہے اور ان کی شعر گوئی پر چوٹ بھی کی ہے لیکن اپنے تذکرے میں انہوں نے ناسخ کے کلام کا انتخاب ہی پیش کیا ہے اس انتخاب میں وہ اشعار بھی ہیں جن پر ان کی جذبات نگاری کا اطلاق ہوتا ہے اور ایسے اشعار بھی ہیں جو خالص لکھنوی انداز کے ہیں۔ چند اشعار اس انتخاب کے ملاحظہ کیجیے ؎

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شبِ فرقت میں تو احساں ہوتا

کبھی مل جائے خدا اس کی مجھے یاس نہیں
اے صنم پر ترے ملنے کی مجھے آس نہیں

یہی کہتا ہے جلوہ میرے بت کا
کہ اک ذاتِ خدا ہے اور میں ہوں

دمِ اخیر تو کر لوں نظارہ جی بھر کر
الٰہی خنجرِ سفاک آبدار نہ ہو

تنگ آکر جب کہا میں نے کہ مر جاؤں کہیں
بدگماں سمجھا کہ اس کو اشتیاقِ حور ہے

آنکھ کیا، دل کیا، حرم کیا، دیر کیا میخانہ کیا
کون سی جا ہے وہ ہر جائی جہاں ملتا نہیں

جنوں پسند مجھے چھاؤں ہے ببولوں کی
عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی

غم دیا، رنج دیا، درد دیا، داغ دیا
ہو سکیں مجھ سے عوض کیا ترے احسانوں کے

دیکھا جسے ہو گیا وہ عاشق
تیری آنکھوں میں موہنی ہے

ان اشعار کی ان کے تذکرے میں موجودگی اس بات کی بھی غماز ہے کہ

Marfat.com

شاعر سے اختلاف کے باوجود بھی انہوں نے انتخاب کلام اپنے تذکرے میں شامل کرنے میں غیر جانبداری اور انصاف سے کام لیا ہے۔

غالب کی شاعری کے نساخ قائل ہیں چنانچہ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"طبیعت ان کی دشوار پسند ہے۔ اشعار فارسی ان کے اشعار ظہوری، ترشیزی و میرزا عبدالقادر بیدل کے ہم پہلو ہوتے ہیں۔ اشعار اردو میں بھی وہی انداز ہے" اگرچہ ان کی رائے شیفتہ کی رائے سے زیادہ وقیع نہیں۔ شیفتہ نے غالب کی شاعری پر ذرا شرح و بسیط سے لکھا ہے اور نساخ کے یہاں وہی رائے چند لفظوں میں ختم کر دی گئی ہے مگر جہاں تک انتخاب کلام کا تعلق ہے نساخ کے تذکرے میں شیفتہ کے تذکرے کے مقابلے میں زیادہ اشعار ہیں جس سے غالب کی شاعری کے تمام پہلو کے سمجھنے میں زیادہ مدد مل سکتی ہے۔ نساخ کے انتخاب کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۵ بوئے گل، نالۂ دل دودِ چراغِ محفل

جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

ہے خبر گرم ان کے آنے کی ——— آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

بن گیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

ہم کو ستم عزیز ستمگر کو ہم عزیز

نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں

Marfat.com

کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

ہم کو ان سے وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

یہ چند اشعار بطور نمونہ دیے گئے ہیں جس سے نساخ کی شعر فہمی کے متعلق آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور اس بات سے بھی واقفیت ہو سکتی ہے کہ انہوں نے شعراء کے انتخابِ کلام میں اس بات کا پورا پورا خیال رکھا تھا کہ اس انتخاب سے شاعر کی فکری اور شعری تخلیق اور کارنامے کے سمجھنے میں قاری کو آسانی ہو۔

بہرکیف نساخ کے تذکرے کے انتخابِ کلام کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے پورا زور حالات پر نہیں بلکہ نمونۂ کلام پر صرف کیا ہے اور دیگر تذکروں کے مقابلہ میں شعراء کا اور بالخصوص مشہور و نامور شعراء کا انتخابِ کلام طویل دیا ہے اور اس میں بھی اشعار کو چن چن کر شامل کیا ہے۔

(۴) لالہ سری رام لکھتے ہیں "متاخرین میں سخن شعراء کا پایہ بڑھ جاتا اگر وہ غلط بیانی اور ذاتی تعریف پر نہ جھک جاتا۔" (ص ۲ خمخانۂ جاوید جلد اول)

لالہ سری رام نے سخنِ شعراء پر اعتراض تو کر دیا ہے لیکن اس اعتراض کی کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے اگر انہوں نے اپنے اعتراض کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہوتی تو اس کی روشنی میں سخن شعراء کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ نساخ نے جس زمانے میں تذکرہ لکھا۔ تحقیق کرنے کے موجودہ طریقے رائج نہ تھے۔ تذکروں میں جو دیکھا اور تذکرہ نگار کے خیال میں جو تذکرہ زیادہ صحیح نظر آیا اسے اساس قرار دے کر دوسرے تذکروں کے بیان کو نظرانداز کر دیا گیا۔ یہی اصول اس وقت کارفرما تھا اور اسی کو نساخ نے اپنایا بھی۔ خود لالہ صاحب کا تذکرہ بھی اغلاط سے پُر ہے حالانکہ ان کا دور نساخ کے بہت بعد کا ہے اور مغربی علوم کی ترقی نے مغربی طریقۂ تحقیق و تنقید کو اس وقت تک نساخ کے

Marfat.com

عہد کے مقابلے میں زیادہ اجاگر کر دیا تھا پھر بھی ان کا دامن غلط بیانی کے داغ سے نہ بچ سکا۔

اب رہا ذاتی تعریف کا سوال تو سخن شعراء میں نساخ نے اپنا حال تک نہیں لکھا ہے صرف اتنا کہہ کر "نساخ تخلص راقم اوراق ہیچ میرزا عبدالغفور" خاموش ہو گئے ہیں البتہ اپنے کلام کا طویل انتخاب دیا ہے بلکہ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی یہی شکایت ہے کہ "خود اپنے متعلق بھی انھوں نے کچھ نہیں لکھا بلکہ صرف نام دے کر کئی صفحوں میں اپنے کلام کا انتخاب دیا ہے"۔[۱]

(۵) مرزا فرحت اللہ بیگ فرماتے ہیں :

"میں نے دوسرے تذکروں سے اس کا مقابلہ کیا ان کی اپنی تحقیقات کچھ نہیں ہیں۔ صرف قدیم تذکروں سے واقعات نقل کیے ہیں"۔ (ص۵ حاشیہ۔ دیوان یقین)

مرزا صاحب کا بھی یہ اعتراض درست نہیں۔ قدماء کے حالات اگر وہ تذکروں سے نہ لیتے تو آخر کیا کرتے۔ کون سا تذکرہ ہے جس نے دوسرے تذکروں سے اپنا چراغ روشن نہیں کیا ہے۔ فی زمانہ بھی جبکہ تحقیقات کی آسانیاں موجود ہیں یہی طریقہ رائج ہے اور قدیم تذکروں نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا کہ دوسرے تذکروں کو اپنا ماخذ قرار دیا۔ تذکروں کے ماخذ کے سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحب لکھتے ہیں :-

"اس تذکرہ (عمدۂ منتخبہ) سے گارساں دتاسی، الوالقاسم، شیفتہ اور نساخ[۲] نے استفادہ کیا ہے۔ سرور نے بھی قدیم تذکروں کو اپنے سامنے رکھا۔ اس لیئے کہ ان کا انداز قدیم تذکروں سے ملتا جلتا ہے۔ گارساں کا خیال ہے کہ سرور نے خوب چند ذکا کے عیار الشعراء سے خصوصاً فائدہ اٹھایا ہے اور یہ بات کچھ ایسی غلط نہیں ہے[۳]۔ محمد حسین آزاد کی آب حیات کا اصل ماخذ یہی تذکرہ (مجموعۂ نغز[۴]) ہے۔ کریم الدین نے اس طرف

---

۱ تذکروں کا تذکرہ نمبر نگار ۱۹۶۴ء ص ۲۵۸ ۲ ڈاکٹر فرمان فتحپوری کے اس بیان سے تصنیف (تذکرے) کے سلسلے میں تفصیل سے بحث کی جا چکی ہے ۳ تذکروں کا تذکرہ نمبر نگار ۱۹۶۴ء ص ۱۰۰-۹۹ ۴ ایضاً ص ۱۱۵

Marfat.com

اشارہ تو نہیں کیا لیکن مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ گلدستۂ نازنیناں" کو انھوں نے صہبائی کے "انتخاب دواوین" کی مدد سے مرتب کیا ہے۔ صہبائی ہی کی تقلید میں انھوں نے شعرا کے حالات اور انتخابات کلام کے ساتھ عروض و قواعد سے بحث کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ ایسا نہ کر سکے۔ آغازِ شاعری سے متعلق بھی انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ انتخاب دواوین سے ماخوذ ہے یہی نہیں بعض شعرا کے اکثر حالات حرف بہ حرف صہبائی کے انتخاب سے نقل کیے گئے ہیں[۱]۔"

ان بیانات کی روشنی میں سخنِ شعرا پر نقالی کا الزام محض بہتان ہی رہتا ہے۔ قدما کے حالات کے لیے دوسرے تذکروں سے مدد لینا یا استفادہ کرنا کم و بیش تمام تذکرہ نویسوں کا شیوہ رہا ہے لہٰذا نساخ نے بھی ان تذکروں کی طرح دوسرے تذکروں سے حالات و کلام لیے تو کیا برائی کی۔ اب رہی یہ بات کہ انھوں نے تحقیق سے کام نہیں لیا ہے تو سخن شعرا کے مطالعہ کے بعد یہ بات اتنی وزن دار ثابت نہیں ہوتی۔ نساخ نے جہاں بھی تذکروں کے تخلص یا کسی اور سلسلے میں غلطی پائی ہے فوراً لکھ دیا ہے۔ اس قسم کی بہتیری مثالیں سخنِ شعرا میں موجود ہیں صرف چند مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں:۔

(۱) احسن تخلص حسین علی خاں خواجہ مخاطب بہ احسن الدولہ شاگرد محمد رضا برق باشندۂ لکھنؤ راقم نے ان کو کلکتہ میں دیکھا ہے۔ صاحب سراپا سخن نے ان کا تخلص معین لکھا ہے (ص ۱۳)

(۲) اماحی تخلص خواجہ اماحی مرثیہ گو ولد خواجہ آشمی ۱۲۷۰ھ میں مرشد آباد میں شدتِ گریہ سے مجلسِ عزا میں بیہوش ہو کر راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ بعض صاحب تذکرہ نے ان کا تخلص امان لکھا ہے۔ (ص ۴۴)

(۳) اکبر تخلص نواب علی محمد خاں قوم افغان باشندۂ دہلی شاگرد قیام الدین علی قائم۔ موسیقی میں اچھا دخل رکھتے تھے بعض صاحب تذکرہ نے ان کے فرزند محمد یار خاں کا اکبر تخلص لکھا ہے (ص ۴۷)

---

[۱] تذکروں کا تذکرہ نمبر ص ۱۰۵

Marfat.com

(۴) انیس تخلص امیرالدولہ نوازش خاں ہمشیرہ زادہ شاہ نواز خاں دہلوی شاگرد ممنون، شاہ عالم بادشاہ کے عہد میں خدمت مختاری رکھتے تھے۔ آخر عمر میں شعر گوئی ترک کی تھی۔ بعض صاحب تذکرہ نے ان کے والد کا نام شاہ نواز خاں لکھا ہے (صفحہ ۵۵-۵۶)

(۵) بقا تخلص، محمد بقا اللہ اکبرآبادی خلف لطف اللہ خوشنویس معاصر سودا وطن ان کا اکبرآباد مولد و مسکن لکھنؤ بعض صاحب تذکرہ نے غلطی سے ان کے والد کا نام سیف اللہ لکھا ہے .... (صفحہ ۶۰)

(۶) بیدار تخلص میر محمد علی عرف میر محمدی دہلوی شاگرد مرتضیٰ قلی خاں فراق مرید حضرت مولانا فخرالدین شعر گوئی میں اچھی مشق پیدا کی تھی۔ اکبرآباد میں جاکر راہی ملک بقا ہوئے... صاحب دیوان گذرے۔ سعادت خاں ناصر نے جوان کو میر محمدی متخلص بہ قربان کے دھوکے میں ثناء اللہ خاں فراق کا شاگرد لکھا ہے غلطی کی ہے (صفحہ ۷۴)

(۷) پروانہ تخلص کنور جسونت سنگھ عرف کاکاجی خلف راجہ بینی بہادر۔ بہادر تخلص شاگرد سرب سنگھ دیوانہ .... بعض تذکرہ والوں نے جو ان کو میر حسن اور مصحفی کا شاگرد لکھا ہے اس پر اعتبار نہیں ....؛ (صفحہ ۸۰)

(۸) تمنا تخلص عاشق علی خاں ؎

کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں

خط بھی لکھا جو ہم کو تو خط غبار میں

اس شعر کو بعض صاحب تذکرہ نے سعادت علی تسکین کے نام سے لکھا ہے۔ (صفحہ ۹۱)

(۹) ؎ دیکھے بیٹھا جو وہ مہ رو اپنے گھر کی چاندنی

جب تلک بیٹھا رہا تب تک نہ سرکی چاندنی

اس مطلع کو بعض صاحب تذکرہ نے غلطی سے شاہ نصیر دہلوی کے نام لکھا ہے۔ (صفحہ ۱۳۱)

(۱۰) رنگین تخلص سعادت یار خاں مرحوم دہلوی .... شاگرد شاہ حاتم .... ریختی کے موجد تھے۔ صاحب تذکرہ گلستان نے جو انشاء اللہ خاں کو ریختی کا موجد قیاس کیا ہے خطا کی ہے کیونکہ خود انشاء اللہ خاں نے نسخہ دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ انھوں نے اس زبان کو سعادت یار خاں رنگین سے اخذ کیا تھا....؛ (صفحہ ۱۹۴)

Marfat.com

(۱۱) عزیزؔ تخلص راجہ یوسف علی خاں رسالدار مخاطب بہ اعتماد الدولہ ولد غلام رضا خاں ہمشیرہ زادہ سعید الدولہ علی محمد خاں شاہ اودھ کے ہمراہ کلکتہ میں آئے تھے۔ وطن ان کا دہلی مولد و مسکن لکھنؤ صاحب سراپا سخن نے ان کو مولوی محمد بخش شہید کا شاگرد لکھا ہے لیکن انھوں نے راقم سے آتش کا شاگرد رہنا بیان کیا تھا۔۔۔۔" (صـ ۳۲۶)

(۱۲) ولیؔ تخلص شاہ ولی اللہ۔۔۔۔۔۔۔ بعضے تذکرہ والوں نے ان کا نام ولی محمد لکھا ہے اور اس کو موجد ریختہ جانتے ہیں لیکن مقتضائے تحقیق یہ ہے کہ ان کے زمانے کے آگے بھی دکن میں شعرائے ریختہ گو موجود تھے۔۔۔۔۔" (صـ ۵۵۶)

(۱۳) ہوسؔ تخلص نواب مرزا محمد تقی خاں۔۔۔۔۔۔ ان کی اکثر غزلوں میں لیلی مجنوں کا مضمون ہوتا ہے۔ صاحب تذکرہ سراپا سخن نے جو لکھا ہے کہ ان کی ہر غزل میں لیلی مجنوں کا مضمون ہوتا ہے غلط ہے۔۔۔۔۔۔ (صـ ۵۶۴)

ان بیانوں کو دیکھیے اور مرزا فرحت اللہ بیگ کا بیان "میں نے دوسرے تذکروں سے اس کا مقابلہ کیا ان کی اپنی تحقیقات کچھ نہیں ہے۔ صرف قدیم تذکروں سے واقعات نقل کیے ہیں" کو دیکھیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ فرحت اللہ بیگ کا بیان کہاں تک حقائق پر روشنی ڈالتا ہے۔ تذکرے میں یوں بھی تحقیق عام طور پر ناقص رہی ہے، کیونکہ موجودہ طرز تحقیق سے اس وقت کے تذکرہ نویس آشنا نہ تھے۔ ان کے یہ اشارے ہی تحقیق کہلاتے تھے اور نساخ پر یہ اعتراض پورا بھی نہیں اترتا۔ ان کے بس میں جو تھا انھوں نے کیا اور جو چیز انھیں نظر آئی لکھ دیا۔ جہاں انھیں یقین تھا اس کی تردید کی اور جہاں وہ مشکوک تھے دونوں بیانوں کو لکھ دیا البتہ ذرا صراحت کر دیتے تو اس سے تذکرے میں اور جان پڑ جاتی۔

لیکن اس مقام پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نساخ کا تذکرہ قدیم تذکروں کا صرف خلاصہ یا اقتباس ہی نہیں بلکہ انھوں نے بہت سا مواد خود بھی فراہم کیا جسے ایک گراں قدر اضافہ کہنا چاہیے۔ ایسے شعرا کی تعداد کثیر ہے جن کا ذکر سخن شعراء کے سوا اور کہیں نہیں ملتا خصوصاً بنگال کے شعرائے اردو کے متعلق ہماری معلومات کا بنیادی ذریعہ صرف سخن شعراء ہے بعد کے تذکرہ نویسوں نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا

Marfat.com

ہے وہ سخن شعرا ہی سے لیا ہے۔

سخن شعرا ایک طویل تذکرہ ہے جس میں قدما، متوسطین و متاخرین اور معاصرین شعرا کے حالات اور انتخاب کلام اکٹھا کئے گئے ہیں۔ نساخ نے نہ تو میر کی طرح منتخب شعرا کا حال لکھا ہے اور نہ شعرا کو اپنے تذکرے میں داخل کرنے کے لیے خود پر کوئی پابندی ہی عائد کی ہے۔ انھوں نے زیادہ سے زیادہ شعرا کو اپنے تذکرے میں جگہ دی ہے اسی لیئے اس میں بعض وہ شاعر بھی ہیں جنہوں نے کبھی کبھی اردو میں شعر کہا ورنہ عام طور پر وہ فارسی گو شاعر تھے حالات البتہ مختصر دیئے گئے ہیں اور بہتیرے شعرا کے صرف نام اور تخلص ہی پر اکتفا کی گئی ہے کلام پر رائے بھی برائے نام ہے لیکن مشہور اور نامی اساتذہ کے حالات دوسرے شاعروں کے مقابلے میں ذرا تفصیل سے دیئے گئے ہیں۔ دوسرے تذکروں کی طرح نساخ نے کوئی عہد یا کسی باب کی پابندی اختیار نہیں کی ہے بلکہ ردیف وار شعرا کا ذکر کیا ہے جس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ نامی اور مشہور اساتذہ کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوتا شعرا کے ساتھ ان کا رویہ معاندانہ نہیں اور نہ عام طور پر ان کی تنقیص کی گئی ہے بالخصوص اساتذہ کے حالات بڑے احترام سے لکھے گئے ہیں۔ شعرا کے حالات کے ضمن میں بڑے اختصار سے کام لیا گیا ہے اور ان سے متعلق حکایات یا واقعات کا ذکر نہیں کیا گیا ہے البتہ ایک کام نساخ کا خود اہم ہے کہ انھوں نے بنگال کے شعرا کا ذکر لکھ کر ایک طرح سے دوسرے تذکروں کے خلاف اپنے ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ باوجودیکہ نساخ کو لکھنوی شعرا سے پرخاش تھی مگر الا ایک دو کے کسی کے کلام اور حال اور اپنی رائے دینے میں اپنی ذاتی پرخاش کا اظہار نہیں کیا ہے بلکہ عام طور پر یہ غیر جانبدار رہے ہیں۔ ایک بات ضرور کھٹکتی ہے کہ نساخ نے زبان و بیان اور اردو شاعری کی نشوونما پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جبکہ ان کے سامنے ایسے تذکرے تھے جس میں اردو زبان کے متعلق مسالہ اور مواد موجود تھا اور وہ خود بھی ایک رسالہ "زبان ریختہ" لکھ چکے تھے۔ بہرکیف "سخن شعرا" ایک قیمتی تصنیف ہے اور اردو میں قیمتی معلومات کا ایک خزانہ۔

Marfat.com

نساخ کا دوسرا تذکرہ فارسی میں ہے جو نامکمل ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں صرف انہوں نے اپنے معاصر فارسی گو شعراء کا حال لکھا ہے۔ باوجودیکہ اس تذکرے میں بھی بنگال کے شعراء کا ذکر موجود ہے مگر انھوں نے اپنے معاصرین میں سے ہر اس شاعر کا حال لکھا ہے جو ان کے وقت میں موجود تھا اور جو لوگ تفنن طبع کے طور پر فارسی میں شعر کہتے تھے، اُن کا بھی ذکر انھوں نے کیا ہے جیسے سرسید احمد خاں آہی، منشی امیر مینائی امیر، مرزا داغ دہلوی داغ، شاہزادہ میرزا آسمان جاہ انجم وغیرہ وغیرہ۔

نساخ نے اس تذکرے میں عام طور پر شعراء کا حال ذرا تفصیل سے دیا ہے اور برخلاف سخن شعراء کلام پر رائے بھی ذرا کھل کر دی ہے۔ اکثر و بیشتر تاریخ ولادت یا وفات بھی دی ہے۔ سیرت سے متعلق بھی لکھا ہے۔ علمی استعداد اور تصنیفات کا بھی ذکر کیا ہے۔ کلام کے انتخاب میں بھی بخالت سے کام نہیں لیا ہے۔ ان کے عہد میں ایک دلچسپ واقعہ شاعر جنّی کا پیش آیا اسے بھی رقم کر دیا ہے حالانکہ آج کی دنیا میں کوئی مشکل سے اس پر اعتبار کرے گا۔

اس تذکرے کی بھی اہمیت زیادہ تر بنگال کے شعراء کی وجہ سے ہے اور حق تو یہ ہے کہ جس طرح بنگال کے اردو گو شعراء کا حال سخن شعراء سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح فارسی گو شعراء کا حال بھی ان کے اس فارسی تذکرے "تذکرۃ المعاصرین" ہی سے معلوم ہوتا ہے ورنہ ان کے تذکرے کے بعد بھی جو تذکرے لکھے گئے ان میں ان شعراء کا حال خال خال ہی ملتا ہے اور اس نقطۂ نظر سے یہ تذکرہ بھی بے انتہا اہم ہے۔

انتخاب کلام کے سلسلے میں سخن الشعراء کے برعکس اس تذکرے میں قصیدہ، رباعی مستزاد، مثنوی، قطعہ اور غزل بھی کچھ بطور نمونہ دیے گئے ہیں حالانکہ سخن الشعراء میں زیادہ تر غزل یا خال خال رباعی یا قطعہ انتخاب میں داخل کیے گئے ہیں۔ غزل میں بھی اس تذکرے میں کہیں کہیں مکمل غزل بطور نمونہ موجود ہے جبکہ سخن الشعراء میں ایسی بات نہیں۔ سخن الشعراء کے مقابلے میں یہ تذکرہ ضخیم نہیں۔ ایک محدود حلقۂ شعراء یعنی صرف معاصرین کا تذکرہ ہے۔

سطور مذکورہ کی روشنی میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں تاکہ نساخ کے اس تذکرے کی

Marfat.com

اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

نواب میرزا خاں دہلوی داغ :

"از مشاہیر شعرائے ریختہ گوئی دہلی ...... فکر رسا و طبع شوخی دارد و اقسام شعر نغز و نیکو میگوید۔ استاد مسلم الثبوت است" (ص ۱۰۲)

رضا حسن خاں علوی ہاشمی رضا :

"چہ بلا ذہن و ذکائے داشت کہ علم تفوق بر اکثرے از اذکیا ہمعصر و ہم چشم خودش می افراشت ولیکن حیف کہ با وسعت تحصیل علم و دانش شہباز عشق مجازی چناں پنجہ پر زوری بر صعوہ جان ناتوانش زد کہ بجز از جان دادنش چارہ نماند حکایت زہر خوردن و جان دادنش در عین شباب بعشق پری روئی غمزہ جادوئے مشہور است" (ص ۱۲۰)

شاہزادہ محمد اعظم الدین سلطان :

"اخلاق کریمش خجستہ و ہمایوں" (ص ۱۳۷)

مولوی ابو محمد عبد الحفیظ شاداں :

"ظاہر و باطنش بصلاح و تقویٰ و زہد و ورع و توکل و تسلیم آراستہ عمر شریف بتوکل دانز واگذرانیدہ و متوجہ کسب معاش و حصول دنیا نشدہ" (ص ۱۵۵)

سید عبد الغفور شہباز :

"خیلے صاحب ذہن و ذکا است" : (ص ۱۰۱)

منشی وارث علی ضیا :

"طبعش با فن شعر مناسبت تمام دارد لبیار پر گو است" (ص ۱۸۹)

نساخ کی یہ رائے خواہ کسی تذکرے کی پیروی میں ہی کیوں نہ ہو مگر فی زمانہ اس کی قیمت بہت زیادہ ہے اور ان کے یہ چھوٹے چھوٹے جملے سیرت نگاری کے وہ نمونے ہیں جو بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس قسم کی رائیں اس تذکرے میں اکثر و بیشتر ہے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا ہے کہ ہر شاعر کے سلسلے میں انہیں باتوں کو دہرایا ہے بلکہ جنہیں وہ قریب سے جانتے تھے اور جن کی صحبتوں سے بخوبی لطف اندوز ہو چکے تھے

Marfat.com

انہیں شعراء کے متعلق ان کی ایسی جچی تلی رائیں بھی ہیں :

بعض شعراء کے حالات بھی تفصیل سے دیئے ہیں اور تصنیفات بھی بتائی ہیں کلام پر رائے بھی دی ہے مثلاً :

(۱) "احمد تخلص آغا احمد علی مرحوم مدرس فارسی بہرۂ مدرسہ عالیہ کلکتہ خلفِ آغا شجاعت علی باشندۂ ڈھاکہ ابن آغا عبدالعلی خوشنویس کہ از دست عزیزانِ خود در ڈھاکہ مقتول شدہ بود۔ شاگردِ حافظ اکرام احمد ضیغم۔ زبان فارسی را نیکو میدانست در علم عروض و قوافی دستگاہی معقول داشت احیاناً شعر میگفت چند شعر فارسی و اردو از نظرم نیز گزرانیدہ بود۔ در عینِ شباب در ۱۲۹۰ھ یکہزار و دو صد و نود ہجری در کلکتہ وفات یافتہ۔ موید برہان بجواب قاطع برہان میرزا اسداللہ خاں غالب دہلوی و رسالۂ شمشیر تیز تر و رسالۂ ترانہ و رسالۂ ہفت آسمانش از نظر گذشتہ ....." ص۱

(۲) "امیر تخلص منشی امیر احمد مینائی حنفی لکھنوی است۔ از متوسلین ریاستِ رامپور خلفِ کوچک مولوی کرم محمد نبیرہ و از اولادِ حضرت شاہ محمد مینا قدس سرہ و ارشد و اکمل تلامذہ میر مظفر علی خاں اسیر۔ بہر دو زبان فارسی و اردو شعر میگوید و خیلے سنجیدہ و پسندیدہ میگوید کلامش کامِ جانِ سخنورانِ خوش مذاق را چاشنی تازہ می بخشد و لذت بے اندازہ۔ مضامین دل آشوب و مسدس نعتیہ و محامد خاتم النبیینؐ (دیوان نعت) و سرمۂ بصیرت در لغت و مرآۃ الغیب و گوہر انتخاب و مثنوی نورِ تجلی و مثنوی ابرِ کرم وغیرہا از نتائج طبع وقاد اوست۔ دیوانِ لغت و ابر کرم و مرآۃ الغیب و نور تجلی از نظرِ راقم آثم گذشتہ" (ص ۳۰-۳۱)

(۳) "حامد تخلص حاجی الٰہ بخش مجموعہ دار ابن محمد مہدی مجموعہ دار ابن عم و شاگرد حکیم اشرف علی مست است۔ بہر دو زبانِ فارسی و اردو شعر می گفت تحفۃ المحسنین و تحفۃ الاحباب و لباب العقائد و فوائد المومنین فی عقائد اہل الحق والیقین و دیوان حامد و قصۂ سام و برہان الموحدین وغیرہ از و یادگار است در ۱۲۷۰ھ بدار بقا شتافتہ ....." (ص۵۱)

Marfat.com

(۴) حشمت تخلص مولوی محمد عبدالاحد خلف منشی عبدالصمد خواہر زادہ مولوی نواب جان پیش نائب میر منشی دارالانشائے نواب گورنر جنرل بہادر ہند متوطن کلکتہ است. جوانیست خوش فکر۔ در نظم فارسی تلمیذ مولوی ابوالمعالی محمد عبدالرؤف وحید در ریختہ شاگرد مولوی عصمت اللہ انسخ۔ ولادتش در حدود ۱۲۸۲ھ ہجری قدسی است۔ در کلکتہ تعلیم و تربیت یافتہ از سالے چند بہ تقاضائے موزونی طبع شانہ کش طرۂ شاہد سخن است۔ فارسی و اردو ہر دو میگوید۔ ملاقاتش در کلکتہ بارہا اتفاق افتادہ ....." ص ۸۷

(۵) شاد تخلص مولوی سید علی محمد خلف سید محمد عباس رئیس عظیم آباد شاگرد رشید سید شاہ الفت حسین مولوی قادری عظیم آبادی متخلص بہ فریاد سلسلۂ نسبش از جانب پدر بحضرت امام زادہ واجب التکریم عبداللہ باہر خلف حضرت علی ابن الحسین زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم واز جانب مادر بہ چند واسطہ بہ شمس الدولہ نواب لطف اللہ خاں صادق بہادر نیکنام کہ از اولاد احفاد حضرت خواجہ عبداللہ انصاری علیہ الرحمۃ پیر ہرات واز نامی امرائے محمد شاہی است می پیوندد۔ ولادت شاد در حدود ۱۲۶۲ھ شصت ودوم بہ ہزار و دو صد ہجریہ قدسیہ است بعد از تحصیل مبادی علوم بعمر پانزدہ سالگی شوق سخن بہم رسانیدہ ہنگام حداثت عمر اصلاح یکدو غزل از منشی میر وزیر عبرتی عظیم آبادی حاصل کردہ بود و آں داخل حساب نیست۔ تا آنکہ در حدود ۱۲۷۹ھ ہزار و دو صد و ہفتاد و نہ ہجری زانوئے تلمذ بخدمت حضرت فریاد تہ کردہ سالہا سال بالمشافہ و بالمراسلہ از افادات آں برگزیدہ صفات مستفید ماندہ مشق کامل در نظم و نثر ہر دو زبان فارسی و اردو ریختہ بہم رسانیدہ و بزمرۂ تلامیذ رشیدش محسوب شدہ علی الخصوص در ریختہ شاہد سخن را خلعت زیبا پوشانیدہ۔ کلامش متین و سلیس و فصیح و بامزہ است و تخلص شاد حضرت فریاد بدو بخشیدہ۔

تصنیفات و تالیفات شاد نظماً و نثراً بسیار است۔ از جملہ آں آنچہ بہ زیور طبع روئے اشاعت دیدہ این است۔ در نثر داستان صورۃ الخیال و ہدیۃ المقال و حلیۃ الکمال و تاریخ صوبہ بہار و نصائح الصبیان و قدر کمال و نوائے وطن وغیرہا

Marfat.com

"در نظم مثنویاتِ آتش[8] کوثر و نوید[9] ہند و فغانِ[10] دلکش و ثمرۂ[11] زندگی و نالہ[12] شاد و آنچہ ہنوز چاپ نشدہ کلیات[1] نظم تقریباً شصت و چہار جزو و در اللطائف[2] لتزئین الصحائف و رسالہ عروض[3] و قوافی و رسالہ[4] معانی و بیان و قصیدۂ[5] نظم بسیط در نحو عربی و جز آن۔۔"
(ص ۵۶-۱۵۵)

اس تذکرے میں حالاتِ زندگی، تصنیفات اور کلام پر جو رائے دی گئی ہے وہ جامع ہے اور ان پر حقیقت میں (BIOGRAPHICAL DICTIONARY) کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اسی طرح شاعر کے کلام کا انتخاب بھی شاعر کے رجحان تخلیقی ارتقاء اور شاعری کی قدر و قیمت کے سمجھنے میں ممد و معاون ہوتا ہے گویا یہ تذکرہ باوجود تذکروں کی عام خامیوں کے ایک اچھی، اہم، جامع اور قیمتی تصنیف ہے۔ افسوس کہ زمانہ نے انہیں فرصت اس کی تکمیل کی نہ دی ورنہ یہ تذکرہ ایک جامع اور پُراز معلومات تذکرہ ہوتا۔ پھر بھی جو کچھ ہے وہ نہایت کامیاب اور کارآمد ہے۔

تیسرا تذکرہ قطعۂ منتخب گو ایک خاص صنفِ سخن یعنی قطعات سے تعلق رکھتا ہے لیکن نساخ کی ایک گرانقدر خدمت کا نمونہ ہے۔ اس تذکرے سے بھی ان کی محنت کوشش کا پتہ چلتا ہے کہ کثرتِ کار اور گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود انھوں نے اردو ادب کی خدمت میں حتی الوسع جان لڑا دی ہے گو اس تذکرے کی اساس سخنِ شعرائے ہے قطعہ گو شعرا کی زندگی کے حالات اور ان کے کلام پر رائے میں اسی طرح اختصار سے کام لیا گیا ہے جیسا کہ سخن شعرا میں اور کوئی خاص ندرت و جدت اختیار نہیں کی گئی ہے۔ قطعات کو صرف ردیف وار جمع کر دیا گیا ہے۔ شعرا کا ذکر بھی ردیف وار ہے اور قطعات بھی ردیف وار دیئے گئے ہیں اور اس طرح قطعات کی ایک اچھی خاصی تعداد کو کتابی صورت میں انھوں نے محفوظ کر دیا ہے۔ اردو ادب میں قطعہ منتخب ایک نئے قسم کا تذکرہ ہے اور یقیناً ایک اضافہ ہے۔

بہرکیف نساخ کے تذکرے اردو ادب میں اہمیت رکھتے ہیں اور اگر وہ شاعر نہ بھی ہوتے تو ان تذکروں کی بدولت ہی زندۂ جاوید ہوتے۔ ان کا یہ کارنامہ اپنی

Marfat.com

جگہ بہت اہم ہے خواہ ان کے تذکروں پہ کتنے ہی اعتراض کیئے جائیں اور اعتراض سے کسی انسان کی تخلیق کب خالی رہی ہے مگر جب تک میر، قائم، قاسم، آشفتہ وغیرہ کے تذکروں کی اہمیت رہے گی نساخ کے تذکرے بھی اہم رہیں گے گو فی زمانہ تاریخ نویسی کے آگے تذکروں کی اہمیت کم ہوگئی ہے لیکن قدیم شاعروں سے واقفیت کا ذریعہ ہونے کے لیئے یہ تذکرے ہمیشہ اہم رہیں گے اور دوسرے تذکرہ نویسوں کی طرح نساخ بھی اردو ادب کے محسنوں میں شمار کیئے جائیں گے۔

(۳) نقاد :-

نساخ کی تنقید نگاری میں اگر ہم عہدِ جدید کی سی تنقید نگاری کو تلاش کریں تو یقیناً ہمیں مایوسی ہوگی کیونکہ ان کی تنقید نگاری اس دور اور اس ماحول کی پروردہ ہے جس میں شاعر کے خیالات، شعر کی رفعت اور معانی کی خوبیوں کی بہ نسبت الفاظ الفاظ کے نشست و بست ترکیب کی بندش، محاورہ کا صحیح استعمال یا قدما کی پیروی سے زیادہ تر بحث کی جاتی تھی۔ یہ بھی باضابطہ طور پہ نہیں بلکہ اشعار کی اصلاح یا اعتراض کی شکل میں اور انہیں اصلاحوں یا اعتراضوں کو تنقید شمار کیا جاتا تھا۔

بات یہ ہے کہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں ہمارے ادبِ اردو میں جو تنقید یں ملتی ہیں ان کی بنیاد فارسی کے اصولِ تنقید پہ تھی اور فارسی ادب میں تنقیدی خیالات و نظریات عربی کے توسط سے پہنچے چنانچہ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں :

"فارسی ادب میں تنقید کا کوئی خاص ارتقاء نظر نہیں آتا۔ عربی کے توسط سے جو خیالات و نظریات اس تک پہنچے اس نے انہیں کو اپنا لیا اور چند روایات قائم کرلیں جن میں تبدیلیوں کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں کی۔ صدیوں کی قائم شدہ انہیں فرسودہ روایات کے زیرِ اثر کبھی کبھی تنقیدی خیالات کا اظہار ہوتا رہا۔ تخیل اور غور و فکر کو اس میں مطلق دخل نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی کی تنقیدی روایات بالکل میکانکی ہوگئیں۔ چند خاص خیالات تھے، چند خاص اصطلاحات تھیں، چند خاص کلمے اور جملے تھے جن

Marfat.com

کے پیش کر دینے کو تنقید سمجھا جاتا تھا۔[1]

اس عربی تنقید کے کیا اصول تھے۔ اس کے متعلق ابن رشیق کا قول قابل مطالعہ ہے وہ لکھتا ہے:

"ادائے معنی کے لیے نئے نئے انداز نکالنا اور ایک ایک کو کئی طرح سے ادا کرنا شاعرانہ کمال ہے گویا معانی پانی ہیں اور الفاظ کی ترکیب بمنزلہ گلاس، گلاس میں کوئی سیمیں ہے کوئی طلائی، کوئی خزف کا ہے کوئی صدف کا، کوئی پتھر کا کوئی کانچ کا۔ پانی یعنی معانی بہر حال وہی ایک ہیں جو مختلف ترکیبوں اور اندازوں میں کانوں کے واسطے سے نفس کے سامنے آتے ہیں اور اگرچہ تشنگی طلب کو وہی بجھاتے ہیں لیکن گلاسوں کی رنگا رنگی ایک لطف مزید دے جاتی ہے...... شعر کی عمارت چار چیزوں سے اٹھتی ہے۔ لفظ، وزن، معنی و قافیہ بس اس کی حد ہے"۔[2]

فن تنقید کے یہی اصول فن بلاغت کے نام سے منسوب ہوئے اور یہی چیزیں تنقید کے لیے اصول قرار دی گئیں۔ چنانچہ فارسی میں ہمیں جو تنقیدی شعور ملتا ہے وہ کم و بیش انہیں اصولوں پر مبنی ہے یعنی فارسی و عربی تنقید کا محور بیشتر طرز ادا اور اسلوب نگارش ہے۔ معانی یا مضامین کی حیثیت محض ضمنی یا ثانوی سمجھنی چاہیے۔

جس طرح ہماری اردو شاعری کی عمارت فارسی شاعری کے ڈھانچے پر کھڑی کی گئی اسی طرح فن تنقید نگاری کی بنیاد بھی انہیں اصولوں پر رکھی گئی جو فارسی میں مروّج تھے۔

موجودہ تنقید نگاری کی ابتدا، حالی کی کتاب مقدمہ شعر و شاعری سے ہوئی ہے جس میں شعر کی ظاہری اور باطنی خوبیوں سے بحث کی گئی ہے اور ایک اچھے شعر کی پہچان بتائی گئی ہے۔ اگرچہ یہ تنقیدی اصول مغرب کا رہین منت ہے لیکن انیسویں صدی کے آخر تک حالی کے یہ اصول عام طور پر رواج نہ پا سکے تھے۔ عموماً شعراء یا ادبا اپنے

---

[1] اردو تنقید کا ارتقاء، ص ۵۔ [2] تذکروں کا تذکرہ نمبر نگار ۱۹۶۴ء، ص ۲۳

پرانے تنقیدی اصولوں پر ہی کاربند تھے اور شعر کی اچھائی یا برائی کا انحصار ظاہری خوبی یعنی الفاظ، عمدہ ترکیب، قافیہ اور ردیف کی خوبی یا برائی، محاورے کا صحیح استعمال، روزمرّہ اور وزن پر ہی موقوف ہوتا تھا۔ نسّاخ کی تنقیدوں میں بھی ہم یہی چیزیں پاتے ہیں۔

موجودہ طرزِ تنقید یعنی حالی و شبلی کے طرزِ تنقید کو اپنانے سے قبل اردو ادب میں ہمیں تین ذرائع سے تنقیدی مواد بہم پہنچتے ہیں۔ (۱) تذکرے (۲) شعراء، اساتذہ یا تذکرہ نگاروں کی اصلاحیں اور (۳) اعتراضات ــــ نسّاخ کے یہاں بھی جو تنقیدی مواد ملتے ہیں وہ انہیں تینوں ذرائع سے۔

(۱) تذکرے :

ڈاکٹر فرمان فتحپوری تذکروں کے تنقیدی مواد کے متعلق لکھتے ہیں :

"تذکروں کے تنقیدی لب ولہجہ کو اس وقت کے مروج معیارِ تنقید سے ہٹ کر دیکھنا مناسب نہ ہوگا بلکہ ہمیں ان کی تنقیدی قدر وقیمت متعین کرنے کے لیے لفظی تنقید کے ان اصول وضوابط کو سامنے رکھنا ہوگا جو انیسویں صدی کے وسط تک شعر وادب کا پیمانہ خیال کیے جاتے تھے چنانچہ اگر ہم شعرائے اردو کے تذکروں کو قدیم فنِ نقد کی روشنی میں دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ اختصار وایجاز کے باوجود ان میں تنقیدی مواد کی کمی نہیں ہے۔ نکات الشعراء، مخزنِ نکات سے لے کر شمیم سخن و آبِ حیات تک تنقیدی شعور واصول کا ایک ارتقائی سلسلہ ہے جو وقت اور ماحول کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ الفاظ کے معنی کی طرف اور ہیئت سے موضوع کی طرف بڑھتا گیا۔[۱]"

اس تنقیدی مواد کو جو حیثیت بھی دی جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تذکروں میں کلام پر رائے یا تنقید اس قسم کے لفظوں میں ہوتی تھی :

---

[۱] تذکروں کا تذکرہ نمبر نگار ۱۹۶۴ء صہ ۳

"شعر او خالی از لطف نیست ۔ سخنِ او خالی از مزہ نیست ۔ بسیار لصفا حرف میزد ۔ شعر را بہ پاکیزگی می گفت ۔ طبعش بلند افتادہ ۔ از کلامش دردمندی ظاہر است ازکلامش چاشنیٔ تصوف می آید ۔ شعرش شستہ و صاف ذکرش مطبوعِ طبعِ اہلِ انصاف طبع صائب و ذہن ثاقب دارد ۔ خوش فکر و اندیشہ ۔ نکتہ سنج و باریک ہیں ۔ نہایت درست فکر، خوش گو، شیریں گفتار و معانی جو، شیریں زبان، فصاحت قرین، سالک طرزِ لطیف وغیرہ وغیرہ[۱]"

نساخ کا تذکرہ بھی اسی روایت کا پروردہ ہے ۔ انھوں نے بھی مختلف تذکروں کو سامنے رکھ کر ہی اپنے تذکرے کو ترتیب دیا ہے ۔ چنانچہ تنقیدی اصول بھی ان کے یہاں تقریباً وہی ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری سخن شعراء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"میر و شیفتہ کے سے تبصرے بھی ان کے یہاں نہیں ملتے ۔ کسی کے کلام پر رائیں یہاں نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ کہیں کہیں قواعد و عروض، علم بیان اور بدیع اور زبان و بیان کے دوسرے عیوب و محاسن کو انھوں نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے[۲]" جیسا کہ پیشتر ذکر کیا جا چکا ہے ۔ نساخ کا یہ تذکرہ کثیر التعداد شعراء یعنی ۲۴۸۵ شعراء و شاعرات پر مشتمل ہے لہٰذا اتنے بڑے تذکرے میں سبھوں کے کلام پر رائے دینا یا تبصرہ کرنا آسان کام نہ تھا اور ان کے تذکرہ لکھنے کی غرض و غایت بھی یہ نہ تھی جیسا کہ نساخ نے اپنے دیباچہ میں ... جس کا ذکر پیشتر گزر چکا ہے چنانچہ ان کا تذکرہ میر و شیفتہ کی طرح قلیل التعداد شعراء کا تذکرہ نہیں ۔ میر نے صرف ایک سو شعراء کا اور شیفتہ نے ۷۰۴ شعراء کا حال لکھا ہے اور محترمی ڈاکٹر عندلیب شادانی کے قول کے مطابق شیفتہ نے "ان میں سے چھ سو شعراء کے کلام کے متعلق ہرگز کسی رائے کا اظہار نہیں کیا[۳]"

---

[۱] اردو تنقید پر ایک نظر صـ۲۳ [۲] تذکروں کا تذکرہ نمبر صـ۲۵۸ [۳] تحقیق کی روشنی میں صـ۴۹

Marfat.com

نساخ کا تذکرہ بھی شعراء کے کلام پر رائے سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ ایسے شعراء کی تعداد بہت ہی کم ہے اور رائے بھی بہت مختصر مثلاً:

"اشعار ان کے پر مضمون و بامزہ ہوتے ہیں"[1] "شعر خوب کہتے ہیں"[2] "اشعار ان کے آبدار و عاشقانہ ہوتے ہیں"[3] "شعر و سخن سے بہت شوق ہے۔ ابتدا ہی سے نہایت ذوق ہے۔ شعر اچھا کہتے ہیں"[4] "مشکل قافیوں میں شعر عاشقانہ اچھا کہتے تھے"[5] "شعر نمکین کہتے تھے"[6] "ان کی طبیعت میں نہایت شوخی ہے"[7] "مضامین تازہ و عالی و عاشقانہ خوب باندھتے تھے"[8] "طبیعت ان کی علم شعر سے نہایت مناسبت رکھتی ہے"[9] "طبیعت ان کی بہت دشوار پسند ہے"[10] وغیرہ وغیرہ۔

اس کے برخلاف ان کے دوسرے تذکرے تذکرۃ المعاصرین میں رائیں یا تنقیدی مواد زیادہ ہے لیکن شعر کے کلام کی لفظی یا معنوی اچھائی اور برائی سے متعلق واضح نقوش یہاں بھی نہیں ملتے۔ زیادہ سے زیادہ شاعر کے عروض، صنائع و بدائع سے واقفیت کے متعلق یا اس کے کلام پر مجموعی حیثیت سے کسی رائے کا اظہار پاتے ہیں جس سے صرف شاعر کے کلام کی اجمالی خوبی یا حالت کا پتہ چلتا ہے اور بس۔

لیکن اس چیز کے لیے ہم نساخ کو موردالزام بھی نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ اس وقت کا مروجہ اصول نقد یا تبصرہ یہی تھا اور تذکرہ نگاروں نے اسی اصول کی پیروی بھی کی تھی اور نساخ کا تذکرہ بھی عام تذکروں جیسا ہی ایک تذکرہ ہے جس میں روایت کی پیروی کی گئی ہے لہذا نساخ کی ذات سے بھی ہم زیادہ کی امیدیں وابستہ نہیں رکھ سکتے چنانچہ اگر تنقید نگاری کی کسوٹی پر اسے پرکھا جائے تو پروفیسر کلیم الدین احمد صاحب کی اس رائے کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ "کبھی اختصار کے بدلے کچھ زیادہ تفصیل ملتی ہے لیکن تنقید نہیں ملتی۔ طویل رنگین اور درخشاں جملے ملتے ہیں اور یہ شاعروں کے

۱؎ سخن شعراء ص۸۔ ۲؎ ص۱۰۔ ۳؎ ص۴۴۔ ۴؎ تذکرہ سخن شعراء ص۵۱۔ ۵؎ ص۵۲
۶؎ ص۶۸۔ ۷؎ ص۱۴۰۔ ۸؎ ص۱۴۶۔ ۹؎ ص۲۹۱۔ ۱۰؎ ص۳۴۲

محاسن پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان جملوں سے بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نویس کو شاعر کا کلام پسند ہے[1]" مگر یہ قصور تذکرہ نگار کا نہیں بلکہ اس کے ماحول کا اور اس دور کے اصول نقد کا تھا۔

ناسخ کے تذکرے سخن شعراء اور تذکرۃ المعاصرین بھی کم و بیش انہیں اصولوں کی پیروی پر مبنی ہیں چنانچہ ان کے یہاں بھی تنقید کے وہی خط و خال ملتے ہیں جو اس دور کے تذکروں میں موجود تھے۔ بس فرق افراط و تفریط کا ہے چنانچہ ان کے تذکروں میں تقریباً تنقید یا کلام پر رائے یا تبصرہ کی بھی روایت وہی ہے جو ان کے قبل کے تذکروں میں ملتی ہے اور اسی لیئے ان روایتی تنقیدی شعور کے علاوہ ناسخ کے تذکروں میں ہمیں کچھ اور نہیں ملتا۔ بات یہ ہے کہ وہ پرانی قدروں کے حامل تھے۔ شاعری میں بھی انھوں نے اسی ڈگر یعنی دبستان لکھنؤ اور دبستان دلی کے مروجہ اصولوں کو اپنایا اور اسی پر سختی سے کاربند رہے۔ تذکرہ نگاری میں بھی انھوں نے مروجہ اصول کی پیروی کی۔ اسی لیئے ان کے یہاں بھی صرف تنقیدی روایت اور تنقیدی شعور ہی ملتا ہے۔

ناسخ کے ان تذکروں کے نقوش کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے عہد، اپنے ماحول اور اپنے دور کے تنقیدی شعور سے بخوبی آگہی رکھتے تھے اور شعر کی اچھائی یا برائی، صنائع بدائع، عروض و قوافی سے بھی اچھی طرح واقف تھے اور انہیں چیزوں کی واقفیت انیسویں صدی میں ناقد کی حیثیت بھی متعین کرتی تھی۔

(۷) اشعار پر اصلاح :

ناسخ کے تنقیدی شعور کا پتہ ان کے اپنے کلام پر اصلاح سے بھی ملتا ہے انہوں نے اپنے پہلے دیوان کے کچھ اشعار کو دوسرے اڈیشن میں قلم زد کیا۔ بعض کے مصرعوں میں تبدیلی کی، بعض کی ترتیب میں تبدیلی کی اور بعض اشعار کے الفاظ کو بدل کر اس کی جگہ دوسرا لفظ یا ٹکڑا رکھ دیا۔ ان کے اس عمل کو بھی ان کی تنقیدی نظر پر محمول کیا

---

[1] اردو تنقید پر ایک نظر ص۲۳

Marfat.com

جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں :

"تنقید کے متعلق ایک عام خیال یہ ہے کہ فنکار جب تخلیقی کارنامہ پیش کرتا ہے تو خود اس کو تنقیدی زاویۂ نظر سے دیکھتا ہے اور اس میں ترمیم کرتا ہے یہی ترمیم تنقید ہے" [۱]

نساخ نے اس قسم کی ترمیم یا اصلاح کا کوئی جواز تو کہیں پر باضابطہ طور پر پیش نہیں کیا ہے لیکن یہ اشعار خود بتاتے ہیں کہ ان میں نقص یا خرابی تھی اور اصلاح یا ترمیم نے اس خرابی کو دور کر دیا ہے اور شعر نکھر گیا ہے۔ چند مثالیں اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) ہے ہر ہر عضو کا عکس اس کے ہر ہر عضو میں ظاہر
مصفا صورتِ آئینہ ہے ہر عضوِ جاناں کا (پہلا ایڈیشن)
نہ ہو کیوں ٹکڑے ٹکڑے پردۂ چشمِ تماشائی
مصفا صورتِ الماس ہے ہر عضوِ جاناں کا (دوسرا ایڈیشن)

(۲) دفن کرنا اس کو لازم ہے فرنگستان میں
کشتہ ہے نساخ اس کے مکر کا تزویر کا (پہلا ایڈیشن)
دم چرانے کا گماں کیونکہ نہ ہو دے خلق پر
کشتہ ہے نساخ اس کے مکر کا تزویر کا

(۳) نظروں سے گرا، ہو گیا ہر چشم میں وہ خوار
جس پر کہ پڑی اے دلِ شیدا نظرِ عشق (پہلا ایڈیشن)
نظروں سے گرا خوار ہوا چشمِ جہاں میں
جس پہ کہ پڑی اے دلِ شیدا نظرِ عشق (دوسرا ایڈیشن)

(۴) پائی تھی کیسی حلاوت کہ بڑی دقت سے
بزمِ مے میں ہوئی لب سے تری تقریر جدا (پہلا ایڈیشن)
پائی تھی کیسی حلاوت کہ بڑی مشکل سے
بزمِ مے میں ہوئی لب سے تری تقریر جدا (دوسرا ایڈیشن)

(۵) دلِ سوزاں یہ پہلو میں کہاں ہے مرا سینہ سمندر کا مکاں ہے (پہلا ایڈیشن)

---

[۱] اردو تنقید کا ارتقاء ص ۱۲۲

Marfat.com

دلِ پُرسوز پہلو میں کہاں ہے
مرا سینہ سمندر کا مکاں ہے (دوسرا ایڈیشن)

پہلا شعر عیب تنافر سے پُر ہے اور 'ہے' 'کے ساتھ 'ہر ہر' نے سخت کراہت پیدا کر دی ہے اور مضمون بھی پست تھا لیکن دوسرے مصرع کی تبدیلی نے اس عیب کو بھی دُور کر دیا اور رعایت لفظی کے ساتھ مکمل مناسبت سے مضمون بھی بامعنی ہو گیا ہے اور بندش بھی چست ہو گئی ہے۔ دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ مکر و تزویز کی وضاحت نہیں کر رہا ہے۔ فرنگستان کی رعایت سے وہ بات ظاہر نہیں ہو رہی تھی جو شاعر کا مدّعا تھا لیکن دوسرے مصرعے کی تبدیلی نے "مکر و تزویز" کے لیے جواز بھی بخش کر دیا اور معنی کو بھی پورا کر دیا اور مضمون کے عامیانہ پن کو بھی دور کر دیا تیسرے شعر میں دوسرے مصرع کی ترمیم نے مصرعوں میں ہم آہنگی بھی پیدا کر دی اور معنی کو بھی بلندی بخشی۔ چوتھے شعر میں 'دقت' کی جگہ 'مشکل' نے مصرع میں جان پیدا کر دی ہے۔ پانچویں شعر کے پہلے مصرع میں 'یہ' حشو تھا اور دلِ سوزاں بھی سمندر کی رعایت سے کچھ زیادہ مناسب نہیں تھا چنانچہ اس کی جگہ 'دلِ پُرسوز' نے سمندر کی رعایت بھی پوری کر دی اور شعر کے عیب کو بھی دور کر دیا اور معنی کو بھی رفعت بخشی۔

مثالیں تو بے شمار ہیں لیکن میرا مقصد صرف نسّاخ کے تنقیدی شعور کو دکھانا ہے اور ان کی تنقید نگاری سے بحث کرنا جو ان مثالوں سے بھی واضح ہو جاتا ہے۔

ان ترمیموں یا اصلاحوں میں بھی شعر کی ظاہری صورت ہی نسّاخ کے مدِّنظر رہی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ باطنی خوبیوں کا دار و مدار کم و بیش ظاہری خوبیوں پر بھی ہوتا ہے۔ اگر شعر مضمون کے اعتبار سے عمدہ ہو لیکن اس کی ہیئت میں کسی قسم کا سقم رہ گیا ہو تو یہ شعر اپنی بلندیٔ معانی کے باوجود قاری کے دامنِ دل کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔ "ایک ماہر صنّاع کی اعلیٰ کاریگری اس کے فن کی داد حاصل کر کے رہے گی اور اگر یہ کاریگری ایک خالص قیمتی دھات پر ہو گی تو نورٌ علیٰ نور ہو گی۔"

Marfat.com

نساخ جس دور میں تھے اس وقت کا تنقیدی شعور یہی تھا کہ ظاہری فن پر پورا پورا زور صرف کیا جائے اور دبستانِ لکھنؤ کی شاعری تو لفظی صناعی کا نمونہ ہی تھی اور ہم پیشتر جائزہ لے چکے ہیں کہ نساخ اس دبستانِ شاعری کے پیرو رہ چکے ہیں چنانچہ ان کی تنقید اور اصلاح بھی لفظی ہیر پھیر یا ظاہری حسن کی تراش خراش ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

"اصلاح کی تنقید عموماً لفظی ہوتی ہے لیکن اس زمانے کا معیار یہی تھا تنقید میں معانی کے بجائے الفاظ اور خیال کی جگہ اظہار کی طرف زیادہ توجہ کرتے تھے۔"[1] اور نساخ نے بھی اپنے کلام کی اصلاح یا ترمیم کے سلسلے میں یہی کیا۔

(۴) اعتراضات:

جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے کہ نساخ نے ۱۲۹۶ھ میں مرزا دبیر اور میر انیس کے کلام پر اعتراضات کیے تھے جس کے جواب میں "تطہیر الادساخ" "دستانِ دلخراش"، "تفضیح"، "گستاخی معاف"، "طومارِ اغلاط" اور "تردید الایرادات" وغیرہ تنقیدی رسالے وجود میں آئے جو بلاشبہ انیسویں صدی کے مذاقِ تنقید کے صحیح نمائندے تھے اور جس سے ہمارے ادب کے تنقیدی ارتقاء کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

نساخ کے اعتراضات کے محرکات خواہ کچھ ہی کیوں نہ رہے ہوں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے اعتراضات اکثر و بیشتر جائز اور صحیح تھے البتہ بعض بعض اعتراضات ایسے بھی کیے گئے تھے جو اوّل یا تو درست نہ تھے یا اگر درست تھے بھی تو محض اس لیے کہ مطبوعہ نسخے غلط چھپے تھے یا اس قسم کی خامیاں اہم نہ سمجھی جاتی تھیں اور اکثر شعراء کے یہاں موجود تھیں اور اگر اس قسم کی گرفت عام طور پر کی جاتی تو اردو شعر گوئی کا دامن بہت تنگ ہو جاتا۔

ان اعتراضات میں، دو باتیں کام کی ملتی ہیں پہلی چیز یہ کہ ناقد کے لیے جانبداری

---

[1] اردو تنقید کا ارتقاء ص ۱۲۳

Marfat.com

کے عیب سے پاک ہونا ضروری ہے اور اس کے اندر بے باکی ہو کیونکہ بغیر بے باکی کے ناقد غیر جانبداری سے کام نہیں لے سکتا اور شاعر کے معائب کو نہیں دکھلا سکتا دوسری چیز فنِ شعری سے آگہی اور ذاتیات سے الگ ہٹ کر شعر کی پرکھ اور یہ دونوں چیزیں ہمیں نساخ کے اعتراضات میں ملتی ہیں۔

انیس و دبیر کے کلام پر اعتراض کرنا ایک بڑے دل گردے والے انسان کا کام تھا۔ انیس و دبیر دبستانِ لکھنؤ کے مستند اور مسلم الثبوت استاد تھے جن کے پرستاروں کا حلقہ بڑا وسیع تھا اور لکھنوی شعراء کے نزدیک تو ان کی حیثیت ہیرو کی تھی اور مذہب تشیع کے توسط سے لکھنوی عوام کی عقیدت بھی ان کے ساتھ تھی لہٰذا ایسے شعراء پر اعتراض کرنا شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈالنے سے کم نہ تھا لیکن نساخ نے ایک پختہ کار ناقد کی طرح نتائج سے بے پرواہ ہو کر اعتراضات کیے اور اس طرح لکھنوی شعراء کی عقیدت کو سخت ٹھیس پہنچائی۔ اعتراض دور اور ماحول کے مطابق ایسے جچے تلے تھے کہ متعدد رسالے جواب میں لکھے گئے لیکن پھر بھی اکثر اعتراضات اٹھائے نہ اٹھے اور موجودہ دور کے ناقدین کا فیصلہ اکثر وبیشتر نساخ کے حق میں رہا۔

اعتراضات خود بتاتے ہیں کہ معترض فنِ عروض، زبان اور فنِ شعری پر کامل عبور رکھتا ہے چنانچہ ان میں بیشتر اعتراضات کے جوابات میں مجیب حضرات نے مصرعوں میں ترمیم کر کے جواب دیا یا جہاں جواب نہ بن سکا وہاں یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا کہ انیس و دبیر جو کہہ دیں وہی صحیح ہے مگر موجودہ دور میں جبکہ اردو قیدِ لکھنؤ یا دلی سے آزاد ہو گئی ہے اور اس کے بولنے لکھنے اور ادب پیدا کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا ہے اور اردو ہندو پاکستان کے عوام کی زبان بن گئی ہے۔ یہ جواب کوئی جچا تلا نظر نہیں آتا بلکہ اس سے مجیب حضرات کا عجز ٹپکتا ہے۔

نساخ نے اعتراضات کے سلسلے میں انیس و دبیر کی ذاتیات سے کچھ سروکار نہیں رکھا ہے اور نہ اس دور کے مروجہ اصول کے مطابق ان پر جا و بے جا کیچڑ اچھالی ہے اگر کہیں کہیں طنز سے کام بھی لیا ہے تو نہایت دھیمے انداز میں مثلاً کالستھوں میں

Marfat.com

محاورہ ہے[1] "میر صاحب نے بزورِ طبع موزوں اوزانِ رباعی میں کوئی نیا وزن نکال کے لکھ دیا ہے[2]" "یہ خاص اہلِ قصبات کی زبان ہے[3]" "واہ رے قیاس[4]" "قافیہ تنگ ہوگیا ہے[5]" "غرض کا لفظ رزق کے ساتھ کیا خوب واقع ہوا ہے کہ قابلِ دید ہے[6]" "ضرورتِ شعری سے لکھا گیا ہے تو شعر کہنا کیا ضرور ہے[7]" وغیرہ۔

لیکن اس کے برخلاف نساخ کے اعتراضات کے جواب میں جو رسالے لکھے گئے ان کا طریقہ کار ایک ناقد کے شایانِ شان نہ تھا۔ ذاتیات پر کیچڑ اچھالنے کے علاوہ سخت سست کہنے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا مثلاً محاورات فصحائے لکھنؤ میں اہلِ بنگالہ کو کیا تمیز و وقوف ہے[8] "معلوم ہوتا ہے کہ معترض کی نظر سے کتب معانی و بیان نہیں گذری ہیں ورنہ ایسے اعتراضاتِ جاہلانہ نہ کرتا[9]" "کسی استادِ محقق واقفِ نشیب و فراز وادیِ سخن سے استفادہ کیا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا[10]" "اہلِ محاورہ کے اصطلاحات سے واقف ہونا قصباتیوں کا کام نہیں[11]" "آپ تو بنگالہ کے اطراف میں رہتے ہیں وہاں تو ہاتھی آئی اور ہتھنی آیا کہتے ہیں[12]" "جن لوگوں کی غذائے لطیف سڑی مچھلی اور اُبسا بھات کلگونہ ہلدی اور کڑوا تیل ہے وہ لوگ اگر اہلِ تہذیب اور باتمیز مخلوق کی رسمیات سے بے خبر ہوں تو مقامِ تعجب نہیں[13]" "اردو ملاحوں کی زبان نہیں ہے اس میں آپ کو کیا مداخلت[14]"

نساخ کے اعتراضات کے انداز اور لب و لہجہ کے مقابلے میں لکھنوی ادباء کا لب و لہجہ سخت بھی ہے اور طبعِ سلیم کے لئے گراں بھی۔ اسی طرح جوابات بھی اکثر منہ زوری اور غلط تاویل پر مبنی ہیں اور انہیں چیزوں کی موجودگی اور عدم موجودگی ایک اچھے اور برے ناقد کی پہچان کی گواہی دیتی ہیں چنانچہ جب ہم نساخ کے اعتراضات (تنقید) کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کے اعتراضات کے اندر یہ دونوں چیزیں یعنی بے لاگ تنقید

۱؎ انتخاب نقص ص۴ ۔ ۲؎ ص۸ ۔ ۳؎ ص۹ ۔ ۴؎ ص۱۰ ۔ ۵؎ ص۱۰ ۔ ۶؎ ص۱۱ ۔ ۷؎ ص۲۰
۸؎ ص۲۹ تطہیر الادساخ ۹؎ ایضاً ص۹۴ ۱۰؎ گستاخی معاف ص۲۴ ۔ ۱۱؎ ایضاً ص۲۶ ۔ ۱۲؎ ص۲۵
۱۳؎ "تردید الارادت" ص۱۵ ۔ ۱۴؎ ایضاً ص۴۷

غیر جانبداری اور فنِ شعر سے آگہی اور ذاتیات سے الگ ہٹ کر اعتراضات کرنے کے شعور ملتے ہیں اور انہیں دنوں چیزوں کی موجودگی نساخ کو ان کے معاصر ناقدین کے صف میں ممتاز کرتی ہے۔ شعر کی پرکھ اور ان پر اعتراض کرنے سے کہیں اہم کام ایک ناقد کا لب ولہجہ ہوتا ہے کیونکہ لب ولہجہ فنِ نقد نگاری میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور ایک اچھے ناقد کی پہچان یہی ہے کہ اس کا لہجہ دھیما ہو۔ ناقد نفسِ مضمون کے علاوہ شاعر کی ذات اور اس کے مرتبے سے کوئی تعلق نہ رکھے ہاں اگر شاعر یا ادیب کی شخصیت کا اثر اس کی تخلیق پر پڑا ہو تو اسی حد تک اس سے بحث کرے لیکن ایسے جملے یا الفاظ نہ استعمال کرے جس سے اس کی شخصیت پر حملہ ہو یا اس کے خط و خال خواہ مخواہ ماند پڑ جائیں۔ یہ اصول اگرچہ جدید ہے اور تنقید نگار کا طریقۂ کار لیکن جب نساخ کے اعتراضات کا اس پہلو سے جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس اصولِ تنقید کے کچھ واضح نقوش یعنی لب ولہجہ کا دھیما پن ان کے اعتراضات میں بھی ملتا ہے اور یہی چیز ان کو ان کے معاصر ناقدوں میں ممتاز کرتی ہے اور ان کی تنقید کے ڈانڈے کو جدید تنقید نگاری کے ڈانڈے سے ملاتی ہے۔

جدید تنقید نگاری کی ابتدا سے پہلے ہمارے ادبِ اردو میں فنِ تنقید کے ارتقاد کی تین کڑیاں ملتی ہیں۔ ۱۔ تذکرے میں کلام پر رائے ۲۔ کلام پر اساتذہ کی اصلاح اور ۳۔ اعتراضات۔ اور نساخ کے یہاں یہ تینوں کڑیاں موجود ہیں لہذا نساخ کی تنقید نگاری اردو ادب میں نہایت اہمیت کی حامل ہے کیونکہ ادب اردو میں ہمیں کسی ایک فردِ واحد کے یہاں اس سلسلے کی تینوں کڑیاں الگ الگ تو مل سکتی ہیں لیکن مجموعی طور پر نساخ کے علاوہ شاذ ہی ملیں گی۔ اس طرح نساخ کا ناقد کی حیثیت سے مقام اہم نظر آتا ہے کیونکہ ان کے تنقیدی شعور سے ہم ادب اردو کے تنقیدی ارتقاء کے مقام کا تعین کرنے میں اچھا خاصا کام لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ نساخ کے رسالے انتخابِ نقص کی وجہ سے کئی تنقیدی رسالے بھی وجود میں آئے جس نے اس دور کے تنقیدی شعور کو ادبِ اردو میں سمیٹ لیا لہذا اردو ادب کی تنقید کی تاریخ جب کبھی لکھی گئی یا لکھی جائیگی نساخ کے رسالے انتخاب نقص اور اس کے جواب میں جو رسالے

Marfat.com

لکھے گئے انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور نسّاخ ایک ناقد کی حیثیت سے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔

یہ اعتراضات اس دورِ جدید میں ممکن ہے کوئی مقام نہ رکھتے ہوں یا آئندہ ان کا شمار تنقید نگاری کی صنف میں ہی نہ ہو سکے مگر تنقید کے ارتقا کی تاریخ میں یہ ہمیشہ سنگِ میل کا کام دیں گے اور اس وقت نسّاخ کا تذکرہ ایک ناقد کی حیثیت سے ناگزیر ہو گا۔

نسّاخ کے اعتراضات سے ایک دوسری چیز منظرِ عام پر آتی ہے اور وہ ہے اردو کی وسعت اور ہر دلعزیزی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ انیسویں صدی کے آخر تک اردو زبان پر دہلویت اور لکھنویت کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ زبانیں بھی انہیں دونوں جگہوں کی مستند مانی جاتی تھیں اور اتباع بھی انہیں دونوں مقاموں کا ہوتا تھا مگر نسّاخ کے اعتراضات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اردو کسی ایک مخصوص جگہ میں مقید نہیں اور نہ کسی ایک مخصوص علاقہ کی ہی زبان ہے۔ اس کی وسعت ہندوستان گیر ہے اور غلطی خواہ اہلِ زبان کرے یا دور افتادہ علاقہ بنگال کا رہنے والا سبھوں سے ممکن ہے چنانچہ اس طرح نسّاخ کے رسالے کو لسانی اہمیت بھی حاصل ہے اور نسّاخ خود اس عالمگیر تحریک کے روحِ رواں نظر آتے ہیں جو زبانِ اردو کو علاقوں کی قید سے آزاد کرانے میں پیش پیش تھے۔

بہر کیف نسّاخ کی شخصیت ایک ناقد کی حیثیت سے بھی اردو ادب میں ایک نمایاں مقام کی حامل ہے اور ان کا رسالہ "انتخاب نقص" فنِ تنقید نگاری کی تاریخ میں ایک گراں مایہ اضافہ ہے اور ہماری تنقید نگاری کی تاریخ میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

(۴) سوانح نگار :۔

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں :

"اپنی سوانح عمری لکھ کر بھی ضروری نہیں کہ کوئی شخص آپ بیتی لکھ سکے اپنی سوانح عمری اس حد تک تو ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات لکھ دے یا زیادہ سے زیادہ تھوڑی دوران کے باطنی محرکات کا بیان بھی کر دے لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص وہ سب کچھ لکھ دے جو اس پر اور اس کے دل پر گزری ہے : ایک لحاظ سے آپ بیتی یا خود نوشت سوانح عمری کی صنف دوسروں کی لکھی ہوئی سوانح عمریوں کے مقابلے میں خاصی نارسا اور ناقص چیز ہوتی ہے ۔ اس کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں ہوتی ہیں ۔ دوسروں کا خوف اور اپنے آپ سے محبت ۔ ایک اچھا سوانح نگار اپنے فن کی لاج رکھنے کے لئے بہت سی ایسی باتیں بھی بیان کر دیتا ہے جو خود نوشت نویس کے لیے ممکن نہیں ہوتیں ۔ سوانح نگار اپنے ہیرو کے کردار کا جج بن سکتا ہے اس کی کمزوریوں کا شمار بھی کر سکتا ہے لیکن آپ بیتی میں اپنی محبت اور دوسروں کا خوف ہر وقت دامنگیر رہتا ہے وہ نہ اپنے گناہوں کی صحیح فہرست پیش کر سکتا ہے نہ اپنا صحیح جج بن سکتا ہے ۔"[۱]

جب ہم نساخ کی خود نوشت سوانح عمری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ڈاکٹر صاحب موصوف کے قول کی صداقت نمایاں طور پر نساخ کی خود نوشت سوانح نویسی میں نظر آتی ہے ۔ نساخ نے "واقعات کی خارجی روداد" تو پیش کی ہے مگر اپنے اندرونی تاثرات کو صاف صاف چھپا دیا ہے ۔ انھوں نے زندگی کے جستہ جستہ واقعات مزے لے کر بیان کیے ہیں ۔ خوبیوں کو بیّن طور پر اجاگر کیا ہے لیکن برائیوں پر پردہ ڈال دیا ہے ۔ ان کی سوانح عمری کو غور سے پڑھنے کے بعد ایک خاص خاکہ ان کی ذات کے متعلق جو ابھرتا ہے وہ

---

[۱] نقوش آپ بیتی نمبر صد ۱۹

Marfat.com

یہ ہے کہ نساخ خوبی مجسم تھے برائیوں سے متنفر تھے اور خوبیوں کے شیدا تھے مگر ان کی اس پرائیویٹ لائف کے خدوخال نہیں ابھرتے جو انسان کی فطرت ہے اور جو انسان کے خمیر میں ازل سے پوشیدہ رکھی گئی ہے کیونکہ انسان نام ہے برائیوں اور اچھائیوں کے امتزاج کا۔ انسان جہاں فرشتہ ہوتا ہے وہاں شیطان بھی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ "آپ بیتی کی ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ اس میں مصنف یا تو سب کچھ چھپا جاتا ہے یا بہت بننے کی کوشش کرتا ہے اور مبالغہ سے کام لیتا ہے"[1]۔

نساخ کی آپ بیتی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ نساخ نے بھی اپنی زندگی کے بہتیرے واقعات کو پوشیدہ رکھا ہے۔ انھوں نے اپنی برائیوں کے ضمن میں اگر کچھ ذکر کیا ہے تو بچپن کے ایک دو واقعات گویا اپنے قاری کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ان کا بچپن شرارتوں میں گزرا لیکن یہ معصومانہ شرارتیں بچپن میں کم و بیش سبھی سے سرزد ہوتی ہیں جوانی اور بڑھاپے میں یہ شرارتیں قابل گرفت نہیں سمجھی جاتیں بلکہ چٹخارے لے لے کر اور دہی گزرے دنوں کی یاد کے طور پر بیان کی جاتی ہیں۔

محترمہ ریحانہ لکھتی ہیں:۔

"انسان کی طبیعت میں ہے کہ شعوری یا لاشعوری طور پر اپنے آپ سے اسے محبت ہوتی ہے اور وہ یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس میں بھی عام انسانوں ایسے خصائص اور عام انسانوں ایسی خامیاں ہوں[2]"۔

نساخ کی آپ بیتی پڑھ کر بھی یہ احساس ہوتا ہے کہ نساخ میں عوام الناس جیسے خصائل نہ تھے۔ وہ بہت زیادہ ذہین تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں:۔

"میرے ذہن کا یہ حال تھا کہ صبح کو بعد آموختہ کے وہ (ان کے استاد) ایک بار سبق پڑھا دیتے تھے۔ دوسری بار میں پھر اس سبق کو پڑھ کے سنا دیتا تھا۔ دوسرے روز صبح کو ان کو اپنا سبق از بر سنا کے نیا سبق لیتا تھا" خط ناخن سیکھنے کا خیال آیا اور

---

[1] نقوش آپ بیتی نمبر ص ۶۲-۶۱۔ [2] نقوش آپ بیتی نمبر ص ۱۱

Marfat.com

مرزا امیر جان خوشنویس نے لکھانے سے اغماض کیا تو "خطِ ناخن لکھا ہوا ایک ٹکڑا کاغذ منگوایا اور خوب غور سے دیکھا اور دوسرے کاغذ پر خط کھینچنے لگا اس میں آپ اس کا قاعدہ معلوم ہو گیا اور میں لکھنے لگا۔ اس میں خوب مشق بہم پہنچائی اور ایسی ترکیب نکالی کہ جس خوشنویس کے ہاتھ کا لکھا ہوا حرف ہو میں ویسا ہی ناخن سے لکھ دیتا تھا" دیوناگری بیتال پچیسی پڑھانے کی خاطر سیکھنی پڑی تو "ایک ہی دن میں حروف وغیرہ یاد کر لیے اور بیتال پچیسی کے کئی ورق پڑھ لیے۔ دوسرے روز سے صاحب موصوف کو پڑھانے لگا غرض پوری بیتال پچیسی پڑھا دی ان کو مطلق معلوم نہ ہوا کہ میں ناگری نہیں جانتا تھا"۔ علم نجوم سیکھا تو ایسی مہارت پیدا کر لی کہ بارِلیسال میں ہزاروں مقدمے بذریعہ نجوم فیصل کیے۔ غرضیکہ یہ وہ واقعات ہیں جن سے ان کے اوصاف پر روشنی پڑتی ہے اور یہی چیزیں انھیں عوام الناس سے ممیز بھی کرتی ہیں۔ ان واقعات سے ان کی ذہانت وفتانت پر روشنی پڑتی ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ اپنی زندگی کے مختصر حالات و سوانح وہ "حسبِ خواہش احباب" درج کر رہے ہیں جس کا مقصد بھی یہی تھا کہ عوام کے سامنے ان کی سوانح اور حالاتِ زندگی پیش ہوں ایسی حالت میں انسان اپنے معائب کو سرِ بازار نہیں لیے پھرتا بلکہ سعدی کے قول کے مصداق

اے ہنر ہا نہادہ بر کفِ دست عیب ہا را نہفتہ زیرِ بغل

سے کام لیتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے اور انسان بقول یوسف جمال انصاری صاحب "اپنے عیوب پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے تاکہ دوسروں کی نظروں اور ان سے بھی بڑھ چڑھ کر خود اپنی نظروں میں سرخ رو ہو سکے"[۱]۔ نساخ کی خود نوشت سوانح عمری بھی اس عیب سے پاک نہیں۔ الطاف فاطمہ نے بجا کہا ہے:

آپ بیتی اسی وقت دلکش اور حسین ہوتی ہے جب انسان سچائی اور دیانت داری سے پیش کرے ورنہ سادہ اور سپاٹ زندگی کو تصنع کا خول چڑھا کر پیش کرنا تو فضول

۱۔ نقوش آپ بیتی نمبر ص۸۔ ۲۔ اردو ادب میں فنِ سوانح نگاری کا ارتقا ص۳۰۵

Marfat.com

ہی ہوتا ہے۔"[1]

سوانح نگار جب اپنی زندگی کے اوراق منتشر کو یکجا کرتا ہے اور دیانتداری سے کام لیتا ہے تو ان تمام اچھے اور برے تجربات کو اکٹھا کر دیتا ہے جو اسے زندگی اور کارزارِ حیات میں پیش آئے ہوں تاکہ اس کی خامیوں اور غلطیوں سے دوسرے عبرت حاصل کریں اور اپنا دفاع کرسکیں۔ اسی لیے "ایک اچھے آپ بیتی لکھنے والے سے اس امر کی توقع کی جاتی ہے کہ اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان اعمال اور افعال کا جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں اس کی ذات سے صرف اتنا ہی تعلق ہے کہ وہ اس کے نام سے منسوب ہیں ورنہ اب وہ دوسروں کی امانت ہیں۔ دوسرے ان سے خواہ سبق لیں یا لطف"[2]

فنی طور پر نساخ کی آپ بیتی بھی انہیں خامیوں سے پُر ہے۔ ان کی سوانح سے ایک بات واضح طور پر یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ خوئے خود پسندی میں گرفتار رہے اور سوانح نگاری کا مطلب "ہم چو ما دیگرے نیست" بن کر رہ گیا ہے۔

آپ بیتی لکھنا ہے بھی بڑا مشکل فن کیونکہ "دراصل آپ بیتی کہتے وقت سچائی اور اس کے تحت آنے والی جرأت و بے باکی و صاف گوئی بھی آپ بیتی لکھنے والے کا زبردست امتحان ہے۔ آپ بیتی دلکش ہو ہی تب سکتی ہے اور اس کے صحیح ہونے کا یقین بھی تب ہو سکتا ہے کہ انسان خود اپنا ناقد بن کر اپنی زندگی کے تمام اچھے برے پہلو دکھائے"[3] مگر اردو ادب کی دوسری آپ بیتیوں مثلاً سرسید رضا علی کا اعمال نامہ اور حکیم احمد شجاع کی آپ بیتی "خونبہا" شاد عظیم آبادی کی "شاد کی کہانی شاد کی زبانی" وغیرہ میں بھی کم و بیش یہی عیب موجود ہے۔ مشرق میں آپ بیتی لکھنے کا مقصد یہی تھا کہ اپنی شخصیت کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے۔ لہٰذا اس خامی کو نظر انداز کرکے دیکھا جائے تو نساخ کی آپ بیتی بھی معلوماتی ہے کیونکہ نساخ کے حالات، ان کے ماحول، ان کی سیرت اور حیات کے خاکے میں اچھی طرح رنگ سازی کر سکتے ہیں۔ ان کے اساتذہ،

---

[1] اردو ادب میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء ص۳۰۵۔ [2] اردو ادب میں فن سوانح نگاری کا ارتقاء ص۳۰۴۔ [3] نقوش آپ بیتی نمبر ص۹۲

Marfat.com

ان کے دواوین کی ترتیب ان کی معاش کے لیے تگ و دو، ان کے مختلف علاقوں میں تقرر کی مدت اور ان علاقوں کے ادباء و شعراء اور مشہور شخصیتوں کے متعلق حالات معلوم کر سکتے ہیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

نساخ نے بعض علاقوں کی خاصیتیں بھی لکھی ہیں اور بے کم و کاست لکھ دی ہیں گویا یہ تاثرات ان کے تجربات کا نچوڑ ہیں اور ان کی دلی کیفیت و تاثر کا آئینہ مثلاً باریسال اور سلہٹ کے باشندوں کے متعلق ان کے بیانات۔

لیکن ان کی سوانح عمری میں ایک چیز بری طرح کھٹکتی ہے یعنی سیاسی حالات کا ذکر جو ان کی خودنوشت سوانح میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر نے ہندوستان میں تغیر عظیم پیدا کر دیا۔ سیاسی طور پر ہندوستان کی آزادی و خودمختاری کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی گئی اور ہند و پاکستان انگریزوں کی غلامی کی زنجیر میں جکڑ دیا گیا مگر نساخ نے اپنی سوانح میں اس کا ذکر برائے نام اور سرسری طور پر کیا ہے البتہ لکھنؤ اور دلی کے ذکر میں وہاں کے انقلاب نے جو کیفیت پیدا کی تھی اس کا ہلکا سا عکس اس میں موجود ہے مگر ہندوستان اور خاص کر بنگال کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالت پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے لیکن اس کمی کی وجہ سے ہم نساخ کی گرفت بھی نہیں کر سکتے کیونکہ آپ بیتی لکھنے والا جن واقعات کو اپنے نقطۂ نظر سے اہم اور ضروری سمجھتا ہے، لکھتا ہے اور باقی باتوں کو خواہ وہ دوسروں کی نظر میں کتنی ہی اہمیت کیوں نہ رکھیں قلم زد کر دیتا ہے۔[1]

نساخ کی آپ بیتی کا ایک بڑا عیب یہ ہے کہ ان کے یہاں توازن کی کمی ہے حالانکہ آپ بیتی میں توازن کی اشد ضرورت ہوتی ہے چنانچہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ "خودنوشت میں سب سے اہم چیز توازن ہے وہ نہ تو اپنے پنداری کا صنم کدہ ہو اور نہ محض اپنے مخصوص فلسفے ہی کا تذکرہ، اگر ایسا ہوا تو وہ خودنوشت تو ہوگی لیکن

---

[1] نقوش آپ بیتی نمبر صفحہ ۴۰

لذات سے محروم "۔

آپ بیتی میں طرزِ تحریر کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ اگر اندازِ بیان دلنشین ہو اور طرزِ بیان میں خلوص ہو تو اس سے آپ بیتی میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ آپ بیتی قاری کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچے بغیر نہیں رہتی۔ نساخ کی آپ بیتی میں زبان و بیان کی کوئی رنگینی نہیں اور نہ تحریر ہی دلنشین ہے۔ جملے ان کے گو بڑے بڑے نہیں ہیں لیکن بسا اوقات جملے کی ساخت بھی روانی اور تسلسل میں مانع آتی ہے۔ حالی کی سی سادہ اور پرکار نثر نساخ کی آپ بیتی میں نہیں ملتی۔ جملے کی ساخت میں نساخ عموماً نفی کو فعل کے بعد لائے ہیں جیسے "دیکھا نہیں"، "پایا نہیں" وغیرہ۔ اس سے جملے کی بے ساختگی جاتی رہتی ہے۔ "کے اور کی، کے لکھنے میں کوئی امتیاز نہیں برتا ہے۔ املا پرانے اصول کے مطابق ان کے بجائے " اون "، اس کے بجائے " اوس "، انہوں کے بجائے " اونہوں " وغیرہ کا استعمال نساخ نے عام طور پر کیا ہے۔ جملوں میں چستی اور بیان میں روانی و سلاست بھی موجود نہیں۔ بلاضرورت "کو" کا استعمال وہ کرتے ہیں البتہ سرسید مرحوم کی طرح ان کے یہاں " کرکر " کی طرح کے الفاظ نہیں ملتے۔ ان کی آپ بیتی میں بعض ایسے الفاظ بھی مستعمل ہوئے ہیں جو خاص بنگلہ زبان کی آورد معلوم ہوتے ہیں مثلاً اٹھتالیس "ایک چالیس" "طالب علم لوگ"، "اٹھنے کے آگے"، "منشی لوگ"، "مترجم لوگ" وغیرہ۔ اس کے علاوہ ان کی آپ بیتی میں تذکیر و تانیث کی غلطیاں بھی موجود ہیں، عبارتیں بھی بہت سست ہیں۔

چونکہ ان کی آپ بیتی مسودہ کی شکل میں ہے اس لئے غلطیاں رہ گئیں۔ ہوسکتا تھا کہ وہ ان غلطیوں کو نظرثانی کے بعد دور کر دیتے لیکن زندگی نے وفا نہ کی، کیونکہ اس قسم کی غلطیاں " زبانِ ریختہ " یا " تذکرہ سخن شعرا " یا " انتخاب نقص " میں ہم نہیں پاتے۔

بہرکیف نساخ کی خودنوشت سوانح عمری ان کی ذات کی معلومات کے حصول کے لئے اہمیت رکھتی ہے اور اردو ادب میں آپ بیتیوں میں نساخ کی " خودنوشت سوانح عمری " ایک اور اضافہ ہے۔

Marfat.com

باب چہارم

عبدالغفور نسّاخ کی خدمات زبان وادب

نسّاخ نے نہ تو اردو شاعری میں حالی و آزاد کی طرح کوئی جدّت طرازی کی اور نہ وہ اردو شاعری میں کوئی انقلاب لائے ۔ وہ داغ ، امیر اور حسرت کی طرح ایک غزل گو شاعر تھے اور شاعری کی پرانی روش کے علمبردار ۔ انھوں نے نہ غالب کی طرح غزل کی تنگ نائی کی کوئی شکایت کی ہے اور نہ غزل کی ہئیت میں کوئی تبدیلی کی ہے اور نہ اصناف سخن کے مروّجہ اصول کے کہیں خلاف چلے ہیں اور نہ اپنے تلامذہ کو اس کی تلقین کی ہے ۔ ان کی شاعری کا سرمایہ غزلیات، مثنوی (سراپا) ، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے اور انیسویں صدی میں انھیں اصنافِ سخن کو عام قبولیت بھی حاصل تھی ۔

اسلوب بیان کے اعتبار سے بھی انھوں نے کوئی نمایاں کارنامہ نہیں چھوڑا ہے ابتدا میں طرزِ لکھنؤ کی پیروی کرتے رہے اور جب اس سے سیر ہو گئے اور لفظی بازیگری سے اکتا گئے تو دلّی کی سادہ گوئی کی طرف راغب ہوئے اور اسی کو آخردم تک نباہتے رہے ۔ موضوع کے اعتبار سے بھی انھوں نے مروجہ موضوعات کے علاوہ کوئی اور مضمون نہیں باندھا ۔ البتّہ دونوں طرزوں کی پیروی کی اور دونوں میں کامیاب رہے اور اس چیز میں امتیاز حاصل کیا کہ اپنی ذہنی رو کو جب دلّی کی طرزِ شاعری کی طرف موڑا تو اس میں بھی اچھی خاصی کامیابی حاصل کی ۔ حالانکہ ایک طرزِ خاص کی مسلسل مشق کے بعد یکلخت اپنی ذہنی رو کو اس طرح موڑ لینا کہ اس کے آگے ایک مدّت کی مشق ماند پڑ جائے ، آسان کام نہیں ۔ لیکن نسّاخ کے یہاں ہم اس کی مثال پاتے ہیں اور دونوں طرزوں میں بیّن فرق بھی ۔

Marfat.com

نساخ ایک مسلّم الثبوت استاد، قادر الکلام شاعر، تاریخ گو، تذکرہ نویس، سوانح نگار اور کثیر التصانیف ادیب تھے ۔ جن کی تصانیف و تالیفات کی تعداد ۲۳ تک پہنچتی ہے ۔ اس میں دیوان کے علاوہ نظم و نثر دونوں قسم کی تخلیقات شامل ہیں ۔

ان تخلیقات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے اردو ادب کی گراں قدر خدمت کی ہے اور ادبِ اردو کے دامن کو وسعت دی ہے ۔

تصانیف و تالیفات کے علاوہ نساخ نے اپنے تلامذہ کی بھی ایک خاصی تعداد چھوڑی ہے جنھوں نے اپنی شاعری سے اردو زبان کا علَم بلند کیا اور دلی اور لکھنؤ سے دور افتادہ علاقہ بنگال اور اس کے چپے چپے میں اس کی شمع روشن کی اور اپنی تخلیقات سے اردو کی خدمت کرتے رہے اور اس کے گیسو کو سنوارتے رہے اور نساخ کی یہ کوشش اردو ادب اور زبان کے لیے ایک گرانمایہ خدمت تصور کی جا سکتی ہے ۔

نساخ کے تلامذہ کی کثیر تعداد تھی (۳۲) ان میں سب سے سربرآوردہ عصمت اللہ انسخ تھے ۔ خود انسخ کے شاگردوں کی تعداد ۲۵ تھی جن میں حضرت نساخ کے فرزند حضرت شمس بھی شامل ہیں ۔ شمس کے تلامذہ کا بھی حلقہ بہت وسیع تھا ۔ ان کے شاگردوں میں مولانا رضا علی وحشت تھے، جو خود بھی کثیر التلامذہ تھے ۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو نساخ کے شجر شاعری سے جو شاخیں پھوٹیں ان کا شمار کرنا بہت مشکل امر ہے ۔ گویا نساخ کو بھی خاص کر بنگال میں وہی حیثیت حاصل ہے جو دلی میں استاد ذوق یا لکھنؤ میں ناسخ مرحوم کو تھی ۔ انھوں نے شاعری کی جو جوت جگائی تھی اس کی روشنی ان کے اور ان کے شاگردوں کے توسّل سے آج بھی کسی نہ کسی شکل میں بنگال اور مشرقی پاکستان میں فروزاں اور روشن ہے اور اس چیز کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے پوربی علاقے میں نساخ کی شخصیت کو بڑی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے اور ان کی اس گراں قدر خدمت کو تسلیم نہ کرنا بڑی ناانصافی ہوگی کیونکہ جب انیسویں صدی عیسوی میں اردو زبان کی وسعت پر نگاہ کرتے ہیں تو پنجاب سے لے کر سلہٹ اور چاٹگام تک اردو ہمیں پھیلی ہوئی ملتی ہے ۔ نہ صرف یہ کہ یہ زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی بلکہ اس میں ادب بھی پیدا ہو رہا تھا اور شعراء دادِ سخن بھی دے رہے تھے

Marfat.com

اور شاعر ساز اور شاعر گری کی حیثیت میں بنگال کی سرزمین میں ضیغم اور وحشت کے بعد اگر کسی شخص پر نظر پڑتی ہے تو وہ نساخ ہیں۔ اس میں بھی نساخ اپنے استاد ضیغم اور وحشت سے گوئے سبقت لے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ضیغم و وحشت نے شاعر گری تو کی لیکن ادب میں کوئی مقام نہ پیدا کر سکے بلکہ ضیغم و وحشت سے ہماری واقفیت کا ذریعہ بھی ان کے شاگرد نساخ ہی ہیں۔ ضیغم کی تخلیقات میں ایک مثنوی کلاکام کے علاوہ اور کسی چیز کا پتہ نہیں ملتا اور وحشت کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا دیوان بھی مرتب ہوا تھا یا نہیں چنانچہ ان کی شاعری کے جو نمونے بھی ہمیں ملتے ہیں وہ نساخ کے تذکرے سے ملتے ہیں لیکن نساخ کی تمام تخلیقات منظر عام پر آچکی ہیں اور وہ مطبوعہ ہیں اور بنگال میں نساخ شاعری میں بھی ایک مقام رکھتے ہیں۔

نساخ نے جہاں اردو شاعری کو زندہ رکھا اور اردو ادب کو قابل فخر تلامذہ دیئے وہاں اس سرزمین پر ان کا یہ احسان بھی ہے کو یہاں کے ادبا و شعرا کو بھی اپنے تذکرے میں جگہ دے کر زندہ و قائم رکھا، ورنہ آج ان شعرا سے ہماری واقفیت بھی نہ ہوتی اور نہ ہم یہی جان سکتے کہ دلی اور لکھنؤ سے ہزاروں کوس دور اردو ادب کے خالق اور اردو زبان کے شیدائی بنگال اور اس کے دور افتادہ علاقے چاٹگام اور سلہٹ میں بھی موجود تھے۔ نساخ کا اسے کارنامہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ لسانی پہلو سے یہ بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے اور بالخصوص آج کے دور میں جب کہ اس خطۂ زمین کے افراد اس پر تلے بیٹھے ہیں کہ یہاں کی زبان بنگلہ کے علاوہ کوئی اور زبان نہ تھی۔ اردو زبان باہر کی زبان ہے اور اگر زبانِ اردو کہیں بولی اور سمجھی جاتی تھی تو صرف نوابانِ ڈھاکہ کے خاندان میں۔ لیکن نساخ کے تلامذہ اور ان کے تذکرے کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اردو ادب کے شاعر تاجر بھی تھے اور طبیب بھی۔ مدرسہ کے استاد بھی تھے اور زمیندار بھی۔ ان میں عامی بھی تھے اور عارف بھی۔ اور یہی چیز اردو زبان کی ہمہ گیری کی بھی دلیل ہے۔ بہرکیف اردو زبان کی جب بھی کوئی جامع تاریخ لکھی جائے گی، نساخ کی خدماتِ زبانِ اردو ادب کی فہرست طویل ہوگی اور اس وقت بھی ان کی معرکۃ الآرا تصنیف تذکرۂ سخن شعرا کو بڑی اہمیت

Marfat.com

حاصل ہو گی کیونکہ جیسا کہ اس تذکرہ پر بحث کرتے ہوئے میں نے بیان کیا ہے کہ اس میں اسّی سے زیادہ بنگال کے اردو شعرا کا ذکر موجود ہے اور ان کے تلامذہ اور سلسلۂ تلامذہ کی تعداد کو اکٹھا کر کے دیکھا جائے گا تو سینکڑوں شعرا و ادبا اردو زبان و ادب کی خدمت کرتے ہوئے نظر آئیں گے ۔ اس کے علاوہ نساخ کے تذکرے کے سبب سے اردو زبان کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے جو پنجاب سے شروع ہو کر سلہٹ اور چاٹگام پر ختم ہوتا ہے اور اس سلسلے کی کڑیوں کو جوڑنے میں نساخ کا تذکرۂ سخن شعرا بڑا اہم کردار ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے ۔

انیسویں صدی عیسوی میں جب ہم بنگال کے اردو ادب کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو نساخ کے معاصرین کی تعداد بھی اچھی خاصی نظر آتی ہے جن میں عبیداللہ العبیدی ، حکیم اشرف علی مست ، عبدالغفار اختر ، خواجہ فیض اللہ شائق ، عبدالرحیم صبا ، محمود آزاد وغیرہ مختلف علاقوں میں دادِ سخن دیتے نظر آتے ہیں ۔

عبیداللہ العبیدی کا ایک اردو دیوان بھی مطبوعہ ہے ۔ حکیم اشرف علی مست کا صرف ایک سراپا موجود ہے ۔ شائق ، اختر اور صبا کی شاعری کے کچھ نمونے ملتے ہیں ۔ محمود آزاد کی صرف چند اردو غزلیں ہم تک پہنچی ہیں عبیدی کی تصنیفات زیادہ تر عربی و فارسی میں ہیں ۔ نساخ کی اردو تخلیقات کی تعداد ۱۸ ۔ گویا اپنے معاصرین میں ابھی زمانے سے برفوقیت رکھتے ہیں ۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مست شروع سے آخر تک لکھنوی طرز کا تتبع کرتے رہے ۔ عبیدی کی اردو شاعری بے رنگ ہے ۔ شائق ، اختر اور صبا کی شاعری کے صرف نمونے ہی ملتے ہیں ۔ البتہ آزاد کا رنگ لکھنوی طرز کا نہیں اور دہلوی رنگ میں ان کی جو چند غزلیں ہم تک پہنچی ہیں وہ یقیناً ایک امتیازی شان کی مالک ہیں ۔ لیکن ان کی شاعری کا اصل رنگ فارسی میں اجاگر ہوا ہے ۔ صرف لے دے کے ایک نساخ ہیں جو بنگال کی اردو شاعری پر چھائے ہوئے نظر آتے ہیں چنانچہ انھوں نے خود کہا ہے ؎

سچ سچ جو مجھ سے پوچھیے تو فنِ شعر میں
نساخ اپنے وقت کے تم بھی امام ہو

Marfat.com

نساخ کے اس شعر کو ان کی تعلّی پر محمول کیا جا سکتا ہے لیکن جب ہم ان کی خدماتِ زبان و ادب کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے تعلّی نہیں کی ہے بلکہ بڑے خلوص سے صداقت کا اظہار کیا ہے اور یہ شعر صداقت پر مبنی ہے۔

نساخ کی فنِ شعر سے آگہی، زبان و بیان پر عبور، شاعری پر قدرت، شاعر گری اور اپنی کثیر تخلیقات سے خدمتِ زبان و ادب یقیناً انھیں اپنے وقت کا امام بناتی ہے۔ ان کے معاصرین نے ان کی کتابوں پر جو تقریظیں لکھی ہیں ان میں اس کا اعتراف بھی موجود ہے۔

گویا نساخ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے اور شعرا و ادبار بنگال کے قافلہ سالار۔ اور یہی چیز ان کو بنگال کی شاعری کا ـــ میر کارواں بھی بناتی ہے۔ اگرچہ نساخ نے اپنی شاعری میں کوئی جدت نہیں پیدا کی اور نہ کوئی علیحدہ اندازِ بیان اردو کو دیا۔ نہ ہیئت میں تبدیلی کی اور نہ موضوع اور مواد میں۔ جیسا کہ انیسویں صدی کے آخر میں اردو شاعری میں حالی و آزاد نے شروع کیا تھا اور ایک الگ طرزِ شاعری کا سنگِ بنیاد رکھنے میں منہمک و مشغول تھے۔ اسی لئے نساخ کی شاعری کو غور و فکر کے نقطۂ نظر سے ایک الگ دبستان ادب تو نہیں قرار دے سکتے۔ کیونکہ دبستانی نکتۂ نظر سے خیالات، مواد یا ہیئت میں کسی نہ کسی تبدیلی کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ دبستانِ دلّی اور دبستانِ لکھنؤ کے نظریۂ شاعری سے ظاہر ہے لیکن ایک طرح سے بنگال کو بھی ایک الگ دبستانِ شاعری کہا جا سکتا ہے اور وہ ہے ترویجِ شاعری۔ یہ اور بات ہے کہ بنگال کی شاعری دبستانِ لکھنؤ سے متاثر ہوئی اور لکھنؤ کا طرزِ سخن ہی عام طور پر بنگال میں مقبول رہا۔ مگر جب اردو شاعری کے تدریجی ارتقا پر نظر کرتے ہیں تو حیرت انگیز طور پر ایک بات سامنے آتی ہے اور وہ ہے مرکزیت۔ یعنی دلّی کی تباہی کے بعد مرکزیت لکھنؤ کو حاصل ہوئی اور پھر اس شاعری کا مرکز عظیم آباد اور مرشدآباد ہو گیا۔ اسی طرح انیسویں صدی کے وسط میں جب واجد علی شاہ کی جلاوطنی کے سبب لکھنؤ کے شعرا مٹیا برج منتقل ہو گئے تو اردو ادب کا مرکز مٹیا برج بھی ہو گیا اور اسی کے ردِّعمل کے طور پر بنگال میں بھی ایک مساوی مرکز قائم ہوا جس کی نمائندگی

Marfat.com

بنگال نژاد شعرا کر رہے تھے اور جس کا مرکز کلکتہ تھا جو اس وقت عروس البلاد ہو رہا تھا۔

ابھی کہا گیا ہے کہ بنگال میں اردو شاعری کا مرکز دبستانِ لکھنؤ کے ردِ عمل کے طور پر قائم ہوا۔ لکھنوی شعرا کا اپنی زبان اور شاعری پر ناز اس کا سبب بنا اور یہی وجہ ہے کہ لکھنوی طرز میں بنگالی شعرا نے محض مقابلہ کی خاطر اپنا پورا پورا زور صرف کیا اور اپنی شاعری کو لکھنوی شعرا اور شاعری کے مدِ مقابل بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ اس کوشش میں نسّاخ پیش پیش تھے اور نسّاخ کی انھیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ ناسخ امام طرزِ لکھنؤ کے مقابل ہوئے اور ان کے دو دیوان اسی کوشش کے نتیجے میں وجود میں آئے۔ جو لکھنوی اساتذہ کے دواوین سے بڑھ کر نہیں تو کم تر بھی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ نسّاخ نے اردو شاعری کو بنگال کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔ چنانچہ اس کارنامے کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے کہ نسّاخ نے بھی بنگال میں ایک دبستانِ شاعری کی اساس رکھی اور اس دبستان کے وہ خود امام بنے جو طرزِ فکر کے لحاظ سے لکھنوی اور دہلوی طرز سے جدا تو نہیں، لیکن بیشتر لکھنوی دبستان کے ردِ عمل کے طور پر وجود میں آیا۔ ردِ عمل کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ نسّاخ نے لکھنوی طرز کے اتباع کے باوجود لکھنوی اساتذہ کی اصلاحِ زبان سے ہٹ کر بھی کام کیا ہے۔ خود ان کی زبانی ملاحظہ ہو۔

"جب زمانہ حکیم مومن خاں و شیخ محمد ابراہیم ذوق و مرزا اسد اللہ خاں غالب و شیخ امام بخش ناسخ و خواجہ حیدر علی آتش کا آیا ان لوگوں نے زبانِ اردو کے روزمرہ کو خوب صاف کیا اور کلام کو فصاحت و بلاغت سے بھر دیا اور کیتیں اور ہیگا وغیرہ بہت سے الفاظ کو استعمال سے خارج کر کے اس زبان کا رتبہ ایسا بڑھا دیا کہ اشعارِ اردو کو اشعارِ فارسی کے ہم پہلو کر کے دکھا دیا۔ لیکن اس عہد میں دہلی اور لکھنؤ کی زبان میں بڑا فرق آگیا یعنی شعرائے دہلی کے بہت سے ترک کردہ لفظوں

Marfat.com

ترکیب کو شعرائے لکھنؤ نے جائز رکھا اور بہت سے لفظ و ترکیب کو
جو شعرائے دہلی کے نزدیک درست تھے، شعرائے لکھنؤ نے ترک کردیا۔
لیکن ہیچ میرز کو اوائل فکرِ سخن سے اس امر کا خیال تھا کہ دہلی یا لکھنؤ کی
زبان میں جو بات اچھی معلوم ہو اس کو اخذ کروں اور جو بات بری
معلوم ہو اس کو ترک کردوں چنانچہ ایسا ہی کیا[۱]"

نسّاخ نے باوجود اتباع طرزِ لکھنؤ کے بعض ایسے الفاظ کا استعمال جائز رکھا جسے ناسخ کے زمانے میں ترک کیا گیا تھا۔ چند مثالیں دیکھئے ؎

نہ ہووے بدگہر کے دل کو حاصل نور ایماں کا
جو بدمذہب ہے حافظ ہو نہیں سکتا ہے قرآں کا

ہووے گا زرد شرم سے منہ آفتاب کا
گوشہ الٹ گیا اگر اس کے نقاب کا

انتظاری میں ہوئی خواب و خیال آنکھوں میں نیند
چشمِ اختر میں گزر ہوتا نہیں ہے خواب کا

اشکوں نے قدِ یار کا رتبہ بڑھا دیا
دونا ہے حسن سرو لبِ جوئبار کا

کیا دیوے پتا مجھ کو کوئی اس کے مکاں کا
کب عرش پہ ہے دخل فرشتوں کے گماں کا

نبیوں سے راز کہتے تھے جبریل آن کر
دنیا میں کس کو علم ہے ما فی الضمیر کا

اک جہاں گو کہ ترا مہر لقا ہے شیدا
لیک کم ہوویں گے عاشق ترے ہم سے پیدا

---

[۱] زبان ریختہ ص ۱۳۰

Marfat.com

بل بے ہشیاری کہ اک شب نہ سنا دھر کے کان

نہ چلا تجھ پہ مرے نالۂ شب گیر کا پیچ

دل پسیجے صاحبِ زر کا یہ ہے امرِ محال

دیکھ لیجے دیدۂ خاتم میں اک آنسو نہیں

توقع وصل کی بعد از وصال اے دل ہوئی تجھ کو

ہوا یہ نفع حاصل آخرش جی کا زیاں ہو کر

نسّاخ کی اس کوشش اور کاوش سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ہیئت، مواد اور موضوع میں کوئی تبدیلی نہ کرنے کے باوجود دونوں دبستانوں میں یگانگت اور اتحاد پیدا کرنے کی ایک نئی راہ نکالی ہے اور اسے ان کا ایک کارنامہ سمجھنا چاہیئے کیونکہ دونوں دبستانوں کے افراد سختی سے اپنے اپنے اصولِ شاعری پر کاربند تھے۔ یہ فرق بظاہر کوئی بڑا فرق نظر نہیں آتا لیکن اس سے اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ اردو شاعری کے دو جدا جدا دبستانوں کے امتیازی تانے بانے ٹوٹ کر رہیں گے اور آئندہ نسلیں دہلی اور لکھنؤ کے فرق کی قائل نہ رہیں گی اور اس لحاظ سے نسّاخ کی خدمات قابلِ قدر اور قابلِ تحسین نظر آتی ہیں۔

پھر نسّاخ کے دور میں لکھنوی اتباع کا جو زور تھا، اسے انھوں نے طرزِ دہلوی کو اختیار کر کے بھی توڑا یعنی شاعر کو آزادی دلائی کہ انھیں ہر خرمن سے فیض یاب ہونے کا پورا پورا حق ہے اور اس پر عمل کر کے خود بھی ایک مثال قائم کردی۔ ان خدمات اور ان کے گرد شعراء کے ایک بڑے حلقے کی موجودگی کے پیشِ نظر نسّاخ کو بھی ایک دبستانِ فکر و خیال کا بانی کہا جا سکتا ہے جس کا مرکز کلکتہ تھا اور جس کے مرکزی کردار خود نسّاخ تھے۔ ان جیسا جامع حیثیات کا کوئی دوسرا نہ تھا۔ اس کے علاوہ دلّی اور لکھنؤ کے شعرا اور ادبا میں بھی کم تر ایسے تھے جن میں بیک وقت یہ تمام خوبیاں موجود ہوں اور تصانیف و تالیفات کی اتنی کثیر تعداد

Marfat.com

کے پیشِ نظر تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان دونوں مرکزوں میں بھی مشکل ہی سے نسّاخ کا
کوئی مدِ مقابل ملے گا۔

غرض نسّاخ نے اردو شاعری میں کوئی غیر معمولی امتیازی مقام حاصل نہ
کرنے کے باوجود ایک ادیب، شاعر، دبستانِ شاعری کے بانی اور ایک
دور افتادہ علاقے میں شمعِ شاعری کو فروزاں کرنے اور اردو ادب کے دامن
کو اپنی تخلیقات سے بھرنے اور اس میں ایک معتدبہ اضافہ کرنے کی حیثیت
سے یقیناً ممتاز ہیں اور ان کے ان احسانات سے اردو ادب کبھی سبکدوش
نہیں ہو سکتا اور وہ ان حیثیتوں سے بے شک اردو ادب کے محسنوں میں
شمار کیئے جائیں گے۔

Marfat.com

مصادر و مآخذ

تصانیف عبدالغفور خاں نساخ :۔ (۱)

۱۔ ارمغان (دیوان سوم) مطبوعہ مطبع نظامی۔ کانپور سنہ ۱۸۷۷ء

۲۔ ارمغان (دیوان چہارم) مطبوعہ مطبع نامی۔ لکھنؤ نومبر سنہ ۱۸۸۶ء

۳۔ اشعار نساخ۔ منشی نولکشور پریس لکھنؤ ۔ سنہ ۱۲۹۱ء

۴۔ انتخاب نقص سنہ ۱۸۸۰ء مطبع نامی لکھنؤ

۵۔ باغ فکر سنہ ۱۸۸۷ء مطبع نامی لکھنؤ

۶۔ ترانۂ خامہ سنہ ۱۳۰۲ھ مطبع بحر العلوم لکھنؤ

۷۔ تذکرہ سخن شعراء سنہ ۱۲۹۱ھ نولکشور پریس لکھنؤ

۸۔ تذکرۃ المعاصرین ۔ ناقص الاوّل

۹۔ چشمۂ فیض سنہ ۱۲۹۱ھ مطبوعہ اودھ اخبار لکھنؤ

۱۰۔ چشمۂ فیض سنہ ۱۳۰۷ھ (سنہ ۱۸۸۹ء) نولکشور پریس کانپور

۱۱۔ چشمۂ فیض سنہ ۱۹۱۴ء نولکشور پریس کانپور

۱۲۔ چشمۂ فیض سنہ ۱۳۳۳ھ مطبع رزاق کانپور

۱۳۔ خودنوشت سوانحعمری (مخطوطہ) ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ نمبر ۹۷۴۰
(FOLIO ۱۸۲)

۱۴۔ دفتر بے مثال مطبوعہ مظہر العجائب پریس کلکتہ سنہ ۱۲۸۰ھ

۱۵۔ دفتر بے مثال مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ

۱۶۔ زبان ریختہ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ

۱۷۔ زبان ریختہ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء

۱۸۔ سفینۂ منتخب مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ اپریل سنہ ۱۸۸۰ء

Marfat.com

۱۹۔ شاہدِ عشرت۔ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
۲۰۔ قطعہ منتخب۔ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
۲۱۔ قندِ پارسی۔ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
۲۲۔ مرغوبِ دل۔ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
۲۳۔ منتخبات دواینِ شعرائے ہند۔ کالج پریس کلکتہ سنہ ۱۸۶۴ء
۲۴۔ مظہرِ معما۔ مطبوعہ بحرالعلوم پریس لکھنؤ سنہ ۱۳۰۲ھ
۲۵۔ نصرۃ المسلمین۔ مطبوعہ حامی الاسلام پریس دہلی سنہ ۱۳۰۳ھ
۲۶۔ کنزِ تواریخ۔ مطبوعہ نظامی پریس کانپور سنہ ۱۲۹۴ھ
۲۷۔ گنجِ تواریخ۔ مطبوعہ نامی اودھ اخبار پریس لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
۲۸۔ نصابِ زبانِ اردو حصہ دوم۔ کالج پریس کلکتہ سنہ ۱۸۶۳ء

مصادر و مآخذ

(۲)

۱۔ آبِ کوثر۔ شیخ محمد اکرم
۲۔ اردو ادب میں سوانح نگاری کا ارتقاء۔ ڈاکٹر فاطمہ الطاف حسین
۳۔ اردو تنقید کا ارتقاء۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی
۴۔ اردو تنقید کی تاریخ۔ جلد اول مسیح الزماں
۵۔ اردو تنقید پر ایک نظر۔ کلیم الدین احمد
۶۔ اردو ڈرامہ تاریخ و تنقید۔ عشرت رحمانی
۷۔ اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ۔ ڈاکٹر عبدالحق
۸۔ اغلاط المعاصرین ابواسمٰعیل محمد خلیل اللہ خلیل۔ رزاقی پریس کانپور
۹۔ الاصلاح (بنگلہ)
۱۰۔ انشائے داغ مرتبہ احسن مارہروی۔ انجمن ترقی اردو ہند سنہ ۱۹۴۱ء

Marfat.com

۱۱۔ بحر الفصاحت ۔ نجم الغنی
۱۲۔ بنگلہ ادب کی تاریخ ۔ مرتبہ ڈاکٹر شہید اللہ مترجمہ عبدالرحمن بیخود
۱۳۔ بنگال میں اردو ۔ وفا راشدی
۱۴۔ بہار میں اردو کا ارتقاء ۔ ڈاکٹر اختر اورینوی
۱۵۔ بہار بلبل ۔ محمد حسین دافر ۔ مطبع محمدی ڈھاکا ۱۸۸۰ء
۱۶۔ پنجاب میں اردو ۔ محمود شیرانی
۱۷۔ تاریخ ادب اردو ۔ رام بابو سکسینہ
۱۸۔ تاریخ شعرائے بہار ۔ رفیع الدین بلخی
۱۹۔ تجارب صحیحہ ۔ مولوی معین الدین احمد مطبع علم الاخبار کلکتہ سنہ ۱۳۰۴ھ
۲۰۔ تحقیق کی روشنی میں ۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی
۲۱۔ تحقیق و تنقید ۔ ڈاکٹر اختر اورینوی
۲۲۔ تذکرہ بزم سخن ۔ سید علی حسن خاں
۲۳۔ تذکرہ خندۂ گل ۔ عبدالباری آسی
۲۴۔ تذکرۃ الخواتین ۔ عبدالباری آسی
۲۵۔ تذکرہ سراپا سخن ۔ محسن علی محسن
۲۶۔ تذکرہ شعرائے ہنود ۔ منشی دیبی پرشاد بشاش
۲۷۔ تذکرہ شمع انجمن نواب صدیق حسن خاں
۲۸۔ تذکرہ شمیم سخن ۔ عبدالحی صفا بدایونی
۲۹۔ تذکرہ عمدۂ منتخبہ اعظم الدولہ سرور
۳۰۔ تذکرہ طور حکیم ۔ نور حسن خاں
۳۱۔ تذکرہ گلشن بے خار ۔ اردو ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی
۳۲۔ تذکرہ مجموعہ نغز ۔ قدرت اللہ قاسم
۳۳۔ تذکرہ نادر کاب علی خاں نادر

Marfat.com

۳۴۔ تذکرہ نسوانِ ہند۔ فصیح الدین بلخی
۳۵۔ تردید الایرادت۔ آغا علی
۳۶۔ تطہیر الادساخ نسخ افساخ۔ محمد رضا منجز
۳۷۔ تواریخ ڈھاکا۔ رحمٰن علی طیش
۳۸۔ جامع التواریخ۔ فقیر محمد۔ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۳۶ء
۳۹۔ جامع التواریخ۔ فقیر محمد۔ مطبوعہ ۱۸۹۷ء
۴۰۔ چشمۂ فیض (مخلوط) میر معین الدین فیض۔ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ
۴۱۔ حالی بحیثیت شاعر۔ شجاعت علی سندیلوی
۴۲۔ جواہر منتخب۔ عبدالرؤف وحید
۴۳۔ حیات غالب۔ ایس۔ایم اکرام
۴۴۔ خزن بعصمت اللہ النسخ (مخلوط)۔ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ
۴۵۔ خطبات گارساں دتاسی۔ انجمن ترقی اردو حیدرآباد
۴۶۔ خمخانۂ جاوید۔ جلد اول۔ لالہ سری رام
۴۷۔ " " جلد دوم۔ " "
۴۸۔ " " جلد سوم " "
۴۹۔ " " جلد چہارم " "
۵۰۔ " " جلد پنجم " "
۵۱۔ داستان زبان اردو۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری
۵۲۔ داغ۔ تمکین کاظمی
۵۳۔ دلی کا دبستان شاعری۔ نصیر الدین ہاشمی
۵۴۔ دیوان آزاد۔ ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری (مرثیہ نساخ بہتی تحریر (CALL NO25
۵۵۔ دیوان آزاد۔ محمود آزاد
۵۶۔ دیوان تمکش کلکتوی۔ سراجی پریس کلکتہ مطبوعہ ۱۹۲۰ء

Marfat.com

۵۷۔ دیوانِ مومن۔ مرتبہ ضیا احمد ضیا۔ شانتی پریس الہ آباد ۱۹۴۷ء

۵۸۔ دیوانِ مخلص (مخطوطہ) ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری کلکتہ III 999

۵۹۔ دیوانِ ناسخ۔ دیوان اول و دوم

۶۰۔ دیوانِ نشتر۔ مطبوعہ ستارۂ ہند پریس کلکتہ ۱۹۳۰ء

۶۱۔ ڈھاکا پچاس برس پہلے۔ حکیم حبیب الرحمٰن۔

۶۲۔ ذکرِ میر۔ ڈاکٹر خواجہ احسن فاروقی

۶۳۔ شعر الہند۔ حصہ اول و دوم۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۶۵ء

۶۴۔ عروض و قوافی۔ ابو معین محمد عضد الدین عضد۔ مطبع نور الآفاق کلکتہ ۱۳۱۲ھ

۶۵۔ فرہنگ آصفیہ۔ سید احمد دہلوی جلد اول و دوم

۶۶۔ قصائدِ منتخبہ۔ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ۱۸۸۸ء مرتبہ قاضی عبد الحمید

۶۷۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی

۶۸۔ مرثیہ انیس جلد اول۔ مطبوعہ نولکشور پریس کانپور بار ششم ۱۹۱۵ء

۶۹۔ مرثیہ انیس جلد اول مطبوعہ نولکشور پریس بار ہفتم ۱۹۳۷ء

۷۰۔ مرثیہ دبیر۔ مطبوعہ نولکشور پریس کانپور بار چہارم

۷۱۔ مشاعرہ بزم داناپور ۱۸۷۹ء

۷۲۔ مشرقی بنگال میں اردو۔ سید اقبال عظیم

۷۳۔ مفتاح السلوک۔ نور العالم خالدی

۷۴۔ موازنہ انیس و دبیر۔ شبلی نعمانی

۷۵۔ مہتاب داغ۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۲ء

۷۶۔ ناسخ سے وحشت تک۔ سید لطیف الرحمٰن

۷۷۔ نصابِ اردو حصہ اول۔ مرتبہ ولیم ناسولیس

۷۸۔ نقشِ آزاد۔ ابو الکلام آزاد۔ مرتبہ غلام رسول مہر

۷۹۔ نواب عبد اللطیف ابو الضحیٰ نور محمد (بنگلہ)

Marfat.com

۸۰ ـ نواب عبداللطیف محمد واجد علی (بنگلہ)
۸۱ ـ نورالّلغات جلد چہارم
۸۲ ـ گستاخی معاف ـ سید مرتضیٰ گستاخ
۸۳ ـ گلدستہ نتیجہ سخن کلکتہ ماہ اکتوبر ۱۸۸۲ء
۸۴ ـ گلدستہ نتیجہ سخن ماہ نومبر ۱۸۸۲ء
۸۵ ـ گلِ رعنا ـ عبدالحئی
۸۶ ـ گنجینۂ سروری ـ مفتی غلام سرور ـ نولکشور پریس ۱۸۵۹ء
۸۷ ـ واجد علی شاہ اوران کا عہد ـ رئیس احمد جعفری
۸۸ ـ یادگارِ اجداد ـ ابومعین محمد عضدالدین عضد
۸۹ ـ یادگارِ غالب ـ الطاف حسین حالی
۹۰ ـ تذکرہ کاملان رامپور ـ حافظ احمد علی خاں شوق
۹۱ ـ تفضیح ـ آغا علی
۹۲ ـ شعرائے اردو کے تذکرے ـ ڈاکٹر سید عبداللہ
۹۳ ـ دیوان یقین ـ مرتبہ مرزا فرحت اللہ بیگ مطبوعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۳۴۹ھ ۱۹۳۰ء

رسالے اور ماہنامے

(۳)

۱ ـ اردو ـ انجمن ترقی اردو حیدرآباد (دکن) اپریل ۱۹۳۸ء
۲ ـ اردو ـ " " " اکتوبر ۱۹۴۹ء
۳ ـ اردوئے معلیٰ ـ (حسرت موہانی) ماہ ستمبر ۱۹۱۰ء
۴ ـ اردوئے معلیٰ ـ " " اکتوبر، نومبر ۱۹۱۰ء
۵ ـ افکار کراچی ـ ماہ اگست ۱۹۶۲ء
۶ ـ جادو ـ ڈھاکا

Marfat.com

۷۔ ساز۔ کلکتہ۔ فروری ۱۹۶۲ء
۸۔ ساقی۔ ماہ مارچ ۱۹۵۵ء
۹۔ صحیفہ لاہور۔ جون، اگست ۱۹۵۹ء
۱۰۔ " " اکتوبر ۱۹۶۴ء
۱۱۔ صنم (بہار نمبر) جنوری، اپریل ۱۹۵۹ء
۱۲۔ ماہِ نو کراچی ۱۹۵۱ء
۱۳۔ ندیم گیا۔ ماہ نومبر ۱۹۳۳ء
۱۴۔ نقوش لاہور (آپ بیتی نمبر)
۱۵۔ نگار۔ جنوری ۱۹۲۹ء
۱۶۔ " ماہ مارچ ۱۹۵۰ء
۱۷۔ " اپریل ۱۹۵۹ء
۱۸۔ " مئی ۱۹۵۹ء
۱۹۔ نگار کراچی ۱۹۶۴ء (تذکروں کا تذکرہ نمبر)
۲۰۔ اردو کراچی۔ جنوری ۱۹۶۶ء

ENGLISH BOOKS
(4)

1. The Early History of the Calcutta Madrasah (Journal of the Muslim Institute Vol. III April-June, 1908)
2. Twelve Men of Bengal by Bradlay Birt.
3. The G enealogical History of India Part V.
4. A Short Account of My Public Life, Nawab Abdul Latif.

Marfat.com

5. History of Hugly College.
6. Dictionary of Indian Biography- Buckland.
7. Catalogue of Hindustani Printed Books in the Library of British Museum.
8. Journal of the Muslim Institute - July - September, 1908.
9. The press on the death of Nawab Abdul Latif.
10. European and Indo-European poets of Urdu and Persian - Ram Babu Saksena.
11. Golden book of India-Reperlath Bridge.
12. Social history of the Muslims in Bengal Dr. A.Karim.
13. Awadh Catalogue - Sprenger.

Marfat.com

انجمن کی مطبوعات

تحقیق و تنقید

نصرتی۔ ملک الشعرائے بیجاپور	مرتبہ: بابائے اردو		پانچ روپے
مرحوم دہلی کالج	مرتبہ: بابائے اردو		چار روپے
سیّد احمد خاں۔ حالات و افکار	مرتبہ: بابائے اردو	(دوسرا ایڈیشن)	چھ روپے
مقالات گارساں دتاسی (جلد اول)			دس روپے
مقالات گارساں دتاسی (جلد دوم)			تیس روپے
خطبات گارساں دتاسی (جلد اول)			تیس روپے
خطبات گارساں دتاسی (جلد دوم)			پندرہ روپے
سودا (تحقیقی مقالہ)	مصنف: شیخ چاند	دوسرا ایڈیشن	سات روپے
اردو تھیٹر	مرتبہ: ڈاکٹر عبدالعلیم نامی	جلد اول	سات روپے
"	"	جلد دوم	سات روپے
"	"	جلد سوم	سات روپے
"	"	جلد چہارم	پندرہ روپے
محمد حسین آزاد	مرتبہ ڈاکٹر اسلم فرخی	جلد اول	آٹھ روپے
		جلد دوم	پندرہ روپے

Marfat.com

جلال لکھنوی	مرتبہ: ڈاکٹر محمد حسن	تین روپے
کاروانِ صحافت	مصنفہ: ڈاکٹر عبدالسلام خورشید	چار روپے
سعادت یار خاں رنگین	مرتبہ: ڈاکٹر صابر علی خاں	
"اقبال"	اردو خاص نمبر ۱۹۳۸ء مع اضافہ	تیس روپے
تلخیص الاردو	مرتبہ: سید ہاشمی فرید آبادی	پانچ روپے پچاس پیسے
تنقیدی اصول و نظریے	مرتبہ: حامد اللہ افسر میرٹھی	آٹھ روپے
عبدالغفور خاں نساخ	مصنفہ: ڈاکٹر صدر الحق	تیس روپے
نیا ادب	مصنفہ: کشن پرشاد کول (اشاعت سوم)	(زیر طبع)
اختر شیرانی	مصنفہ: ڈاکٹر یونس حسنی	پچیس روپے
اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام	مرتبہ: بابائے اردو	چھ روپے

Marfat.com